مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق : ایک مطالعہ

MASHRIQI PUNJAB MEIN URDU KI ADABI TEHQEEQ:EK MUTALIA

فیکلٹی آف لینگویجز پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں پیش کیا گیا تحقیقی مقالہ

برائے

ڈاکٹر آف فلاسفی (Ph.D.) اردو

نگران:

ڈاکٹر محمد جمیل

(پروفیسر و سابقہ صدر)

مقالہ نگار:

اقبال احمد

ریسرچ اسکالر

(Established Under Punjab Act No.35 of 1961)

شعبہ فارسی، اردو و عربی

پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، پنجاب

اپریل۔۲۰۲۱ء

تلخیص

تحقیق بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی کھوج، تلاش، دریافت، چھان بین اور تفتیش کے ہیں۔ تحقیق کی تعریف اور مفہوم کے بارے میں مختلف محققین اور دانشوروں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مختلف لغات میں بھی لفظ تحقیق کی تعریف اور معنی بیان کئے گئے ہیں۔ آف لائن اردو لغت میں تحقیق کے لغوی معنی یوں درج ہیں: اچھی طرح دریافت کیا ہوا، اصلیت معلوم کرنا، پایۂ ثبوت کو پہنچنا، پوچھ گچھ، ثابت شدہ، جانچ پڑتال، حق گوئی، حقیقت میں اور دریافت کرنا وغیرہ ہیں۔

تحقیق ایک مشکل کام ہے۔ تحقیق کرنا دراصل کسی راہِ پرخار پر چلنے کے مترادف ہے اور ہر کس و ناکس اس راہ پر نہیں چل سکتا ہے۔ اس میدان میں مسلسل محنت، لگن، دیانتداری، ایمانداری اور صبر سے کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس راہِ کٹھن میں بے شمار دشواریاں پیش آتی ہیں جن کا سامنا کرنے کے لئے صبر اور انتھک محنت درکار ہوتی ہے۔

پنجاب نے ازل ہی سے اردو کی ترقی کے لئے راستے ہموار کیے ہیں۔ پنجاب کی اس دھرتی نے اردو کے بڑے ہی بلند پایہ شاعروں، ادیبوں، نقادوں اور محققین کو جنم دیا ہے۔ جنھوں نے اردو کے شعر و ادب میں گرانقدر اضافے کئے ہیں۔ برصغیر کی تقسیم سے قبل متحدہ پنجاب نے اردو ادب کی تقریباً ہر صنف کے میدان میں ایک حیرت انگیز ترقی کی تھی اور اردو زبان کی ادبی تاریخ مرتب کرنے اور اس کی تعمیر و تشکیل میں جو اضافہ سرزمینِ پنجاب نے کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ سرزمینِ پنجاب نے ہمیشہ ہی اردو کا دامن مختلف رنگ کے پھولوں سے بھرا ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری و ساری ہے۔

اس مقالہ کی تخلیق و تحقیق اور غرض و غایت کا مقصد یہ ہے کہ ادب کا ادنیٰ سا طالب علم ہونے کے ناطے میں نے محسوس کیا کہ مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو زبان و ادب اور بالخصوص پنجاب کے اردو زبان و ادب سے متعلق اب تک ان گنت موضوعات پر تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ مختلف محققین نے اردو ادب کے متعلق نئے نئے تحقیقی گوشے سامنے لائے ہیں لیکن مشرقی پنجاب میں ہوئے تحقیقی کام کو اب تک کسی نے نہ ہی موضوع بنا کر باقاعدہ طور پر کام کیا تھا اور نہ ہی کوئی تحقیقی مقالہ قلمبند ہو کر منظر عام پر آیا تھا۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ یہ جو موضوع ابھی تشنہ اور تحقیق طلب ہے اس پر تحقیق کر کے اس کی صحیح اور واضح

صورتحال کو پیش کیا جائے۔ راقم السطور نے ''مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق: ایک مطالعہ'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے موضوع کا انتخاب کیا اور اس تحقیقی مقالہ کو پانچ ابواب تقسیم کیا ہے۔

پہلے باب میں راقم نے پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ تحقیق کی تعریف اور اقسام پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ باب دوم میں راقم نے مشرقی پنجاب میں اردو کے اہم محققین کو تلاش و تحقیق کے بعد شامل کر کے ان کی مختصر سوانح اور تحقیقی کاموں کا جائزہ لیا ہے۔ تیسرے باب میں مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق کے حوالے سے بات کی ہے۔ اور اس خطے میں موجود تین جامعات میں ہوئے تحقیقی کام کا جائزہ لیا ہے۔ مقالہ کے چوتھے باب میں مشرقی پنجاب کی جامعات میں لکھے گئے اہم تحقیقی و تنقیدی مقالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ کے پانچویں اور آخری باب میں مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کے مستقبل کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ مقالہ کے آخر میں مذکورہ موضوع پر کئے گئے تحقیقی کام کا ماحصل اور کتابیات شامل ہیں۔ مجھے امیدِ کامل ہے کہ اس خطے میں ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کے حوالے سے یہ مقالہ کافی اہم ثابت ہوگا اور اردو تحقیق کی تاریخ میں ایک نئے باب کو وا کرنے کی کوشش کریگا۔ اس مقالے کے ذریعے مشرقی پنجاب کے اکثر و بیشتر محققین کو اردو تحقیق کی دنیا سے متعارف کرایا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مستقبل میں جب بھی مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کا مطالعہ کیا جائے گا میرا یہ مقالہ اس ضمن میں ضرور معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

☆☆☆

نگران	مقالہ نگار
ڈاکٹر محمد جمیل	اقبال حمد
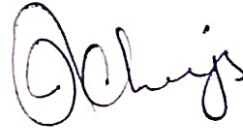
CANDIDATE DECLARATION

*I, **IQBAL AHMED** certify that the work embodied in this Ph.D. thesis is my own bonafide work carried out by me under the supervision of **Dr. Mohd Jameel** (Professor) from September 2017 to April 2021 at Department of **Persian, Urdu & Arabic, Punjabi University Patiala**. The matter represented in this Ph.D. Thesis has not been submitted for the award of any other Degree or diploma in any other institution.*

I declare that I have faithfully acknowledged, given credit to and referred to the research workers wherever their works have been cited in the text and the body of the thesis. I further certify that I have not willfully lifted up some other's work, paragraphs, text, data, results etc. reported in the journals, books, magazines, reports, dissertations, thesis etc. or available at websites and included them in this Ph.D. thesis and cited as my own work. I also declared that I have adhered to all principles of academic honesty and integrity and have not misrepresented or fabricated or falsified any idea/data/fact/source in my submission. I understand that any violation of the above will be cause for disciplinary action by university.

***Date:** 09-04-2021*
Place: Patiala

Iqbal Ahmed
Research Scholar

This is to certify that the above statement made by the candidate is correct to the best of my knowledge.

Dr. Mohd Jameel
Professor& Ex. Head
Department Of Persian, Urdu and Arabic,
Punjabi University Patiala, Punjab.

فہرست

بابِ اوّل

”علم کی طلب کے لئے جستجو شرط ہے“

باب اول: مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت

(۱) تحقیق کی تعریف

(۲) تحقیق کی اقسام

(۳) تحقیق کی روایت

تحقیق دراصل سچائی کی تلاش کا نام ہے۔ یہ شک کو یقین میں بدلنے کا عمل ہے۔اس سے علم کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا ہے،ترقی کے دروازے کھلتے ہیں اور کئی مسائل حل ہوتے ہیں۔زندگی کے ہر میدان میں تحقیق کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔انسان کی کسی بھی شئے کو جاننے اور پرکھنے کی خواہش پیدائشی ہے۔یہی فطری طلب انسان کو نئی نئی تحقیقات کرنے اور اس سفر کو رواں رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ازل سے ہی انسان ہر امر کا ثبوت چاہتا ہے۔تحقیق ہی ہے جو یہ ثبوت مہیا کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔انسانی زندگی میں گونا گوں مسائل اور موضوعات ہیں انہی موضوعات یا مسائل کے حل کے لئے تحقیق شروع کی جاتی ہے اور موضوع سے متعلق مواد جمع کیا جاتا ہے پھر اس مواد کا تجزیہ تحقیقی اصولوں کی بنیاد پر کرنے کے بعد نتیجہ نکالا جاتا ہے،حقائق کی تصدیق ہوتی ہے موضوع یا مسئلے کا تسلی بخش حل نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اکثر و بیشتر تسلی بخش حل نکل بھی آتے ہیں اور کبھی کبھار تحقیق کے لئے نئے دروازے بھی وا ہوتے ہیں۔

تحقیق بنیادی طور پر ''عربی'' زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی کھوج،تلاش،دریافت،چھان بین اور تفتیش کے ہیں۔تحقیق کی تعریف اور مفہوم کے بارے میں مختلف محققین اور دانشوروں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔مختلف لغات میں لفظ تحقیق کی تعریف اور معنی بیان کیے ہیں۔آف لائن اردو لغات میں تحقیق کے لغوی معنی یوں درج ہیں:''اچھی طرح دریافت کیا ہوا،اصلیت معلوم کرنا،پایۂ ثبوت کو پہنچنا،پوچھ گچھ،ثابت شدہ،جانچ پڑتال،حق جوئی،حقیقت میں اور دریافت کرنا۔''

انگریزی زبان میں تحقیق کے لئے لفظ ریسرچ (Research) کا استعمال ہوا ہے۔لفظ ریسرچ دو الفاظ کا مجموعہ Re اور Search ہے اس طرح Re کا مطلب دوبارہ اور Search کا مطلب تلاش،یعنی دوبارہ تلاش کرنا۔English Urdu Offline Dictionary میں لفظ ریسرچ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

1.Systematic Investigation to establish Facts

2.Search for Knowledge

3.Inquire into

Attempt to find out in a systematically and scientific Manner

آکسفورڈ اردو انگریزی لغت میں لفظ تحقیق کی معنی ان الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔

Research; Verification Ascertaining the Truth,exactness ,fact

مندرجہ بالا سطور میں تحقیق کے لغوی معنی کی بھر پور توضیح ہوتی ہے کہ تحقیق صداقت و اصلیت کی کھوج اور حق کی تلاش و جستجو کا عمل ہے۔اس کے اصطلاحی معنی بھی لغوی معنی سے جدا نہیں ہیں۔

لفظ تحقیق کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں۔جن میں صرف الفاظ کی تعبیر کا فرق ہے۔لیکن مفہوم اور مقصد سب کا لگ بھگ ایک ہی ہے۔اصطلاحی معنی میں تحقیق کسی تعلیمی مسئلے یا موضوع کے بارے میں ایسے کھوج لگانا کہ اس کی اصلی شکل خواہ معلوم ہو یا غیر معلوم اس طرح نمایاں ہو جائے کہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔محققین اور دانشوروں نے تحقیق کے اصطلاحی معنی کو اپنے اپنے انداز اور طرز میں بیان کیا ہے۔

عندلیب شادانی نے تحقیق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

> ''تحقیق کے لغوی معنی تو سبھی کو معلوم ہیں۔رہے اصطلاحی معنی یعنی ریسرچ کا یہ مطلب ہے یا تو نئے حقائق دریافت کیے جائیں یا پھر معلوم حقائق کی کوئی ایسی نئی تفسیر پیش کی جائے کہ اس سے ہماری معلومات میں متعدد اضافہ ہو جائے۔''

(اردو میں اصول تحقیق جلد دوم،ص،۸۰)

ڈاکٹر سید عبداللہ تحقیق کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''تحقیق کے لغوی معنی کسی شئے کی حقیقت کا اثبات ہے۔اصطلاحاً ایک ایسے طرزِ مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض و مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا

ہے۔تاریخی تحقیق میں کسی امر واقعہ کے وقوع کے امکان و انکار کی چھان بین مدِ نظر ہوتی

ہے۔''

(اردو میں اصول تحقیق،ص،۱۹)

مالک رام نے تحقیق کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے۔

''تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کا مادہ ح ق ق جس کے معنی ہیں کھرے کھوٹے کی
چھان بین یا بات کی تصدیق کرنا، دوسرے الفاظ میں تحقیق کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے
علم و ادب میں کھرے کو کھوٹے سے، مغز کو چھلکے سے، حق کو باطل سے الگ کریں، انگریزی
لفظ ریسرچ کے بھی یہی معنی اور مقاصد ہیں۔''

(اردو میں اصولِ تحقیق،ص،،۲۳۴)

پروفیسر عبدالستار دلوی رقمطراز ہیں کہ:۔

''تحقیق کسی مسئلے کے قابل اعتبار حل اور صحیح نتائج تک پہنچنے کا وہ عمل ہے جس میں ایک منظّم
طریقہ کار حقائق کی تلاش، تجزیہ اور تفصیل کاری پوشیدہ ہوتی ہے۔''

(ادبی اور لسانی تحقیق،ص،۱۳)

ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش کے مطابق:۔

''تحقیق کی بنیاد تلاش و جستجو، مشاہدات، تجربات اور علوم کی افہام و تفہیم پر ہوتی ہے۔تحقیق
ایک محتاط سرگرم جستجو اور مسلسل کاوش اظہار ہے۔جس میں مروجہ حقیقتوں کی تلاش اور سچائی کی
کھوج مضمر ہے۔جس کے منطقی نتائج یا نظریات پر نظر ثانی کی جاتی ہے اور اس کے اثرات کا
کھوج لگا کر اس کی صحیح تاویل پیش کی جاتی ہے۔''

(اردو میں اصولِ تحقیق،ص،۱)

قاضی عبدالودود کے الفاظ ہیں۔

''تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش کا نام ہے۔''

(اردو میں اصول تحقیق،ص، ۲۰۵)

ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں۔

''ریسرچ ایک حقیقت پنہاں یا حقیقت مبہم کو افشا کرنے کا باضابطہ عمل ہے۔''

(تحقیق کا فن،ص،۱۳)

ڈاکٹر احسان اللہ نے تحقیق کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ:۔

''یہ (یعنی تحقیق) سائنسی طریق کار کو اپناتے ہوئے تعلیمی مسائل کے حل تلاش کرنے کا ذریعہ ہے اور خاص طور پر یہ کہ تعلیمی تحقیق ایک باضابطہ تعقلی اور تجربی طریقۂ تفتیش ہے۔ جس کے ذریعے تعلیم کے مسائل کو حل کرنے اور اس میں نئے علوم اور نئے طریقوں کو شامل کرنے کی ارادتاً کوشش کی جاتی ہے تاکہ جستجو اور تجسس کا مقصد پورا ہو جائے۔''

(تعلیمی تحقیق اور اس کے اصول ومبادی ،ص،۱۲۵)

پروفیسر محمد حسن تحقیق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''تحقیق مخصوص حالات میں اور مخصوص شواہد اور روایات کی روشنی میں اس صداقت کی تلاش ہے جو محقق کی دسترس میں ہو یا ہو سکتی ہو۔''

(اردو میں اصول تحقیق،ص۲۴۴)

Paul D Leedy ریسرچ کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

"Research is simply a systamtetic quest of un coverd truth.Research is simply a manner in which men solve the knotty problems in their attempt to push back the frontiers of human ignorance."

(مشمولہ اردو میں اصولِ تحقیق،ص،۷)

سی سی کراسفورڈ کے مطابق:۔

"Research may be defined as a method of studying problems,whole solutions are to be derived partly or wholly from facts"

(مشمولہ اردو میں اصولِ تحقیق،ص،۷)

Redman ando Mory کے مطابق تحقیق

"Research is the systematized effort to gain new knowledge"

Dr .S.L.gupta تحقیق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"Research is the systematic process of collecting and analizing information (data) in order to increase our understanding of the phenomenon about which we are concerned or intrested "

Hitesh Gupta لکھتے ہیں۔

"Research is to re -serach from available primary and secondary data in to relevent information to form a substantial knowledge"

(Research Methodology page no. 5)

مندرجہ بالا تحقیق کی مختلف تعریفوں کی روشنی میں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ تحقیق نامعلوم حقائق کی تلاش اور معلوم حقائق کی توسیع یا ان کی خامیوں کی تصیح ہے۔ان دونوں یعنی خامیوں کی تصیح یا حقائق کی توسیع کے ذریعے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور علم میں توسیع سے انسانی ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔مندرجہ بالا تمام تعریفوں میں ایک چیز جو مشترک ہے وہ حقیقت کی تلاش اور حقائق کی بازیابی ہے۔

تحقیق ایک مشکل ترین کام ہے۔تحقیق کرنا دراصل کسی راہِ پرخار پر چلنے کے مترادف ہےاور ہر کس و نا کس اس راہ پر نہیں چل سکتا ہے۔اس میدان میں مسلسل محنت ،لگن ، دیانتداری ،ایمانداری اور صبر سے کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس راہِ کٹھن میں بے شمار دشواریاں پیش آتی ہیں۔جن کا سامنا کرنے کے لئے صبر اور انتھک محنت درکار ہوتی ہے۔

☆۔تحقیق کی اقسام

ابتداء میں انسان کم پڑھا لکھا تھا اور اس کا دائرہ علم محدود تھا،علم کی کمی تھی دور دور تک بس گنے چنے عالم فاضل تھے جن کا شمار انگلیوں پر کیا جاسکتا تھا۔رفتہ رفتہ انسان نے اردگرد کا ماحول دیکھا،اس کو جاننے کی کوشش کی اور تحقیقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ابتداء میں علوم کی دنیا محدود تھی تو تحقیق کا بھی کوئی وجود نہ تھا مگر جب انسان نے جاننا شروع کیا تو علوم کا دائرہ جو تنگ تھا وسیع ہوا اور تحقیق کے وسیلے سے نئے نئے علوم متعارف ہونے لگے۔تحقیق جس کا کوئی وجود ہی نہ تھا مختلف قسمیں وجود میں آ گئیں۔چنانچہ اب تحقیق کی بے شمار اقسام ہیں جن کو ماہرین فن اور محققین نے اپنی علمی وسعت کے مطابق الگ الگ زمروں میں تقسیم کیا ہے۔تحقیق کو ماہرین نے مقاصد ،نوعیت ، طریقہ کار اور موضوعات کے حوالے سے تقسیم کیا ہے۔مقاصد کے اعتبار سے گیان چند جین نے تحقیق کی دو اقسام بتائی ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ:۔

> ''تحقیق کی دو قسمیں خالص یا نظریاتی تحقیق اور اصطلاحی تحقیق ہیں یہ فرق قدرتی (Natural) سائنسوں میں زیادہ نظر آتا ہے۔طبیعات میں کچھ محقق نظریاتی (Theoritical) تحقیق والے ہوتے ہیں۔دوسرے عملی تحقیق والے۔''

(تحقیق کا فن،ص،۲۳)

نظریاتی تحقیق:۔اس تحقیق کو بنیادی یا خالص تحقیق بھی کہا جاتا ہے ۔ایک قسم کی سائنسی تحقیق ہے۔اس قسم کی تحقیق زندگی کے مقاصد کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرتی ہےاور واضح طور پر نئے خیالات کو متعین کرتی ہے اس کے نتائج ہمیشہ مستقبل پر لاگو ہوتے ہیں۔

اطلاقی تحقیق:۔ یہ تحقیق کا ایک ایسا طریقہ ہے جو کسی فرد یا گروہ کو متاثر کرنے والے کسی خاص علمی مسئلے کو حل کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تحقیق کا یہ سائنسی طریقہ کاروبار، طب اور تعلیم میں استعمال کیا جاتا ہے تاکہ تمام در پیش مسائل کا آسانی سے حل نکل سکے۔

مقاصد کے اعتبار سے ڈاکٹر ایم۔ سلطانہ بخش تحقیق کی تین اقسام کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:۔

''تحقیق ایک جامع عمل ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف پہلوؤں کا حامل ہے۔ چند پہلو ایسے ہیں جو اپنے مقاصد کے لحاظ سے اہم اور قابل توجہ ہیں، ان میں نظریاتی یا بنیادی پہلو، اطلاقی پہلو اور عملی پہلو نمایاں ہیں۔''

(اردو میں اصول تحقیق، ص،۹)

اردو ادب کے حوالے سے ڈاکٹر سلطانہ بخش اطلاقی تحقیق کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''جہاں تک اطلاقی تحقیق کا تعلق ہے سب سے اہم کام تاریخ ادب اردو کو ترتیب دینا ہے ۔اس سلسلے میں اصل ماخذ کا شائع کرنا اتنا ہی اہم ہے جتنا ان سے صحیح نتائج اخذ کرنا اور ان کی مدد سے تاریخ مرتب کرتا ہے۔''

(اردو میں اصول تحقیق، ص،۲۰۱)

ڈاکٹر ایم۔ سلطانہ بخش کی مقاصد کے حوالے سے کی گئی تحقیق کی اقسام میں مندرجہ بالا اقسام کے ساتھ عملی تحقیق بھی شامل ہے اس لئے عملی تحقیق کی تعریف بھی کرنا لازمی ہے۔

عملی تحقیق:۔ اس تحقیق کو اقدامی تحقیق بھی کہا جاتا ہے ۔اس تحقیق کو فوری طور پر مسائل کے حل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ عملی تحقیق سے کوئی اصول یا نظریے وضع نہیں ہوتے ۔ادبی تحقیق میں بھی اس تحقیق کا زیادہ استعمال نہیں ہوتا۔ اس تحقیق کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ تحقیق کسی بھی سطح پر کی جائے اس کا اصل مقصد تو تجربات کو بہتر بنانا ہوتا ہے۔ عملی تحقیق زیادہ تر لائبریریوں اور تعلیمی اداروں میں کی جاتی ہے۔

نوعیت کے اعتبار سے تحقیق کی دو قسمیں ہیں۔مقداری تحقیق اور معیاری تحقیق۔

مقداری تحقیق میں عددی اعداد و شمار یا کسی زبان کے اعداد و شمار کو جمع کرنے اور تجزیہ کرنے کا عمل ہے ۔اس کا استعمال نمونوں کو تلاش کرنے، پیشن گوئیاں کرنے، کارگر تعلقات کو جانچنے اور وسیع تر آبادی کے نتائج کو بروئے کار لانے کے لئے کیا جاتا ہے۔

معیاری تحقیق یہ بنیادی طور پر ایک نقطۂ نظر ہے نہ کہ تحقیق کرنے کا کوئی طریقہ ہے۔معیاری تحقیق عام طور پر علم و ادب اور معاشرتی علوم جیسے بشری علوم، معاشیات، تعلیم، صحت سائنس تاریخ وغیرہ جیسے مضامین میں استعمال ہوتی ہے۔

طریقہ کار کے لحاظ سے بھی تحقیق کی بے شمار اقسام ہیں۔

''منہج کے اعتبار سے بھی تحقیق کی بے شمار اقسام ہیں۔جن میں بیانیہ منہج تحقیق، تقابلی منہج تحقیق، تجزیاتی منہج تحقیق، شماریاتی منہج تحقیق اور مطالعہ احوال پر مبنی منہج تحقیق زیادہ معروف ہیں۔''

(اصول تحقیق، ص،۱۰)

موضوع کے لحاظ سے تحقیق کی اقسام:۔

موضوع کے لحاظ سے بھی تحقیق کی متعدد اقسام ہیں۔جس قدر یہ دنیا بڑی ہے علوم و فنون بھی لاتعداد ہیں اور اسی قدر موضوعات بھی ان گنت ہیں۔تمام علوم مختلف شاخوں پر مشتمل ہیں اور ظاہر سی بات ہے کہ ہر شاخ کا کوئی نہ کوئی پہلو قابل تحقیق ہوتا ہے اور ہر پہلو پر تحقیق ممکن ہے چاہے اس کا تعلق مذہب، سماج، علم البشریات یا اقتصادیات سے ہو۔مگر ایک شرط ہے کہ اس میں تحقیقی موضوع بن سکنے کی گنجائش ہو۔علوم کی بوقلمونی، موضوعاتی تحقیق کی بنیاد ہے موضوع کے اعتبار سے تحقیق کی اقسام کرنا کافی مشکل کام ہے کیونکہ علوم کی کوئی بھی قسم ہو وہ اپنے اندر ان گنت موضوعات کو سمیٹے ہوئے ہے۔ڈاکٹر نور الاسلام صدیقی لکھتے ہیں کہ:۔

''زندگی کے مسائل جداگانہ ہیں، ان میں تنوع ہے، لہٰذا انسان کی طبیعتوں میں بھی یک

گونہ تنوع،اس کی فکر میں بھی تنوع اور اس کے میلانات اور رجانات میں بھی تنوع ہے۔ ہر محقق ہر موضوع پر نہ تو لکھ سکتا ہے نہ کلام کرسکتا ہے نہ غور وفکر اور تحقیق وتنقید کر کے کسی خاص نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔انسان کے مسائل مادی ہوں یا غیر مادی چونکہ ان مسائل میں تنوع ہے۔لہذا اس کے موضوعات تحقیق میں بھی تنوع لا ابدی ہے۔''

(ریسرچ کیسے کریں،ص،٦)

ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش کے مطابق

تحقیق کی تمام اقسام پانچ بڑی قسموں میں آسانی سے منقسم ہوسکتی ہیں۔

۱۔تاریخی تحقیقHistorical Research

۲۔بیانیہ تحقیقDescriptive Research

۳۔تجرباتی تحقیقExperimental Research

۴۔کلینکلی تحقیقClinical Research

۵۔موضوعاتی تحقیق

(اردو میں اصول تحقیق،ص ،۱۰)

میرا موضوع ادبی تحقیق سے متعلق ہے۔اس لئے اپنی بات کو زیادہ طول نہ دیتے ہوئے اصل موضوع کی طرف متوجہ ہو کر اس پر خامہ فرسائی کی کوشش کروں گا۔

ادبی تحقیق:۔ادبی تحقیق سے ہم وہ تحقیق مراد لیتے ہیں جس کا تعلق دنیا میں رائج کسی بھی زبان وادب سے ہوتا ہے۔ادبی تحقیق میں ادب سے متعلق فن پارے کے مخفی حقائق کو تلاش وجستجو کے بعد بروئے کار لایا جاتا ہے۔جس طرح تحقیق زندگی کے دوسرے مسائل کی طرف اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے اسی طرح ادب اور آرٹ پر بھی غور وفکر کرتی ہے۔ادبی تحقیق کی ذریعے ہم ادیبوں ،اصنافِ ادب ،شاعروں اور اصنافِ ادب سے متعلق اغلاط کو دور کرتے ہیں اور بعض تصانیف جو سہواً یا جانتے ہوئے بھی دوسروں سے بھی منسوب کر دی گئیں تھیں۔حقائق اور دلائل سے تحقیق کر کے انھیں

جائز مقام دلایا جاتا ہے۔ادب کے محقق کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تحقیقی کام میں روانی ہے ٹھہراؤ نہیں۔تحقیقی عمل ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے اور آئے روز اس میں نت نئے اضافے ہوتے رہتے ہیں۔ایک ہی موضوع پر کئی کئی تحقیقات کی جاتی ہیں۔اور ہر بار کوئی نیا پہلو سامنے آتا ہے۔لیکن تحقیق کے لئے کچھ اصول اور ضوابط مقرر کیے گئے ہیں۔لہذا ان ہی اصول وضوابط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر مسئلہ کو جانچا اور پرکھا جائے۔رشید حسن خاں لکھتے ہیں کہ:۔

''ادبی تحقیق میں کسی امر کا وجود بطور واقع اس صورت میں متعین ہوگا، جب اصول تحقیق کے مطابق اس کے متعلق معلومات حاصل ہوں۔واقع کا چھوٹا یا بڑا ہونا،اہم یا غیر اہم ہونا،ادبی تحقیق میں کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتا۔یہ صفاتی الفاظ صرف اس صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں اس واقع سے کام لیا جا رہا ہے جو بات ایک جگہ کم اہمیت رکھتی ہے،بخوبی ممکن ہے،دوسری جگہ زیادہ اہمیت رکھتی ہو۔تحقیق میں ہر واقع بجائے خود ایک حیثیت رکھتا ہے اور اس کے متعلق ضروری معلومات حاصل کی جانی چاہئے۔''

(ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ،ص،۷)

ادبی تحقیق میں ہر ایک بیان یا ادبی نقطہ اہمیت رکھتا ہے۔مگر یہ واقعہ، بیان یا ادبی نقطہ تب تک قابلِ قبول نہیں ہوسکتا جب تک نہ ایک محقق اس مسئلہ کو اصولِ تحقیق کے مطابق ، جانچ ، پرکھ اور تفتیش کے بعد مع دلائل تمام شک و شبہات سے پاک کر کے اس قابل بنا دے جائے کہ اس پر اکتفا کر لیا جائے۔

تحقیق کے میدان میں انجماد نہیں مثال کے طور پر اردو زبان کے آغاز کے نظریوں کی اگر بات کی جائے تو ہر دور میں اہل زبان ،ادیب اور لسانیات سے تعلق رکھنے والے اشخاص نے اردو زبان کے آغاز کے بارے میں مختلف اور متضاد نظریات پیش کئے ہیں۔محمود شیرانی کا نظریہ کہ ''اردو پنجاب میں پیدا ہوئی'' ایک مدت تک قابل قبول رہا حتی کہ پروفیسر مسعود حسین خان نے اپنی تحقیق ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' میں اردو زبان کے متعلق یہ ثابت کر دیا کہ اس کی پیدائش دہلی کے گرد ونواح میں ہوئی تھی اور یہ نظریہ اب تک قابل قبول ہے۔ممکن ہے کہ اس کی تردید میں بھی کوئی نظریہ سامنے آجائے اس سے ثابت ہوا کہ تحقیق میں تسلسل ہے انجماد نہیں۔

زندگی کے تقریباً تمام شعبہ جات میں تحقیق کی اہمیت ہے۔ہم جس معاشرے میں جی رہے ہیں۔تحقیق کے ذریعے اس کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کوشش اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک نہ ہم اپنے بزرگوں کے ذہنی فکری اور جذباتی کارناموں کے بارے میں جان لیں۔اسی طرح ادب کے بارے میں جاننے کے لئے ادبی تحقیق ضروری ہے۔ یہ ادبی تحقیق ہی کی وجہ سے ممکن ہوا ہے کہ ہم اردو کی تاریخ کو چھ سو سال پیچھے لے گئے ہیں۔اگر تحقیق نہ کی جاتی تو ممکن نہیں تھا کہ اردو زبان وادب کی جو تاریخ ہمارے پاس ہے وہی ہوتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ قدیم اُردو ادب کے کئی گوشے ایسے بھی ہونگے جو تحقیق طلب ہیں اور تحقیق کے جدید اصولوں کے مطابق ان کو سامنے لایا جاسکتا ہے۔

اردو ہندوستانی زبان ہے اور اس کا خمیر مختلف زبانوں کے میل جول سے تیار ہوا ہے۔اس زبان کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ اس میں ادب بھی تخلیق ہونا شروع ہوا۔اس زبان میں ادب کی شروعات شاعری سے ہوئی اور نظامؔی بیدرؔی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کو اردو کی پہلی ادبی تخلیق مانا گیا ہے۔جس کا سنہ تصنیف ۱۴۲۱ء سے ۱۴۳۵ء کے درمیان ہے۔شعری ادب کے بعد نثری ادب کی تخلیقات کا عمل بھی شروع ہوگیا تھا اور اردو کا پہلا نثری کارنامہ ملا وجہؔی کی داستان 'سب رس' ہے۔جس کا سنہ تصنیف ۱۶۳۵ء ہے۔اردو زبان مختلف ادوار سے گذر کر ترقی کرتے ہوئے آج دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانی والی زبانوں میں شامل ہوچکی ہے۔اس زبان نے نثر و نظم کی شکل میں کافی ذخیرہ جمع کرلیا ہے۔نظم و نثر کا معیار دیکھنے کے لئے تنقید وجود میں آئی اور اس کے ساتھ ہی یہ فن پارہ جو شعری یا نثری شکل میں ہے یہ کب اور کیسے وجود میں آیا اور اس کا خالق کون ہے یہ سب دیکھنے کے لئے تحقیق وجود میں آئی ہے۔

اردو میں اگر ہم تحقیق کے حوالے سے بات کریں تو اس کے ابتدائی نقوش ہمیں شعرائے اردو کے تذکروں نکات شعراء از میر تقی میرؔ،مخزن نکات از قائمؔ ،چمنستان شعراء ،طبقات الشعراء،تذکرہ شعرائے اردو وغیرہ میں ملتے ہیں۔ان تذکروں میں اردو شعراء کے مختصر حالات اور کلام شامل ہیں۔ابتداء میں یہ تذکرے فارسی زبان میں لکھے گئے اگرچہ ان میں ذکر اردو شعراء کا ہی تھا اور بعد میں اردو زبان میں بھی تذکرے لکھے جانے لگے۔اگرچہ ان تذکروں میں مذکورین کے حالات اور احوال ناکافی ہیں لیکن تحقیق کرنے والوں کے لئے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ان تذکرہ نگاروں کا

مقصد تحقیق نہیں تھا اور نہ ہی ان شعراء کے حالات کو تحقیقی اصولوں یا صحیح چھان بین کے بعد قلمبند کیا گیا تھا بلکہ جس کے بارے میں جو بھی معلوم تھا اسے زیب قرطاس کر کے شائع کر دیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر گیان چند جین ان ابتدائی تذکروں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''مجھے اعتراف ہے کہ ان تذکروں میں تفحص کے بجائے تساہل سے کام لیا گیا ہے۔ حالات کے جمع کرنے میں کد نہیں کی گئی۔ جس کے بارے میں جو کچھ معلوم تھا وہی زیب قرطاس کر دیا۔ کسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تو از دست ہی اکتفا کر لی گئی۔ لیکن اکثر تذکروں میں چند شعراء کے حالات میں کچھ کام کی باتیں اور کچھ تفصیلات مل جاتی ہیں۔''

(اردو تحقیق وتدوین ،ص،۱۳)

اردو شعراء کا سب سے پہلا تذکرہ ''نکات الشعراء'' کے نام سے میر تقی میؔر نے ۱۷۵۲ء میں لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد متعدد تذکرہ نگاروں نے تذکرے لکھے، مگر ان میں سیر حاصل تفصیل نہیں ملتی۔ میؔر کے تذکرے کی اشاعت کے تقریباً ۱۳۰ سال کے بعد ۱۸۸۰ء میں محمد حسین آزؔاد نے ' آب حیات' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس میں شعراء کا ذکر متقدمین کے تذکروں کے مقابلے میں قدرے تفصیل کے ساتھ ہے۔ اس تذکرے میں کچھ غلطیاں اور خامیاں ہونے کے باوجود بھی اس کی اہمیت برقرار ہے۔

آب حیات کے بعد امداد امام اثؔر نے کاشف الحقائق ۱۸۹۷ء میں لکھی۔ اردو کی ادبی تحقیق میں سرسید کا نام نہیں لیا جاسکتا کیونکہ ادبی تحقیق میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں ہے البتہ اردو تحقیق کی تاریخ میں ان کا نام لیا جاسکتا ہے۔ آثار الصنادید، آئین آکبری، تاریخ فیروز شاہی اور ترک جہانگیری وغیرہ ان کے تحقیقی کارنامے ہیں جو اردو زبان میں لکھے گئے ہیں۔

محمد حسین کی آب حیات اور سخن دانِ فارس، الطاف حسین حالؔی کی حیات سعدی، یادگار غالؔب اور حیات جاوید، شبلی نعمانی کی شعر العجم وغیرہ اردو تحقیق کے ابتدائی نمونے ہیں۔

حافظ محمود شیرانی کو اردو کا پہلا مشرقی یا مغربی اصول تحقیق کے مطابق تحقیق کرنے والے محقق کا شرف حاصل ہے۔اردو کی ادبی تحقیق کا آغاز بیسویں صدی کے اوائل ہی میں ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اردو شعراء کے لکھے ہوئے تذکروں کو مرتب کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔تاریخ اردو ادب بھی مرتب ہوئی اسی طرح نثری وشعری فن پارے بھی مرتب ہو کر سامنے آنے لگے اور تحقیق کا یہ کارواں بڑی تیزی سے ترقی کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔اس تحقیقی کارواں کو آگے بڑھانے والے چند اہم محققین جن میں حکیم شمس اللہ قادری،نصیر الدین ہاشمی،محی الدین قادری زور،عبدالقادر سروری،رام بابو سکسینہ،نورالحسن ہاشمی،سید عبداللہ،قاضی عبدالودود،غلام رسول مہرؔ،شیخ محمد اکرام اور مولوی عبدالحق وغیرہ اردو تحقیق کے کافی اہم نام ہیں۔

اردو میں علاقائی ادب پر بھی کافی کام ہوا ہے سب سے پہلے اس طرف نصیر الدین ہاشمی نے توجہ دلائی اور ۱۹۳۸ء میں ان کی کتاب ''مدراس میں اردو'' شائع ہوئی ان کو دیکھتے ہوئے دوسرے محققین نے بھی علاقائی ادب پر اپنی کتابیں شائع کیں۔ان میں بنگال میں اردو،بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء،میسور میں اردو،گجرات میں اردو اور پنجاب میں اردو وغیرہ شامل ہیں۔علاقائی ادب کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے آج بھی اسی نوعیت کی بڑی تعداد میں تحقیقی کتب ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔اردو زبان وادب کے ساتھ ساتھ تحقیق وتنقید بھی برصغیر میں کافی ترقی کر رہی تھی کہ اسی دوران ہندوستان برطانوی حکومت کے تسلط سے آزاد ہوا لیکن دو ٹکروں میں بٹ گیا ایک تو ہندوستان ہی رہا جب کہ دوسرا خطہ پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک کی شکل میں سامنے آیا۔اس تقسیم نے نہ صرف زمینی سطح پر تقسیم کر کے سرحد مقرر کی بلکہ عام لوگوں کے ساتھ ساتھ ادیب،فنکار،علماء،ناقد اور محقق بھی ہجرت کر گئے۔کچھ ادیب وشاعر ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے جب کہ بعض پاکستان سے ہجرت کر کے ہندوستان چلے آئے۔ڈاکٹر خلیق انجم ان قلمکاروں کی ہجرت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ہندوستان آزاد ہوا اور ملک تقسیم ہو گیا،مولانا غلام رسول مہرؔ،ڈاکٹر سید عبداللہ اور خلیفہ عبد الحکیم وغیرہ پاکستان میں رہ گئے،ڈاکٹر عبدالحق،ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور بعد میں علامہ نیاز فتح پوری ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔''

(اردو تحقیق وتدوین ،ص،۱۰۰)

ایک وسیع وعریض ملک جو ہندوستان ، پاکستان اور بنگلہ دیش پر مشتمل تھا۔ان کے مابین راتوں رات سرحد کھینچ دی گئی۔جو جہاں تھا وہیں رہ گیا یا پھر مع اہل وعیال ہجرت کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے ہندوستان و پاکستان پہنچے اردو کو تقسیم سے بہت نقصان پہنچا خاص کر اردو تحقیق کو کیونکہ یہ ابھی اپنے ابتدائی مراحل سے نکلی تھی کہ اس سے تقسیم کا شکار ہونا پڑا اور پھر برسوں تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں کہ:۔

''ملک کی آزادی اور تقسیم نے اہل اردو کو بہت متاثر کیا تھا اس سے آٹھ دس سال تک کوئی قابل ذکر تحقیقی کارنامہ وجود میں نہیں آیا۔اس مختصر سے زمانے کے بعد اردو تحقیق وتدوین میں وہ کام شروع ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔''

(اردو تحقیق وتدوین،ص،۱۰۱)

تقسیم ہند کے واقعات نے پورے برصغیر کو متاثر کیا تھا اور اس کا سب سے زیادہ اثر اگر کسی خطے پر پڑا تو وہ پنجاب تھا۔ملکی تقسیم نے پنجاب کو بھی دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔پنجاب کا زیادہ تر حصّہ سرحد کی اس طرف یعنی پاکستان میں شامل ہوگیا اور مغربی پنجاب کے نام موسوم ہوا۔ہندوستانی پنجاب جو کہ تھوڑا سا حصہ ہے مشرقی پنجاب کے نام سے پکارا جانے لگا۔اس تقسیم سے لوگوں کے جانی و مالی نقصان کے ساتھ ساتھ جذباتوں کو بھی ٹھیس پہنچی اپنے وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ،لاکھوں قتل ہوئے ،عورتوں کی عصمت ریزی کی گئی اور لاتعداد اغوا بھی ہوئیں۔پنجاب کے اردو ادب کو بھی نقصان ہوا۔مشرقی پنجاب میں صرف گنے چنے ادیب ہی رہ گئے تھے باقی ہجرت کر کے پاکستان کے مختلف شہروں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ایک مدت کے لئے مشرقی پنجاب سے اردو زبان کا نام ونشان مٹ گیا تھا اور کئی برسوں تک یہاں اردو کی بستی گویا سونی رہی تھی۔

برصغیر ہند کی تقسیم اور آزادی سے قبل پنجاب نے اردو کی آبیاری میں کافی ذرخیزی دکھائی تھی۔اس سرزمینِ پنجاب پر بڑے بڑے عالموں ،شاعروں ،ادیبوں ،نقادوں اور محققین نے جنم لیا ہے۔ان گنت بیرونِ پنجاب سے تعلق رکھنے والے ایسے اردو ادب نواز بھی گزرے ہیں جنھوں نے اس علاقے میں رہ کر اپنے رشحاتِ قلم سے اردو ادب کو

فروغ دینے میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔شعروادب سے ہٹ کر اگر صرف اردو تحقیق کی بات کریں تو اس کے آغاز کی نشاندہی بھی ہمیں اسی علاقے سے ہوتی ہے۔اس ضمن میں محمد حسین آزاؔد، الطاف حسین حاؔلی، حافظ محمود شیرانی، غلام رسول مہؔر اور شیخ محمد اکرام کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت پر خامہ فرسائی کرنے سے قبل میں ضروری سمجھتا ہوں کہ متحدہ پنجاب کا جو نقشہ آزادی سے پہلے تھا اسے شامل کر کے پنجاب کے علاقوں کی نشاندہی ہو سکے۔

اردو میں تحقیق کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہی پنجاب میں بھی اردو تحقیق کا آغاز ہوا کیونکہ پنجاب اس وقت اردو کا اہم مرکز تھا اور بڑے بڑے عالم، ادیب وشاعر اور ناقد اس خطے میں آباد تھے۔پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت محمد حسین آزاؔد سے شروع ہوتی ہے۔آزاؔد کے ساتھ اور اس کے بعد بھی اس خطے میں تحقیقی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں الطاف حسین حاؔلی، محمود شیرانی، مولوی محمد شفیع، غلام رسول مہؔر، نظیر لدھیانوی، مالک رام، ڈاکٹر سید عبداللہ، شیخ محمد اکرام، جگن ناتھ آزاؔد، عین الحق فرید کوٹی، وزیر آغا، وحید قریشی، مشفق خواجہ، انیس ناگی، تبسم کاشمیری، خواجہ محمد زکریا، سید معین الرحمٰن، انور سدید، عطش درانی وغیرہ کے نام بھی اس میں لئے جاسکتے ہیں۔ان محققین کے حالات اور ان کی تحقیقی خدمات کا مختصر سا جائزہ لینے کی سعی کروں گا۔

☆ **۔محمد حسین آزاؔد:**۔محمد حسین آزاؔد نامور شاعر، انشا پرداز، مورخ ناقد اور محقق تھے۔آزاؔد کے والد کا نام محمد باقر تھا، شیخ محمد ابراہیم ذوؔق جو اردو کے مشہور شاعر تھے۔ان کے ساتھ محمد باقر کے گہرے مراسم تھے۔محمد حسین آزاؔد ۱۰ جون ۱۸۳۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔رشید اشرف خان ان کی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''۱۰ جون ۱۸۳۰ء کو مولوی محمد باقر صاحب کے یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا کیا۔ذوؔق نے ظہور اقبال میں سے تاریخ ولادت نکالی اور 'محمد حسین' نام رکھا۔''

(محمد حسین آزاد اور ان کا شعری سفر، ص ۱۷)

ان کی پیدائش کے بارے میں اختلاف بھی ہے۔بعض نے ۱۸۲۹ء اور کچھ نے ۱۸۳۰ء لکھی ہے جبکہ دستاویزات پر ۱۸۳۵ء درج ہے مگر ۱۰ جون ۱۸۳۰ء کو زیادہ تر محققین نے درست قرار دیا ہے۔

محمد حسین آزاد نے عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی محمد باقر سے حاصل کی تھی۔ بعد ازاں انہوں نے دلی کالج میں داخلہ لیا۔ اس کالج میں انھیں جو ادبی ماحول ملا اس سے کافی فائدہ اٹھایا اور شعر گوئی اور انشا پردازی کا آغاز کیا۔ ۱۸۵۷ء میں ان کے والد کو انگریزوں نے موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔ اس کے بعد آزاد نے دو ڈھائی برس بڑی دربدری اور کسمپرسی کی حالت میں گزارے اور اس دوران کبھی دہلی اور کبھی اس کے قرب و جوار میں تو کبھی مشرق اور کبھی جنوب کے چکر کاٹے۔ ۱۸۶۱ء میں دلی سے ہجرت کر کے لاہور چلے گئے تھے اور مختلف محکموں میں نوکریاں کرنے کے بعد ۱۸۶۵ء میں جب انجمنِ پنجاب کا قیام عمل میں آیا تو محمد حسین آزاد بھی اس میں شامل ہو گئے تھے ان کی کارکردگیوں کو دیکھتے ہوئے انہیں ۱۸۶۷ء میں انجمن کا سکریٹری مقرر کر دیا جس سے آزاد کی تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتوں کو جو ان میں پہلے سے موجود تھیں مزید پروان چڑھنے کے موقع فراہم ہونے لگے۔

انجمن پنجاب کا سکریٹری بننے کے بعد انہوں نے سرکاری طور پر کئی ملکی اور بیرونِ ممالک کے اسفار بھی کئے۔ ۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۸ء تک انجمن میں پڑھے جانے والے ۱۴۴ مقالات میں سے ۲۲ مقالے آزاد کے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں عارضی طور پر عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے گورنمنٹ کالج لاہور میں ان کی تقرری ہوئی ایک سال بعد ۱۸۷۰ء میں انہیں مستقل پروفیسر بنا دیا گیا۔ ۱۸۷۴ء میں انجمنِ پنجاب میں آزاد نے پہلا لیکچر دیا اور ۱۸۸۲ء میں شمس العلماء کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ۸۰ سال کی عمر پا کر یہ اردو کا سپاہی ۱۹۱۰ء میں اس جہانِ فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

محمد حسین آزاد کی تصنیف و تالیف اور ترتیب و تدوین کا سفر قیامِ لاہور کے بعد ہی شروع ہوا تھا۔ محمد حسین آزاد کا شمار اردو کے اولین محققین میں ہوتا ہے۔ ان کی ادبی، تحقیقی و تاریخی خدمات اردو میں ان گنت ہیں۔ لیکن یہاں صرف ان کی چند تحقیقی نوعیت کی کتابوں کا سرسری جائزہ لیا جانا مقصود ہے۔ اگر چہ ان کی بعض کتب ادبی تحقیق کے زمرے میں نہیں آتیں لیکن اردو تحقیق کے زمرے میں ضرور آتی ہیں۔

قصصِ ہند: ۔ یہ تاریخی کتاب تین حصّوں پر مشتمل ہے اور تینوں حصّوں کے مصنف الگ الگ ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا حصّہ محمد حسین آزاد نے تصنیف کیا تھا۔ اس کی اشاعت ۱۸۶۸ء میں ہوئی تھی۔ محمد حسین آزاد کو تاریخ سے کافی دلچسپی

تھی اور کئی تاریخی کتابچے بھی اس کتاب سے قبل لکھ چکے تھے۔اسی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے کرنل ہالرائڈ نے اس کتاب کے دوسرے حصّے کا کام ان کی سپرد کیا تھا۔اس کتاب کو نصاب کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا تھا۔ پروفیسر عتیق اللہ قصصِ ہند کے حصّہ دوم کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''قصصِ ہند میں کسی خاص عہد یا ہندوستان کی مکمل و مبسوط تاریخ کو موضوع نہیں بنایا گیا ہے بلکہ محض ان چیدہ چیدہ تاریخی شخصیات پر ہی خاص توجہ دی گئی ہے۔جو مختلف وجوہ سے توجہ طلب رہی ہیں۔''

(مونوگراف محمد حسین آزاد،ص،۳۵)

قصصِ ہند حصّہ دوم میں محمد حسین آزآد نے غزنوی خاندان سے اس کی ابتداء کی ہے۔اس کے بعد محمود غزنوی ،شہاب الدین غوری علاء الدین اور کولا دیوی، پدمنی، خضر خاں اور دیول دیوی، بابر ،ہمایوں،اکبر ،نور جہاں، جہانگیر،شاہ جہاں،اورنگ زیب،شیواجی،محمد شاہ اور بابا گورونا نک کا مختصر ذکر کیا ہے۔

آبِ حیات:۔ محمد حسین آزآد کی شاہکار تصنیف ہے۔یہ پرانے شاعروں کا تذکرہ بھی ہے اور اردو کی باقاعدہ تاریخ بھی ہے ۱۸۸۰ء میں تصنیف کی گئی یہ کتاب آزاد کو اردو کا پہلا مورخ اور محقق کا درجہ دلاتی ہے۔اس کتاب کی تکمیل کو بیس برس لگ گئے تھے۔یہ کتاب پانچ ادوار پر مشتمل ہے۔تاریخ زبان اردو، برج بھاشا پر اردو فارسی کا اثر کے بعد اردو نظم کی تاریخ پر مضمون لکھا ہے۔اس کتاب کے ابتدائی الفاظ کچھ یوں ہیں۔

''اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے۔''

(آبِ حیات،ص،۱۵)

اسی جملے اور انشاء پردازی کو دیکھتے ہوئے شبلی نے کہا تھا کہ'' آزاد گپ بھی ہانک دے تو وحی معلوم ہوتی ہے۔'' آبِ حیات کے پہلے دور میں ولؔی اور ان کے ہمعصر شعراء شاہ مبارک آبرؔو،شیخ شرف الدین مضمونؔ،محمد شاکر ناجؔی،غلام مصطفیٰ خان یکرنگؔ وغیرہ شامل ہیں۔دوسرے دور میں شاہ حاتمؔ،سراج الدین علی خان آرزؔو اور اشرف علی

فغاںؔ کے حالات درج ہیں۔تیسرے دور میں مرزا مظہر جاناںؔ ،میر تاباں،عبدالحئ، محمد رفیع سوداؔ،میر ضاحکؔ،میر سوزؔ،میر تقی میرؔ پر اس دور کا خاتمہ ہوتا ہے۔چوتھا دور جرأتؔ سے شروع ہوتا ہے۔میر حسن،سید انشا اللہ خان انشاؔ اور مصحفیؔ پر خاتمہ ہوتا ہے۔پانچواں اور آخری دور ناسخؔ سے شروع ہوتا ہے میر خلیقؔ ،آتشؔ،شاہ نصیرؔ،مومن خان مومنؔ،شیخ ابراہیم ذوقؔ،غالبؔ،مرزا دبیرؔ پر یہ دور اختتام کو پہنچتا ہے۔آب حیات پر بے شمار تنقیدیں کی گئیں ہیں اور کی بھی جانی چاہیے کیونکہ اس میں کافی خامیاں ہیں۔لیکن باوجود اتنی تنقیدوں کے اس کی اہمیت میں کمی نہیں ہوئی۔اغلاط اور سہو کے باوجود اس میں اتنی خوبیاں ہے کہ یہ کمیاں کوئی خاص معنی نہیں رکھتی۔اس سے قبل اس نوعیت کی کوئی بھی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔آب حیات کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند جین ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''آج ہمارے سامنے اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہر اہم شاعر کا جو تصّور ہے وہ آب حیات ہی کا عطا کردہ ہے۔تاریخی اعتبار سے آب حیات ہر جگہ درست نہ سہی لیکن ہماری ہر تاریخ ادب پر بھاری ہے۔اس میں جو چہکتی بولتی روح جھندہ ہے وہ دوسری تاریخوں میں کہاں،یہ تاریخ بھی ہے تخلیق بھی اس نے آب حیات پیا ہے پلایا ہے۔''

(اردو تحقیق وتدوین،ص ،۲۷)

آب حیات میں بعض کوتاہیاں مصنف نے جان بوجھ کر کی ہونگی اور کچھ سہواً ہوگئیں ان کوتاہیوں اور خامیوں کا محاسبہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد صادق بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

''یہ ایک ایسی کتاب ہے جس سے اردو ادب کی ایک بہت بڑی کمی پوری ہوئی اب تک اردو میں شعراء کا کوئی باقاعدہ تاریخ وار تذکرہ مرتب نہیں ہوا تھا،پرانے انداز کے تذکرے تو بہت تھے لیکن اکثر ناتمام اور ناقص کوئی کسی عہد سے متعلق تھا تو کوئی کسی عہد سے۔اکثر ایسے تھے کہ ان میں تنقید یا ادب کا شائبہ تھا نہ کوئی انسانی دلچسپی۔جس قسم کی کتاب درکار تھی وہ ایک ایسا تذکرہ تھا جس میں شعراء کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کی گئی ہوں،جدید انداز میں تنقید بھی ہو اور تحقیق پر مبنی سیر حاصل اور مستند حالات بھی ہوں۔یہ کمی آب حیات

نے پوری کردی۔آب حیات محض اردوشاعری کی تاریخ نہیں بلکہ ایک توانا متحرک اور زندگی
سے لبریز دستاویز ہے جو عہدِ ماضی کو از سرنو زندہ کر کے ہماری آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کرتی
ہے بلا مبالغہ ہمارے ادب میں ایسی کوئی اور کتاب نہیں۔''

(محمد حسین آزاد، احوال وآثار، ص ۸۴)

آب حیات کی کمیوں اور خامیوں کو اگر ایک طرف رکھ کر دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے کہ اس کتاب نے خود بھی آب حیات پیا ہے اور اردو زبان وادب کو بھی پلایا ہے۔اس کتاب میں جن شعرائے اردو کا تفصیلی تذکرہ ہے وہ اردو کے بلند پایہ شاعر تھے اور واحد یہی کتاب ہے جن میں ان بلند پایہ شاعروں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

دربارِاکبری:۔ مغلیہ سلطنت کے شاہوں میں اکبر کا مقام کافی بلند ہے۔اکبر کی زندگی اور کارناموں پر اس زمانے کے فارسی ادیبوں نے کافی کچھ لکھا تھا مگر اردو میں اکبر پر آزاد نے پہل کی اور ''دربارِاکبری'' کے نام سے عہدِ اکبر کی تاریخ لکھی۔اکبر کی پیدائش سے لیکر وفات تک ہر پہلو کو بیان کیا ہے،اکبر کے عہد کے امراء، مذہبی تصورات ،تصانیف ،عمارات گویا ہر چیز کو اس کتاب میں سمیٹا ہے۔یہ کتاب پہلی بار ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی تھی۔تب اس کی ضخامت بہت کم تھی۔دوسری مرتبہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی تب اس کی ضخامت ۸۴۰صفحات کی ہوگئی۔ادبی تحقیق کے زمرے میں تو یہ کتاب نہیں آتی البتہ اردو تحقیق کے زمرے میں شامل ہے۔ترتیب وتدوین بھی تحقیق کی ایک شاخ ہے اور اس میدان میں بھی آزاد نے ''دیوانِ ذوق'' کو مرتب کر کے اپنا حصہ ڈالا ہے۔

دیوانِ ذوق:۔ ذوق کا شمار اردو کے بڑے شعراء میں ہوتا ہے اور آزاد ان کے قابل شاگردوں میں شمار ہوتے ہوتے ہیں۔آزاد نے اپنے استاد کا دیوان بڑی محنت اور تحقیق سے مرتب کر کے اس پر ایک طویل مقدمہ بھی لکھا ہے ۔جس میں ذوق کے حالات وواقعات کو بڑے موثر انداز سے بیان کیا گیا ہے۔یہ دیوان محمد حسین آزاد کی وفات کے بارہ سال بعد یعنی ۱۹۲۲ء میں مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور سے شائع ہوا تھا۔

محمد حسین آزاد نے اردو والوں کے لئے اپنی گرانقدر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ادبی ،لسانی اور تاریخی تحقیق میں ان کا بہت ہی بلند مقام ومرتبہ ہے۔مندرجہ بالا کتب کے مطالعے سے ان کا اردو تحقیق میں جو مقام ہے اس کا

اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے اور یہ کتب اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ انہوں نے کس قدر محنت ،لگن اور عرق ریزی سے تحقیقی کام انجام دیے تھے۔ان کی تمام کتابیں اپنی اپنی جگہ اہم ہیں مگر اس میں شک نہیں ہے کہ آب حیات نے محمد حسین آزاؔد کو بھی حیاتِ جاوداں بخشی اور اردو ادب کو بھی ۔اس کتاب کی اہمیت میں ایک سو بیس سال بعد بھی کوئی کمی نہیں آئی اور امید ہے کہ جب تک اردو زبان کا نام رہے گا اس کی اہمیت برقرار رہے گی۔انہوں نے اپنی تحقیقی کتب میں ایسا دلکش اسلوب تحریر اپنایا ہے کہ جگہ جگہ ان کے کمال فن کی جھلک ملتی ہے

☆ ۔**الطاف حسین حاؔلی**:۔آزادی سے قبل اور تقسیم کے بعد بھی کئی برسوں تک ہریانہ پنجاب کا حصہ رہا تھا ۔۱۹۶۶ء میں زبان کی بنیاد پر ہریانہ مشرقی پنجاب سے الگ ہو گیا تھا۔سرزمین ہریانہ بھی پنجاب کی طرح اردو زبان وادب کی تاریخ میں کافی اہمیت رکھتی ہے۔اس سرزمین سے اردو زبان وادب کے متعدد گوہرِ آبدار پیدا ہوئے تھے۔ جنہوں نے اردو زبان وادب کو لازوال کارنامے عطا کئے ہیں۔انہی علم وادب کی ستاروں میں سے ایک الطاف حسین حاؔلی ہیں۔ان کی پیدائش ہریانہ کے ایک ضلع پانی پت میں ۱۸۳۷ء میں ہوئی۔نو سال کی چھوٹی سی عمر میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے۔پرورش کی ذمہ داری بڑے بھائی کے کندھوں پر پڑی جسے ان کے بھائی نے بخوبی نبھایا تھا۔ابتدائی تعلیم پانی پت میں حاصل کی اور ساتھ ہی قرآن پاک کو حفظ بھی کیا تھا۔حاؔلی کی نواسی صالحہ عابد حسین ان کی پیدائش کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:۔

> ''پانی پت کے محلّہ انصار میں ایک بزرگ خواجہ ایزد بخش انصاؔری رہتے تھے ان کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پہلے ہی سے تھیں۔۱۸۳۷ء (۱۲۵۳ھ) میں ایک اور لڑکا پیدا ہوا۔جس کا نام الطاف حسین رکھا گیا۔اسی لڑکے کو آج دنیا حاؔلی کے نام جانتی ہے۔''

(یادگارِ حاؔلی ،ص ،۲۴)

حاؔلی کی شادی ۱۷ سال کی عمر میں کر دگئی تھی۔مگر شادی ان کی علمی پیاس میں رکاوٹ تو نہ بنی مگر تعلیمی سلسلے میں ضرور حائل ہوئی کیونکہ جب وہ شادی کے بعد تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہ دلی گئے اور ایک مدرسہ میں داخلہ لیا ہی تھا دلی میں کہ بڑے بھائی کے کہنے پر تعلیم چھوڑ کر واپس گھر لوٹ آئے اور تلاشِ معاش کی خاطر نکلے اور حصار میں ڈپٹی

کمشنر کے دفتر میں ملازمت مل گئی۔ ۱۸۵۷ء ہنگامے کے بعد ملازمت چلی گئی چار سال پانی پت میں بغیر ملازمت کے گذارنے کے بعد پھر سے دلی کا رخ کیا۔ وہاں نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ سے ملاقات ہوئی اور ان کے بچوں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ حالیؔ کی طبیعت بھی شاعری کی طرف مائل ہوئی اور خستہ تخلص اختیار کیا۔ غالبؔ اور شیفتہؔ سے اصلاح سخن لیتے رہے اور غالبؔ نے ہی ان کا تخلص بدل کر حالیؔ رکھا تھا۔ غالبؔ اور شیفتہؔ کے انتقال کے بعد قیام دلی کے دوران ہی ان کی ملاقات مصلح قوم سر سید احمد خان سے ہوئی تھی۔ حالیؔ سر سید کے کام اور خیالات سے کافی متاثر ہوئے تھے اور ان دونوں ہی اشخاص کے خیالات میں یکسانیت بھی تھی۔ سر سید جو مصلح قوم تھے اور شعر و ادب سے قوم کی بھلائی کرنا چاہتے تھے۔ حالیؔ کو بھی انہوں نے اسی کام پر معمور کیا اور ''مسدس مدوجزر اسلام'' جیسی بلند پایہ نظم لکھوائی۔

اس کے بعد حالیؔ نے دلی سے لاہور کا رخ کیا۔ پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازمت مل گئی۔ انگریزی کتابوں کے جو اردو تراجم ہوئے تھے ان کی درستگی کے علاوہ دیگر کتابوں کی بھی تصحیح کرتے تھے۔ لاہور میں انجمن پنجاب کے ساتھ بھی جڑے رہے اور اس انجمن کے لئے نظمیں بھی لکھیں۔ برکھارت، امید، رحم و انصاف اور حب الوطنی اس کی گواہ ہیں۔ لاہور میں حالیؔ خرابیِ صحت کی بنا پر دلی لوٹ آئے ایک کالج میں عربی کے استاد معمور ہوئے۔ جب حیدر آباد سے انہیں وظیفہ جاری ہوا تو واپس پانی پت لوٹ گئے اور پورا وقت تصنیف و تالیف میں گزارنے لگے۔ ان کے تمام نثری کارنامے اسی دور کی یادگار ہیں۔ حالیؔ آخری دم تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ ۱۹۰۴ء میں شمس العلما کا خطاب بھی عطا ہوا۔ ۱۹۱۴ء میں یہ اردو کا بلند و عالی مرتبہ ادیب، شاعر، ناقد، محقق، سوانح نگار، صحافی اور نہ جانے کیا کچھ تھا اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

مولانا حالیؔ بیک وقت شاعر، ادیب، مصلح قوم، ناقد اور محقق تھے۔ یہاں مولانا حالیؔ کی تحقیقی خدمات کا جائزہ لیا جانا مقصود ہے۔ مولانا حالیؔ کے قلم سے لکھی گئیں سوانح عمریاں ہی دراصل ان کی تحقیقی کتابیں ہیں۔ جو انہوں نے کافی چھان بین اور دریافت کے بعد لکھی تھیں۔ ان کے علاوہ مولانا کے مقالات بھی ''مقالات حالی'' کے نام سے شائع ہوئے۔ مولانا حالیؔ اردو میں سوانح نگاری کے موجد بھی ہیں اور اردو تحقیق کے پیشرو بھی ہیں۔ حیات سعدیؔ ۱۸۸۶ء، یادگار غالبؔ ۱۸۹۷ء اور حیات جاوید ۱۹۰۱ء کے علاوہ مقالات حالیؔ ان کے تحقیقی کارنامے ہیں۔ ان کی تحقیقی

کتب کا جائزہ لینے سے قبل سوانح نگاری اور سوانح نگاروں کے متعلق Cassel's Encylopedia ofLiterature سے چند سطور پیش ہیں۔

''سوانح عمری تاریخ کی ایک شاخ ہوتی ہے۔اس کا مقصد جہاں تک ہو سکے دیانت داری کے ساتھ کسی فرد کی زندگی کا بیان ہوتا۔سوانح نگار کا فرض یہ ہے کہ وہ مورخ اور مصور دونوں حیثیتوں سے کام کرے۔مصور کا فرض کیا ہوتا ہے؟ تصویر سازی کے لئے بیٹھنے والے شخص کی ایسی شبیہ تیار کرنا جو نہ صرف اس سے ملتی جلتی ہو بلکہ فن کا نمونہ بھی ہو اور مورخ کا فرض کیا ہے؟ ٹھیک ٹھیک باتیں بیان کرنا اور حقائق کو قابل فہم انداز سے ترتیب دینا۔حقائق کی محض فہرست مرتب کر دینا جس میں فن کاری نہ ہو تاریخ ہی ہے نہ سوانح عمری۔''

(اردو میں خودنوشت سوانح حیات، ص ۴۲)

مندرجہ بالا تعریف سے یہ ثابت ہوا کہ کسی فرد کی زندگی کا بیان حقائق کی روشنی میں اس طرح کرنا کہ جس شخص کی سوانح عمری لکھی جا رہی ہو اس کی مکمل تصویر سامنے آ جائے اور سوانح نگار کی فنکارانہ صلاحیت بھی۔اس کا تعلق تاریخ سے ہے اور تاریخ ہمیشہ سچے واقعات پر مبنی ہوتی ہے۔لہذا ہم سوانح نگاری کو بھی تحقیقی زمرے میں شامل کر سکتے ہیں۔

حیات سعدی:۔ سعدی شیرازی فارسی کے بہت بڑے شاعر و ادیب گزرے ہیں۔ایران کے شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ان کی دو کتابیں گلستان اور بوستان بہت مشہور ہیں۔گلستان نثر میں اور بوستان نظم میں ہے۔سعدی شیرازی کو فارسی غزل کا پیغمبر بھی مانا گیا ہے۔سعدی نے اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے اخلاقی تعلیمات کا درس دیا۔آج بھی لوگ ان کی کتابوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔مولانا حالؔی بھی تاعمر اپنی شاعری سے اخلاقی و اصلاحی تعلیم کا درس دیتے رہے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ حالؔی کی طبیعت سعدی کی طبیعت سے میل کھا رہی تھی اور نتیجے کے طور پر حیات سعدی جیسی سوانح عمری منظر عام پر آئی۔ایک ایسی شخصیت پر قلم اٹھانا جس کو گزرے ہوئے کئی صدیاں بیت گئی ہوں۔اس کے حالات معلوم کرنا اور پھر اس کی مکمل تصویر پیش کر دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔اس کتاب میں حالؔی نے شیخ کے بچپن سے

لے کر دمِ واپسیں تک کے تمام حالات، واقعات، عادات، احباب اور اس دور کے بلکہ اس سے قبل کے حالات بھی بیان کیے ہیں۔ حالؔی کو سعدی کے زیادہ حالات معلوم بھی نہیں تھے کچھ حالات سعدی کی تصنیفات اور کچھ تذکروں سے ملے اس طرح کچھ خاکہ تیار ہوا۔ حالؔی حیات سعدی کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''ہم نے اس خیال سے کہ شیخ سعدی شیرازی کا نام حد سے زیادہ مشہور ہے شاید ان کے مفصل حالات بہم پہنچ جائیں۔ ان کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور اس غرض سے اکثر فارسی تذکرے جو یہاں مل سکتے ہیں دیکھے اور انگریزی تذکرہ سر گور اوسلی صاحب کا بھی دیکھا مگر ان تمام تذکروں میں زیادہ تر وہی شیخ کی مشہور نقلیں اور حکائتیں جو زبان زد خاص و عام ہیں تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ مندرج باتیں۔۔۔ شیخ صاحب کی تصنیفات پر بھی اجمالی تعریف کے سوا کسی نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس سے اس کے کلام کی عظمت اور واقعی خوبیاں معلوم ہوں۔ اگر چہ یہ تمام باتیں مایوس کرنے والی تھیں مگر ہم نے اپنے ارادے کو جس طرح ہو سکا پورا کیا۔ جس قدر صحیح اور معقول باتیں تذکروں سے معلوم ہو سکتی تھیں ان کے علاوہ بعض حالات خود شیخ کے کلام سے استنباط کیے اور نیز اس عہد کی تاریخ میں اکثر واقعات کا سراغ لگایا اور کچھ باتیں علی بن احمد جامع کلیات شیخ کے دیباچے سے اخذ کیں۔ اور کچھ کچھ انگریزی کتابوں سے مدد لی اور اس تمام معلومات کو جہاں تک ممکن تھا لائف کی صورت میں مرتب کیا۔''

(حیات سعدی، ص، ۷)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالؔی نے اس کارِ تحقیق کو انجام دینے میں کافی محنت اور تکالیف جھیلنی پڑی تھیں۔ آخر کار اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اگر چہ حیات سعدی کو وہ مرتبہ حاصل نہیں ہے جو حالؔی کی دیگر تصانیف کو ہے پھر بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک نیا تجربہ تھا اور بزبانِ اردو لکھی جانے والی پہلی سوانح عمری تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حیات سعدی سوانح عمری اور بعض تحقیقی تقاضوں کو پورا نہیں کرتی مگر اہم ہے۔ یہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں شیخ سعدی کی سوانح عمری بیان کی گئی ہے جبکہ دوسرے باب میں

شیخ کی تصنیفات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب نیوامپیریئل پریس لاہور سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

یادگارِ غالب :۔ مرزا غالبؔ کا شمار اردو کے عظیم شاعروں اور انشاپردازوں میں ہوتا ہے۔ الطاف حسین حالیؔ مرزا کے تلامذہ میں شامل تھے۔ مرزا غالبؔ کے کسی شاگرد نے ان کی سوانح لکھنے کی جرأت نہیں کی اگر چہ تلامذۂ مرزا کی بڑی لمبی فہرست ہے۔ حالیؔ کو مرزا سے عقیدت و محبت تھی اور اس کا ثبوت مرزا غالبؔ کی سوانح عمری ''یادگارِ غالبؔ'' کے نام سے لکھ کر دیا ہے۔ مرزا کی سوانح عمری لکھتے وقت حالیؔ نے مرزا غالبؔ کی تمام تصنیفات کو جمع کیا تھا۔ غالبؔ کے ہمعصر بھی تھے اور شاگرد بھی اس لئے اس کام میں جتنی بھی تکالیف یا روکاوٹیں آئیں انھیں صبر و تحمل سے برداشت کر کے اس کام کو بخوبی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ الطاف حسین حالیؔ لکھتے ہیں کہ :۔

> ''میں نے مرزا کی تصنیفات کو دوستوں سے مستعار لے کر جمع کیا اور جس قدر اس میں ان کے حالات اور اخلاق و عادات کا سراغ ملا قلمبند کیا۔ جو باتیں اپنے ذہن میں محفوظ تھیں یا دوستوں کی زبانی معلوم ہوئیں ان کو بھی ضبط تحریر میں لایا۔''

(یادگار غالبؔ، ص،۳)

یادگار غالبؔ کو ترتیب دیتے وقت حالیؔ کو کافی عرصہ لگ گیا تھا کیونکہ اس دوران وہ دوسرے کاموں میں بھی مصروف تھے۔ ایک عرصہ کے بعد اسے پھر سے ترتیب دینے کا ارادہ کیا کیونکہ ان کے سر یہ ایک قسم کا قرض تھا جسے اتارنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :۔

> ''ان یاداشتوں کے مرتب کرنے کا ارادہ کیا مگر ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مرزا کی تصنیفات پر پھر سے ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے سوا کچھ اور کتابیں بھی درکار ہونگی۔ میں نے دلی کے بعض بزرگوں اور دوستوں کو لکھا اور انھوں نے مہربانی فرما کر میری تمام مطلوبہ کتابیں اور جس قدر انہیں مرزا کے حالات معلوم ہو سکے لکھ کر میرے پاس بھیج دیے اور اس طرح مرزا کی لائف جہاں تک کہ اس کی تکمیل ہو سکتی تھی مکمل کی گئی۔''

(یادگار غالبؔ، ص،۴)

یادگار غالب حالؔی کا فنی شاہکار ہے۔اس میں سوانح حیات کے علاوہ کلام پر مفصل تبصرہ بھی کیا ہے۔حالؔی نے غالبؔ کے ساتھ کافی عرصہ گزارا تھا انہیں کافی قریب سے دیکھا تھا اوران کی صحبتوں سے فیضیاب بھی ہوئے تھے۔ مگر سوانح عمری لکھتے وقت صرف ذاتی معلومات سے کام نہیں لیا بلکہ ان کی تصنیفات جمع کرنے کے علاوہ دوستوں اور بزرگوں سے بھی حالات دریافت کیے تھے۔یادگار غالب کو حالؔی نے ۱۸۹۷ء میں مکمل کیا تھا۔یہ کتاب دوحصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں مرزا کی زندگی کے حالات ،واقعات ،اخلاق و عادات اور خیالات کا بیان ہے ۔اس کتاب کے دوسرے حصّے میں مرزا کے اردو فارسی کلام نظم ونثر دونوں کا انتخاب ہے۔کتاب کے آخر میں مرزا کے کلام کا موازنہ استادوں کے کلام کے ساتھ کیا ہے۔غالبؔ کی مقبولیت میں اضافہ کرنے اوران کے کلام کو عوام الناس تک پہنچانے میں مولانا حالؔی کی یادگار غالب نے اہم کردار ادا کیا ہے۔غالبؔ کی عظمت کیا ہے حالؔی نے یادگار غالب میں ان کے حالات زندگی اور کلام پر تبصرہ کر کے واضح کر دیا ہے۔چند فنی خامیوں کے باوجود بھی یہ کتاب مستند مانی جاتی ہے اور آج تک اس سے بہتر غالب کی سوانح عمری سوائے مالک رام کی ’’ذکر غالب‘‘ کے کوئی نہیں لکھی گئی۔حالؔی نے غالبؔ کو پڑھنے اور سمجھنے والوں کے لئے اس کتاب کے ذریعے آسانی پیدا کر دی ہے۔یادگار غالبؔ کے بارے میں محمد شفیع لکھتے ہیں کہ:۔

> ’’حالؔی نے پہلی بار اپنے نقطوں کی طرف توجہ دلائی جن سے واقفیت کے بغیر کلام غالبؔ کے شعری محاسن کو پوری طرح سمجھنا مشکل ہے۔یہی وجہ ہے کہ اربابِ علم اور اہل نظر نے بار بار یہ کہا ہے کہ حالؔی کی یہ کتاب آج بھی بے مثال ہے۔غالبؔ پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور مختلف زاویوں سے ان کی شخصیت اور کلام کا جائزہ لیا گیا ہے،مگر یہ کتاب اپنے مباحث کے لحاظ سے اپنی منفرد حیثیت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔‘‘

(یادگار غالبؔ،ص،)

حیاتِ جاوید:۔حالؔی کی اردو میں یہ تیسری سوانح عمری ہے۔جو ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی۔یہ ایک ایسے شخص کی سوانح عمری ہے جس نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اوران میں جو برائیاں اور کوتاہیاں سرایت کر گئیں تھیں اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے ان کی اصلاح کی۔انھوں نے مسلمانوں کے جملہ مسائلِ حیات پر توجہ کی۔یہ معتبر

شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا نام سنتے ہی اس شخص بلکہ شخصیت کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔یہ شخص سرسید احمد خان کے نام سے جانے جاتے ہیں۔سرسید احمد خان کا نام بڑے ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے وہ مصلح قوم تھے انھوں نے اپنی کوششوں کے ساتھ مسلمانوں کو جینے کا فن سکھایا تھا۔حالؔی کو سرسید سے کافی عقیدت تھی ان کے کام بلکہ کاموں سے متاثر تھے۔حالؔی سرسید کے رفقاء میں شامل تھے اوران کی سوانح عمری کافی پہلے لکھنا چاہتے تھے لیکن بعض احباب کے کہنے پر کہ سرسید کی سوانح عمری ان کی زندگی میں ہی لکھنا اچھا نہیں ہے اس وجہ سے اس کام میں تاخیر ہوئی تھی۔اس کام کو حالؔی قومی فرض سمجھتے تھے لہذا ان کی زندگی میں ہی ۱۸۹۴ء میں حالؔی نے اس کام کی شروعات کردی تھی۔حالؔی سرسید کی زندگی میں ہی اسے شائع کرنا چاہتے تھے مگر سرسید کی زندگی نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ۱۸۹۸ء میں وہ اس دنیا سے چل بسے۔حالؔی کو اس بات کا بہت غم تھا کہ یہ سوانح عمری ان کی زندگی میں ہی شائع ہوتی اور سرسید اسے دیکھ لیتے مگر ایسا نہ ہوا۔۱۹۰۱ء میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔اس کے متعلق حالؔی لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اگرچہ اس میں شک نہیں کہ سرسید کی لائف ان کی زندگی میں شائع ہوجاتی تو وہ عظمت جس کی وہ مستحق تھی اس کو حاصل ہونی دشوار تھی۔مگر ایک خاص وجہ سے ہم کو اس بات کا افسوس رہ گیا کہ وہ سرسید کی زندگی میں شائع نہ ہوسکی۔''

(حیات جاوید،ص،۲۶)

حیات جاوید دو حصّوں پر مشتمل ہے اور اسکے پہلے حصّے میں چھ ابواب ہیں ۔پہلے باب میں ولادت،خاندان اور تعلیم وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔دوسرے باب میں ۱۸۲۸ سے ۱۸۵۷ء تک کے تمام حالات سمیٹے ہوئے ہیں،تیسرا باب ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۸ تک،چوتھا باب ۷۰-۱۸۶۹ء پانچواں باب ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۸ء اور اس حصّے کا آخری باب ۱۸۷۸ء سے ۱۸۹۸ء یعنی ان کی زندگی کے آخری سال تک۔اس کتاب کے دوسرے حصّے میں سر سید کی سرکاری خدمات،سیاسی خدمات،ملکی وقومی خدمات،مذہبی خدمات کے علاوہ سرسید کی مخالفت کے اسباب اور کن کن چیزوں پر مخالفت کی گئی تھی کا تفصیلی ذکر ہے۔سرسید کی کامیابی اوراس کے اسباب،سرسید کی مختلف لیاقتوں کا ذکر شکل وشمائل اوضاع وعادات،اخلاق وفضائل اور مذہب کے علاوہ ان کی محبت اور صداقت کے ساتھ ان کے مذہب پر

تفصیلی گفتگو کی ہے۔

سر سید کی زندگی اور ان کے واقعات کو ایک سوانح عمری میں سمیٹنا کوئی آسان کام نہیں تھا اور کافی مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد اس کو مکمل کر کے ہی حآلی نے دم لیا تھا۔ الطاف حسین حآلی لکھتے ہیں کہ:۔

''ان کی تمام سوانح عمری کا سمیٹنا نہایت دشوار کام ہے۔ ان کی زندگی ایسے اہم واقعات سے بھری ہوئی ہے کہ نہ کسی واقع کو سرسری سمجھ کر چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ ایک واقعہ کو مفصل بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایک دوست نے بالکل سچ کہا کہ جس قدر سر سید کی زندگی میں ان کے مخالف یا موافق لکھا گیا ہے اور جس قدر ان کی وفات پر اطرافِ ہندوستان میں رنج و ماتم کا اظہار کیا گیا ہے اگر صرف اسی کو جمع کیا جائے تو متعدد ضخیم جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ اسے اندازہ ہو سکتا ہے جو شخص سر سید کی لائف ایک آدھ جلد میں ختم کرنا چاہتا ہے اس کو کیسا مشکل کام کرنا ہے۔''

(حیات جاوید، ص ۲۳)

حقیقت میں یہ بہت مشکل کام تھا مگر حآلی کی محنت نے اسے آسان کر دکھایا اور برسوں کی محنت رنگ لائی آخر کار ۱۹۰۱ء کو یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کی پذیرائی بھی کی گئی اور تنقیدیں بھی کی گئیں۔ شبلی نے اسے کتاب المناقب اور مدلل مداحی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ایک بہترین سوانح عمری ہے۔ حآلی کی سوانحی تحقیقی کاموں کے متعلق ڈاکٹر سلطانہ بخش لکھتی ہیں کہ

''تحقیق کے زاویہ نگاہ سے حیاتِ سعدی کا درجہ افضل ہے۔ اس کی فضیلت کی دلیل یہ ہے کہ پچھلے پچاس برس میں کئی نئے ماخذ دریافت ہوئے، فکر و نظر کے زاویے تک بدل گئے لیکن حیاتِ سعدی میں حآلی جو کچھ لکھ گئے ہیں اس پر اضافہ نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ حیاتِ جاوید بھی ایک کامیاب تصنیف ہے۔ ان شخصیات پر اگر کچھ اضافہ ہوگا تو حآلی کے ہی تحریر کردہ مواد کے حوالے سے ہوگا۔''

(اردو میں اصولِ تحقیق، مرتبہ ڈاکٹر سلطانہ بخش، ص ۱۹۳)

مقالاتِ حالؔی:۔ حالؔی کے مضامین کو مقالاتِ حالؔی کے نام سے دو مجموعات میں شائع کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں حالؔی کے وہ تمام مضامین شامل ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع کئے تھے۔ ان تمام مضامین کی نوعیت مذہبی، علمی، اصلاحی اور ادبی وغیرہ کی ہے۔ پہلی بار یہ مجموعہ ۱۹۳۴ء میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آیا تھا۔ مقالاتِ حالؔی کا دوسرا حصہ جس میں حالؔی کی تقریریں اور کتابوں پر تبصرے شامل کئے گئے ہیں۔ دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں بارہ تقریریں ہیں اور دوسرے حصے میں ۲۷ کتب پر تقریظات شامل ہیں۔

المختصر حالؔی اردو ادب کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جن کا نام رہتی دنیا تک آسمانِ اردو پر ستاروں کی مانند چمکتا دمکتا رہے گا۔ حالؔی نے سعدؔی شیرازی، جیسے اخلاقی شاعر، غالبؔ جیسے فلسفی شاعر اور مصلحِ قوم سر سید احمد خان پر تحقیق کرنے والوں میں اوّلیت حاصل ہے۔ حالؔی سے قبل کسی بھی زبان میں سعدؔی پر مکمل و مبسوط کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ حالؔی کا نام اردو زبان میں نہ صرف شاعری کی وجہ سے زندہ رہے گا بلکہ ان کی تحقیق و تنقید سے بھی اس نام کی چمک دمک میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہے گا۔

☆ ۔ **حافظ محمود شیرانی**:۔ حافظ محمود شیرانی اردو کے مایۂ ناز محقق اور شاعر تھے۔ ان کے اصلی نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں کیونکہ یہ قلمی نام محمود شیرانی سے ہی مشہور ہو گئے ہیں۔ ان کا اصلی نام محمد میکائیل اور عرف محمد محمود تھا۔ محمود شیرانی نہ تو پنجاب میں پیدا ہوئے اور نہ ہی ہجرت کر کے پنجاب آئے تھے۔ پنجاب کے محققین کے زمرے میں انہیں شامل کرنا کہیں پنجاب کے محققین کے ساتھ ناانصافی تو نہیں ہوگی؟ یہ سوال بارہا میرے ذہن میں گردش کرتا رہا آخر کار میں انہیں شامل نہ کرنے کی کوئی بھی وجہ نہیں ڈھونڈ سکا۔ کیونکہ اہلِ پنجاب پر ہندوستان کے مختلف علاقوں کے عالموں اور فاضلوں کے علمی و ادبی احسانات رہے ہیں۔ ان ہی عالموں اور فاضلوں میں محمود شیرانی کا نام بھی شامل ہے۔ عبدالمجید سالک لکھتے ہیں کہ:۔

> ''بیرون پنجاب کے جن ادباء کے علمی احسانات سے اہلِ پنجاب کی گردنیں ہمیشہ خم رہیں گیں ان میں علامہ حافظ محمود شیرانی کا نام نہایت ممتاز ہے۔''

(پنجاب میں اردو، ص، ۹)

حافظ محمود شیرانی کا جنم ۵ اکتوبر ۱۸۸۰ء میں ٹونک راجستھان میں ہوا تھا۔ ابتدائی تعلیم ٹونک میں ہی حاصل کی تھی۔ ابتداء میں والد سے فارسی سیکھی اور بچپن میں ہی قرآن پاک بھی حفظ کر لیا تھا۔ انگریزی اور ریاضی کے مضمون سے انہیں لگاؤ نہیں تھا۔ اسی لئے مولوی عبدالحکیم سے فارسی کی مکمل تعلیم حاصل کی۔ ۱۷ برس کی عمر میں ان کی شادی کر دی گئی، ٹونک سے لاہور چلے گئے اور منشی عالم اور منشی فاضل کے امتحانات اورینٹل کالج لاہور سے پاس کئے۔ قانون کی تعلیم حاصل کر ہی رہے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور ان کی تعلیم کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ تعلیمی اخراجات اٹھانے والے بھائی نے بھی خرچا دینا بند کر دیا تو مجبوراً قانون کی تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا تھا۔ معاشی کمی کو پورا کرنے کے لئے تراجم کرنے کے علاوہ طلباء کو فارسی زبان و ادب کی تعلیم دینے لگے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں یورپی ممالک کا سفر بھی کیا۔ پرانی کتابوں، تصویروں اور آثار عتیقہ سے دلچسپی تھی ان کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے۔ لندن میں قیام کے دوران ان کے ملاقات علامہ اقبالؔ اور ڈاکٹر سر عبدالقادر وغیرہ مشہور شخصیات سے ہوئی اور ان کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۸ء تک اسلامیہ کالج لاہور میں اردو کے لیکچرار کی حیثیت سے کام بھی کیا تھا۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۰ء یعنی ملازمت سے سبکدوشی تک یونیورسٹی اورنیٹل کالج لاہور میں اردو کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ لندن کی لوزک اینڈ کمپنی میں ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء تک بطور ماہر آثار عتیقہ کے کام کیا۔ حافظ محمود شیرانی نے ۱۹۴۶ء میں تقریباً ۶۵ برس کی عمر میں اس دنیا کو الودع کہہ گئے۔ حافظ محمود شیرانی موت کی وجہ بیماری بنی ان کو سانس لینے میں تکلیف ہوتی تھی وہ دمے کی بیماری میں مبتلا تھے۔ اس سلسلے میں مظہر محمود شیرانی لکھتے ہیں کہ:۔

> ''شیرانی صاحب کو ضیق النفس کا عارضہ تھا۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ زندگی کے آخری برسوں انھوں نے اس مرض کے ہاتھوں شدید تکلیف اٹھائی''۔

(حافظ محمود شیرانی، ص، ۸)

عبدالمجید سالک ان کی آخری وقت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''حافظ صاحب ۱۹۳۸ء سے ضیق النفس میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ہر قسم کے علاج کے باوجود

اس مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا ۔خصوصاً آخری چار برس بہت تکلیف میں بسر ہوئے ۔ بالآخر وقت آخر آن پہنچا اور ۱۵ فروری ۱۹۴۶ء کو یگانہ روزگار فاضل ۶۵ برس اور چار مہینے کی عمر پا کر رہگزار عالم جادوانی ہوا۔''

(پنجاب میں اردو،ص،۱۲)

حافظ محمود شیرانی عالم ،مدرس ،شاعر،ادیب ،مورخ ،ناقد ،محقق اور ماہر آثار عتیقہ تھے۔ان کی تمام علمی وادبی کارناموں کا ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔اس لئے یہاں صرف ان کے تحقیقی کارناموں کو مختصر طور پر پیش کیا جائے گا۔کالج میں تدریسی عمل کے دوران ہی ان کے تحقیقی مقالے شائع ہونے لگے تھے اور علمی وادبی حلقوں میں ان کے تحقیقی کام کی دھوم مچ گئی تھی ۔۱۹۲۸ء میں حافظ محمود شیرانی کی مایۂ ناز کتاب پنجاب میں اردو شائع ہوئی ۔اس کتاب کی اشاعت سے ان کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ:۔

''علمی لحاظ سے علامہ شیرانی مختلف الحیثیات بزرگ تھے اور سچ یہ ہے کہ وہ ہر حیثیت سے یگانہ روزگار تھے،مدرس،شاعر،ادیب،مورخ ،ناقد ،محقق اور ماہر آثار عتیقہ ہر لحاظ سے ان کا رتبہ بلند نظر آتا ہے۔''

(بحث ونظر، ص ،۱۹۶)

حافظ محمود شیرانی کی تحقیقی تصانیف پنجاب میں اردو،فردوسی پر چہار مقالے تنقید شعرالعجم اور مقالات شیرانی وغیرہ اہم ہیں۔ یہاں ان کی چند تحقیقی کتابوں کا سرسری جائزہ لینے کی کوشش کرونگا۔

پنجاب میں اردو:۔شیرانی کا ایک شاہکار تحقیقی کارنامہ ہے: حافظ محمود شیرانی نے اس کتاب میں تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ اردو شاہ جہاں کے عہد سے شروع نہیں ہوئی بلکہ مسلمانوں کی آمد سے ہی اس زبان کا وجود ہے۔اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں بلکہ مسلمانوں کے ساتھ دلی جاتی ہے۔چنانچہ اس سلسلے میں ان کی کتاب سے چند سطور کو دیکھئے :۔

''اصل یہ ہے کہ اردو کی داغ بیل اسی دن سے پڑنی شروع ہوگئی ہے جس دن سے مسلمانوں

نے ہندوستان میں آ کر توطن اختیار کر لیا ہے۔''

(پنجاب میں اردو،ص،۵۴)

حافظ محمود شیرانی کے اس تحقیقی کام کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔اگر چہ وہ ماہر لسانیات نہیں تھے لیکن پھر بھی انھوں نے اردو کی پیدائش یا جائے پیدائش کے بارے میں تحقیق کر کے جو نظریہ پیش کیا کہ'' اردو کی داغ بیل پنجاب میں پڑی''۔یہ نظریہ اردو کے آغاز کے بارے میں دیے گئے مختلف نظریات میں قابلِ قبول رہا اور آج بھی اردو محققین میں اس نظریے کے حامی ملتے ہیں۔شیرانی نے اپنی مایۂ ناز کتاب پنجاب میں اردو میں مختلف دلائل کے ساتھ پنجاب، پنجابی اور اردو کا رشتہ ثابت کیا ہے۔انھوں نے محمد حسین آزاد کے نظریے کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے اردو کا تعلق برج بھاشا سے نہیں ہے۔اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''جب ہم اردو کی ڈیل ڈول اس کی ساخت اور وضع قطع کو دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ڈھنگ اور ہے اور برج بھاشا کا رنگ اور ہے دونوں کے قواعد وضوابط و اصول مختلف ہیں۔اردو برج بھاشا کے مقابلے میں پنجابی بالخصوص ملتانی سے مماثلت قریبہ رکھتی ہے۔''

(پنجاب میں اردو،ص،۵۶)

شیرانی کے مطابق اردو دلی کی زبان نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ساتھ دلی جاتی ہے،اردو کے برج ،قنوجی اور ہریانی ہونے کا بھی انکار کیا ہے۔حافظ محمود شیرانی کے مطابق اردو زبان صرف نحو ملتانی کی قریب ہے۔پنجابی اور اردو میں ساٹھ فیصد الفاظ کا اشتراک ہے۔

اس کتاب میں خامیوں اور کمیوں کی باوجود بھی اسے ہر دور میں اہمیت حاصل رہی ہے۔بے شمار تنقیدوں کا سامنا کرنے کے باوجود بھی اس کی اہمیت میں کمی نہیں آئی۔اس کتاب میں شیرانی نے اردو کی وجہ تسمیہ،مختلف نام،ادوار ،مراکز کے علاوہ اردو ہندی اور پنجابی کے شاعروں کے کلام اور تذکروں کو قلمبند کر کے قدیم اردو پر پنجاب کے اثر کو واضح کیا۔اردو اور پنجابی کے سینکڑوں مشترک الفاظ،اسماء وافعال کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

تنقید شعر العجم:۔ شبلی نعمانی ایک عالم، محقق، مورخ اور نقاد تھے۔ شبلی کی شعر العجم تاریخی، تنقیدی اور تحقیقی کتاب ہے۔ اس کتاب کی پانچ جلدیں ہیں۔ ان میں سے چار جلدیں شبلیؒ کی زندگی میں ہی شائع ہوگئی تھیں جب کہ پانچویں جلد ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں فارسی کے شعراء کی تاریخ، تذکرہ اور شاعری پر تنقید و تقریظ ہے۔ پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے اس پر تنقید کی تھی۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالے اردو میں قسط وار شائع ہوتی رہی۔ ان اقساط کو نظر ثانی کے بعد ۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اردو سے شائع کر دیا تھا۔ اس کتاب میں شعر العجم پر تحقیق کی روشنی میں تنقید و تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس تنقید سے شبلی نعمانی کے مرتبے کو گھٹانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ تنقید اور سوانح عمری کے پرانے طریقوں سے انحراف کرتے ہوئے نئے اقدار کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے۔ حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں کہ:۔

> ''میں نہایت وثوق سے عرض کرتا ہوں کہ تنقید ہذا مولانا شبلی مرحوم کی فضلیت علمی کی منقصت نہیں ہے بلکہ محض احتجاج ہے اس مروجہ روش کے خلاف جس میں ہمارے مصنفین تحقیق کی جگہ تقلید سے اور عقل کی جگہ نقل سے کام لیتے ہیں۔''

(تنقید شعر العجم، ص،۱)

مقالات شیرانی:۔ مقالات شیرانی دس جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ان جلدوں میں محمود شیرانی کے وہ مضامین ہیں جو انھوں نے لکھ کر مختلف رسائل، جرائد اور مجلّات میں شائع کیے تھے۔ حافظ محمود شیرانی کے پوتے اور اختر شیرانی کے بیٹے مظہر محمود شیرانی نے ان مقالات کو جمع کر کے مجلس ترقی ادب لاہور سے دس جلدوں میں شائع کیا ہے۔ سلسلہ شیرانی کا یہ چشم و چراغ جس نے اپنے بزرگوں کی روش کو اختیار کیے رکھا ۱۲ جوالائی ۲۰۲۰ء کو ۸۵ برس کی عمر میں ایک بڑا فریضہ انجام دے کر اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

ڈاکٹر خلیق انجم حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اردو کے پہلے با قاعدہ محقق ہونے کا شرف حافظ محمود شیرانی کو حاصل ہے۔ آپ اعلی ترین محقق کے لئے کوئی بھی مغربی یا مشرقی معیار قائم کریں حافظ محمود شیرانی اس پر پورے اتریں

گے۔ادبی تحقیق کی حافظ محمود شیرانی میں جو صلاحیتیں تھیں اور جو علم انھوں نے حاصل کیا تھا۔
وہ ان سے پہلے کسی کو نصیب ہوا اور نہ ان کے بعد وہ اردو کے واحد محقق ہیں جنھیں عتیقیات پر
غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔''

(اردو تحقیق و تدوین،ص،۹۹)

راقم نے حافظ محمود شیرانی کو زمرۂ محققین پنجاب میں اس لئے شامل کیا ہے کیونکہ جب اردو اور پنجاب کا بالخصوص اردو محققین کا ذکر ہو اور حافظ محمود شیرانی کا نام نہ لیا جائے تو وہ مقالہ ہو یا مضمون نامکمل اور ادھورا ہوگا۔شیرانی کی تحقیق کے زیادہ اہم حصّے اردو کے تحقیقی دائرے سے باہر ہیں۔مثلاً تنقید شعرالعجم ہے اس کی زبان تو اردو ہے مگر تحقیق فارسی کی ہے اسی طرح فردوسی پر چار مقالے اور پرتھوی راج راسو وغیرہ بھی اردو تحقیق کے زمرے میں نہیں آتی۔خالق باری جسے امیر خسرو کی تصنیف مانا جاتا تھا شیرانی نے تحقیق کر کے ثابت کیا کہ یہ امیر خسرو کی نہیں بلکہ ضیاء الدین خسرو کی تصنیف ہے۔انہوں نے قدرت اللہ قاسم کے ضخیم تذکرے ''مجموعہ نغز'' کو مع طویل مقدمہ ترتیب دیا تھا۔ان کی تصنیف پنجاب میں اردو بھی ادبی تحقیق کے زمرے میں کم لسانی تحقیق کے زمرے میں زیادہ آتی ہے۔ان کی اردو میں اگر دیگر تحقیقی خدمات نہ بھی ہوتیں صرف ''پنجاب میں اردو'' ہی ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے کافی تھی۔اردو اور پنجاب بالخصوص اردو تحقیق پر حافظ محمود شیرانی کے اتنے احسانات ہیں کہ اہل اردو اور اہل پنجاب دونوں ان کے احسان مند رہیں گے۔

☆ **غلام رسول مہرؔ:**۔اردو کے اوّلین محققین میں مولانا غلام رسول مہرؔ کا نام بھی شامل ہے۔مولانا غلام رسول مہرؔ ۱۳ اپریل ۱۸۹۵ء کو پھول پور جالندھر میں پیدا ہوئے تھے۔آپ کے والد کا نام چودھری محمد علی خان تھا۔آپ کی ابتدائی تعلیم پھول پور میں ہی ہوئی اور میٹرک کا امتحان ۱۹۱۰ء میں مشن ہائی اسکول جالندھر سے پاس کیا تھا۔اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے لاہور کا رخ کیا ۱۹۱۳ء میں ایف۔اے کا امتحان اسلامیہ کالج لاہور سے پاس کیا تھا۔اسی کالج سے ۱۹۱۵ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔حیدرآباد دکن میں انسپکٹر مدارس کی حیثیت سے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء تک ملازمت کی تھی۔۱۹۲۱ء میں لاہور سے شائع ہونے والے روزنامے 'زمیندار' میں بطور مدیر ملازمت اختیار کی تھی۔غلام

رسول مہؔر زمانہ طالب علمی سے ہی علامہ اقبالؔ اور ابوالکلام آزادؔ سے کافی متاثر تھے اور انہی کے نقش قدم پر چلنے کے خواہاں تھے۔روزنامہ' زمیندار' میں کچھ اختلافات کے سبب نوکری چھوڑ کر اپنا اخبار روزنامہ'انقلاب' جاری کیا تھا۔روزنامہ انقلاب ۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت میں بھی شریک ہوئے تھے۔سیاسی وصحافتی کاموں میں بھی مصروف رہے۔سیاست میں پہلے کانگریس میں شرکت کی اور پھر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے تھے۔بطور صحافی غلام رسول مہؔر نے مسلمانوں کے تحفظ کے لئے کافی اہم کام کیے تھے۔روزنامہ انقلاب کے بند ہونے کے بعد مولانا مہؔر علمی، تصنیفی وتالیفی کاموں میں مشغول ہوگئے تھے اور کافی کارہائے نمایاں انجام دیے جو صرف مولانا مہؔر ہی انجام دے سکتے تھے۔شفیق احمد اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:۔

> ''روزنامہ انقلاب کی بندش کے بعد مولانا مہر گوشہ نشین ہوکر علمی کاموں میں مصرف ہوگئے۔ان کے علمی کارناموں کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ مولانا نے تنہا وہ کام کیا جو بعض اوقات اداروں سے بھی ممکن نہیں ہوتا۔''

(مولانا غلام رسول مہر، ص،٦)

مولانا مہر نے اپنی صحافتی زندگی میں بیرون ممالک کئی سفر کئے۔حجاز، مصر، فلسطین، لبنان، شام اور قیام پاکستان کے بعد کئی مرتبہ ہندوستان بھی آئے برطانیہ، اٹلی، بنگلہ دیش اور ایک بار افغانستان کا سفر بھی کیا۔مولانا مہر ١٦ نومبر ۱۹۷۱ءکو لاہور میں وفات پائی، اور مسلم ٹاؤن کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

مولانا غلام رسول مہر نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا تھا مگر بہت جلد ہی اس صنف کو ترک کردیا ۔آپ ایک بلند پایہ عالم، صحافی، ادیب، کالم نویس، مصنف، غالبؔ شناس، مترجم ومورخ، نقاد اور محقق تھے۔اور اسی حیثیت سے شہرت بھی پائی۔آپ کی کتابوں میں تصانیف پندرہ، تالیف وترتیب گیارہ، تشاریح ۵، تراجم ۳۷، نصابی کتب ۱۹، غیر مطبوعہ ۵، اور نامکمل ۸ ہیں۔اس طرح ان کی کل کتابوں کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ ہے۔ان کے مطبوعہ مضامین اور مقالات کی تعداد بھی سو سے زیادہ ہے جو مختلف رسائل وجرائد اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

مولانا غلام رسول مہؔر کی تحقیق اور ان کی تحقیقی کتب کا سرسری جائزہ لیا جائے گا مولانا نے زیادہ تر واقعاتی

تحقیق کی طرف توجہ کی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کافی عرصہ تک صحافت سے جڑے رہے۔صحافت میں واقعات کی چھان بین ہی خاص اہمیت رکھتی ہے، دوسری طرف وہ مورخ اور سوانح نگار بھی تھے۔تاریخ اور سوانح نگاری میں زیادہ تر واقعات کا ردوقبول ہوتا ہے۔مولانا مہرؔ کے بے شمار تحقیقی کارنامے منظر عام پر آ کر اپنی اہمیت کا لوہا منوا چکے ہیں ان میں تحریک مجاہدین ،تاریخ سند اہم ہیں لیکن میں یہاں صرف ان کی اردو تحقیق یعنی اردو کی ادبی تحقیق کو موضوع بحث لانا ہے۔مولانا مہر کا شمار ماہرین غالبیات میں بھی کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ ابوالکلام آزادؔ کی متفرق تحریروں کو بھی مرتب کیا ہے اور علامہ اقبال پر بھی تحقیق کی ہے۔

عکسی دیوان غالبؔ:۔مولانا غلام رسول مہرؔ نے غالبیات کے سلسلے میں جو تحقیقی کام کیے ہیں ان میں مرزا غالبؔ کا اردو دیوان عکسی ،خطوط غالبؔ ،ترکیب بند ،ترجیع بند خاص طور سے اہم ہیں اور ان کا ذکر بھی اہمیت کا حامل ہے ۔مرزا غالبؔ کے عکسی دیوان کے مندرجات کی فہرست مولانا غلام رسول مہرؔ نے اس طرح تیار کی ہے کہ پہلے تمام غزلیات کو شامل کیا اس کے بعد قصائد،ایک سہرا،مثنوی ''درصفت انبہ'' قطعات اور رباعیات کے علاوہ تین ضمیمے بھی شامل ہیں ۔ضمیمہ اوّل میں وہ اشعار ہیں جو دیوان میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ضمیمہ دوم میں نسخہ حمیدیہ کا انتخاب ہے اور سوم میں مثنوی قادرنامہ اور پنچ آہنگ شامل ہیں ۔مرزا غالبؔ کے جس کلام کو اردو کلام کی شرح کے لئے بنیاد بنایا گیا تھا وہ سارا کلام عکسی دیوان غالبؔ میں شامل ہے ۔اس دیوان میں ایک اہم کوشش یہ بھی کی گئی ہے جو قصائد اور غزلیات اس میں شامل ہیں ان کی سنین بھی متعین کی گئی ہے۔لیکن زیادہ تر غزلوں کی سنین متعین کرنے میں قیاس آرائی سے کام لیا ہے۔لہٰذا عکسی دیوانِ غالبؔ کے دیباچے میں خود اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''میں چاہتا تھا کہ ہر ردیف کی غزلیات تاریخی ترتیب سے مرتب کر دوں لیکن کلام کا خاصا بڑا حصّہ چونکہ ایسا ہے جس کی متعین تاریخ تا حال معلوم نہیں ہوسکی۔''

(عکسی دیوان غالبؔ،ص،۱۸)

مندرجہ بالا اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمام سنین معلوم ہوتی تو تمام ردیف کی غزلیات کو تاریخی اعتبار سے ترتیب دیتے مگر ایسا بسیار کوشش کے باوجود بھی ممکن نہیں ہوسکا تھا۔تحقیق کوئی آسان کام نہیں اور نہ ہی حرف

آخر کہی جا سکتی ہے۔ لہذا اس دیوان کے مرتب کرتے وقت بھی خامیاں رہ گئیں لیکن یہ دیوان بھی ماہرین غالبیات کیلئے اہمیت کا حامل ہے۔

خطوط غالبؔ:۔ خطوط غالب کی ترتیب و اشاعت مولانا غلام رسول کا غالبیات کے سلسلے میں کافی اہم کام ہے۔ مولانا مہرؔ نے غالبؔ کے دیگر مجموعہ ہائے خطوط کی طرح صرف خطوط کو جمع کر کے شائع ہی نہیں کیا بلکہ انہیں تاریخی اعتبار سے مرتب کیا اور جن اشخاص (یعنی مکتوب الیہم) کے نام خطوط لکھے گئے تھے ان کے مختصر حالات بھی قلمبند کئے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں کہ۔

> ''مولانا غلام رسول مہر نے مکتوب الیہم کے حالات تاریخوں کی تقسیم و اندراج اور بعض خطوط کے حواشی لکھ کر اور خطوط کو از سرنو تاریخ وار ترتیب دے کر پیش کیا۔ اس لحاظ سے یہ مجموعۂ خطوط غالبؔ زیادہ قابل قدر اور غالبؔ کی اردو نثر کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے اہم ہے۔''

(مولانا غلام رسول مہر حیات اور کارنامے، ص ۳۶۱)

خطوط کی تاریخی ترتیب کے بارے میں مولانا مہرؔ خود لکھتے ہیں کہ:۔

> ''تمام خطوط تاریخ وار مرتب کر دیے گئے ہیں۔ جن خطوط پر تاریخیں ثبت نہیں تھیں ان کے بارے میں داخلی شہادتوں کی بنا پر قیاساً فیصلہ کیا گیا کہ وہ کس زمانے کے ہونگے۔ اغلب ہے کہ اکثر قیاس درست ہوں۔''

(خطوط غالب حصہ اول ص ۱۹)

اس مجموعے میں شامل بعض خطوط کی شرح بھی کی گئی ہے۔ اس مجموعے میں مرزا غالبؔ کے تمام خطوط ماسوائے نادراتِ غالبؔ اور مکاتیبِ غالبؔ کے یکجا کر دیے گئے ہیں۔ خطوطِ غالبؔ کو مہر نے دو حصّوں میں مع طویل مقدمہ شائع کیا ہے۔ انفرادیت اور اپنی جامعیت کے سبب یہ مجموعہ تمام مجموعات پر سبقت لے گیا ہے: سید قدرت اللہ نقوی اس مجموعے کی خصوصیات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> ''غالبؔ کی تحریرات کا اتنا ضخیم مجموعہ اور کوئی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مولانا غلام رسول مہرؔ کے

حواشی نے اس کی افادیت میں اور اضافہ کر دیا۔مکتوب الیہم کا تعارف ایک گراں قدر کام
ہےمولانا غلام رسول مہر یہ کام غالبیات میں اہم اضافہ ہے۔''

(مولانا غلام رسول مہر حیات وخدمات،ص،۳۶۳)

نقش آزاد:۔ غالبیات کے بعد مولانا غلام رسول مہرؔ نے سب سے زیادہ توجہ مولانا ابوالکلام آزادؔ کی تحریروں پر دی تھی۔مولانا غلام رسول مہر نے ابوالکلام آزادؔ کی جن کتابوں کو مرتب کیا ان میں نقش آزاد کو اوّلیت حاصل ہے۔تین حصّوں پر مشتمل اس کتاب کے پہلے حصے میں خطوط شامل کئے گئے ہیں۔جو مولانا ابوا کلام آزادؔ نے مولانا غلام رسول مہر کو اس وقت لکھنے شروع کئے تھے جب وہ کالج میں زیرِ تعلیم تھے۔ان خطوط کو تاریخی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔اس مجموعے میں شامل خطوط کی تعداد ۱۸۰ ہے جبکہ خطوط کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے تھی کیونکہ ان دونوں کے درمیان یہ خط و کتابت کا سلسلہ چالیس سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ خطوط کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا ہو۔اکثر و بیشتر مقامات پر مولانا نے خطوط کی تشریح بھی کی اور توضیحی حواشی بھی لکھے ہیں۔نقش آزاد کے دوسرے حصے میں مولانا ابواالکلام کی ان تحریرات کو شامل کیا ہے جو انھوں نے غالبؔ کے متعلق لکھیں۔غالبؔ کے علاوہ بعض دوسرے شعراء اور علماء وغیرہ پر مضامین بھی شامل ہیں لیکن زیادہ تر غالبؔ سے متعلق ہی ہیں۔نقش آزاد کے تیسرے حصے میں جو تحریرات شامل ہیں وہ مولانا مہر کے نام تو نہیں بلکہ ان کے پاس محفوظ تھیں اور کچھ دریافت کر کے اس حصے میں شامل کر دی تھی۔

تبرکات آزاد:۔ مولانا غلام رسول مہر کے نزدیک اس مجموعے میں مولانا ابوالکلام کی جن تحریروں کو شامل کیا گیا ہے وہ تبرکات سے کم نہیں ہیں۔اس کتاب میں چار مکاتیب کے مجموعے ہیں۔پہلے مجموعے میں ۲۷ خطوط ہیں دوسرے مجموعے میں ۱۸ تیسرے میں ۴۸ اور چوتھے میں ۱۵ شامل ہیں۔یہ مکتوبات کسی ایک شخص کے نام نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں کوئی خط مولانا مہر کے نام ہے بلکہ متعدد شخصیات پر لکھے گئے خطوط کو یکجا کر کے مولانا مہر نے اسے شائع کر دیا تھا۔اس مجموعے میں مکتوبات کے علاوہ چند مقالات بھی شامل ہیں۔مضامین وخطوط پر توضیحی حواشی بھی لکھے ہیں تاکہ قاری کو سمجھنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

سرودِ رفتہ:۔ مولانا غلام رسول مہرؔ نے ابوالکلام اور غالبؔ کے علاوہ علامہ اقبالؔ پر بھی کام کیا ہے۔اس سلسلے میں

ان کا اہم کام سرودِرفتہ کو ترتیب دے کر شائع کرنا ہے۔ بانگِ درا کی اشاعت کے وقت علامہ اقبال نے جو کلام کاٹ دیا تھا اسے مولانا مہر نے سرودِرفتہ میں شامل کر دیا تھا۔ اس میں فارسی شاعری کا کچھ حصہ بھی شامل ہے۔ سرودِرفتہ تحقیق و ترتیب کی بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کی ہر نظم کے پس منظر کو سامنے لانے کے لئے مولانا نے ہر نظم سے پہلے تمہیدی نوٹ لکھا ہے۔ اور بعض مقامات پر حواشی درج کرنے سے نظموں میں اشارات و تلمیحات کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

☆ **۔نظیؔر لدھیانوی**:۔ نظیؔر لدھیانوی کا شمار بیسویں صدی کے اہم شعراء کی صف میں کیا جاتا ہے۔ آپ کا پورا نام اصغر حسین خان اور تخلص نظیؔر تھا۔ اردو حلقے میں نظیؔر لدھیانوی کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ نظیر لدھیانوی کے آباء و اجداد احمد شاہ ابدالی کے دور میں افغانستان سے ہجرت کر کے جالندھر میں آباد ہوگئے تھے۔ نظیر لدھیانوی کے ایک بزرگ غلام غوث خان ۱۷۰۰ء جالندھر سے بھی ہجرت کر کے لدھیانہ چلے گئے وہیں نظیؔر کے دادا اور والد کا جنم ہوا تھا اور نظیؔر کی پیدائش بھی ۹ فروری ۱۹۰۲ء میں اسی شہر میں ہوئی تھی۔ نظیؔر لدھیانوی کے والد خان محمد نجیب خان نشاؔط محکمہ دیوانی میں ملازم تھے۔ نظیؔر لدھیانوی کا تعلیمی سلسلہ سرکاری اسکول سے شروع ہوا تھا جس سے وہ خوش نہیں تھے۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوا۔ میرے والد مرحوم محکمہ دیوانی میں ملازم تھے مجھے بھی بچپن میں حسب دستور اسی کلرک ساز'' کارخانے'' یعنی گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخل کر دیا گیا تھا۔''

(تذکرہ شعرائے اردو نظیر لدھیانوی، ص، ۳۴۸)

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوتا ہے کہ نظیر لدھیانوی کو گورنمنٹ اسکول میں تعلیم حاصل کرنا پسند نہیں تھا۔ نظیر لدھیانوی نے ۱۹۲۱ء میں دسویں جماعت اور ۱۹۲۲ء میں شارٹ ہینڈ ٹائپنگ کے امتحانات پاس کر لیے تھے۔ ان کے والد کی خواہش تھی کہ نظیر کسی مقامی عدالت میں ملازمت اختیار کر لے مگر نظیؔر کو سرکاری نوکری پسند نہیں تھی اور ۱۹۲۵ء میں لاہور چلے گئے۔ وہاں اردو مرکز جو مولانا تاجور نجیب آبادی کی سرپرستی میں چلتا تھا اس سے بھی منسلک رہے۔ جس سرکاری ملازمت سے بھاگتے اور نفرت کرتے تھے آخر کار کرنی ہی پڑی۔ ملازمت کے اس واقعے کو نظیؔر لدھیانوی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

''محکمہ تعلیمات کے ایک اعلیٰ افسر کا تعلق بھی اس ادارے سے تھا۔مجھ پر انہوں نے کچھ ایسا جادو کیا کہ جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم۔ان کے زور دینے پر میں نے اردو مرکز سے تعلق توڑ سرکاری ملازمت کا طوق لعنت گلے میں ڈال لیا۔''

(تذکرہ شعراء اردو،ص،۳۴۹)

نظیر لدھیانوی ملازمت کے سلسلے میں پنجاب کے مختلف علاقوں میں رہے تھے اور جس شہر بھی گئے ان کا ادبی مشغلہ جاری رہا۔ملازمت کے دوران گورداس پور سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''پاسبان'' کی ادارت بھی کرتے رہے۔اس کے بعد لدھیانہ سے نکلنے والے ماہنامہ ''صبح امید'' جس کو گوپال متل نے جاری کیا تھا اس کی بھی اعزازی ادارت کرتے رہے۔ملازمت کے سلسلے میں جب فیروز پور میں مقیم تھے تو وہاں بھی ادبی محفلوں برابر شرکت کرتے رہے۔۱۹۴۲ء میں ملازمت ترک کر کے لاہور چلے گئے وہاں بھی مختلف اخباروں سے وابستہ رہے۔نظیر لدھیانوی کو شعر وادب اور صحافت سے کافی لگاؤ تھا۔جہاں بھی گئے ان دونوں سے ہمیشہ وابستہ رہے۔لاہور میں پہلے 'زمیندار' اور پھر روزنامہ ''نوائے وقت'' سے منسلک رہے تھے۔

نظیر لدھیانوی کو بچپن سے ہی شعر گوئی کا شوق تھا۔شعر وشاعری انھیں اپنے والد سے ورثے میں ملی تھی۔ان کے والد محمد نجیب خان جو نشاط تخلص کرتے تھے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔اس سلسلے میں خود لکھتے ہیں کہ:۔

''میرے والد مرحوم نے چونکہ اردو اور فارسی زبان دونوں میں شعر کہے تھے اس لئے میں نے بھی بچپن ہی میں دونوں زبانوں میں شعر گوئی میں مہارت پیدا کی۔''

(تذکرہ شعرائے اردو،ص،۳۵۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

''میں نے والد مرحوم سے دو ہی شوق ورثے میں پائے تھے شوق شعر اور شوق شکار۔عالم طفولیت سے اب تک ان ہی دو میں زندگی بسر ہوئی۔''

(تذکرہ شعرائے اردو،ص،۳۵۲)

ان کے تین شعری مجموعے شائع ہوئے تھے ''صبح نشاط'' اس میں اردو اور فارسی کلام تھا مگر یہ مجموعہ ناپید ہوگیا تھا۔اس کے بعد ''صبح بہار'' کے نام سے غزلوں اور نظموں پر مشتمل مجموعہ مکتبہ کاروان لاہور سے شائع ہوا۔ان کے نعتیہ کلام کا ''مجموعہ آفتابِ'' حرا کے نام سے مجلس اردو لاہور نے شائع کیا تھا۔

نظیر لدھیانوی بنیادی طور پر صحافی ادیب تھے۔میدان ادب میں انھوں نے بطور ادیب،صحافی اور شاعر کے کافی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔اس کے علاوہ تحقیق کے میدان میں بھی اپنی تحقیقی صلاحیت کے جوہر دکھائے ہیں۔نظیر لدھیانوی نے تصنیف کے علاوہ کافی کتابوں کے ترجمے،خلاصے اور تبصرے بھی کیے ہیں۔علاوہ ازیں ان گنت کتابوں پر مقدمے بھی لکھے ہیں۔یہاں صرف ان کی تحقیقی نوعیت کی کتابوں کا مختصر ذکر کروں گا۔

تذکرہ شعرائے اردو:۔ اردو میں تذکروں کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے نظیر لدھیانوی نے بھی تذکرہ شعرائے اردو لکھا:۔اس تذکرے میں نظیر لدھیانوی نے تقریباً ۱۸۰ شعراء کی مختصر سوانحی حالات اور نمونہ کلام کو شامل کیا ہے۔زیر بحث تذکرہ کو نظیر نے سات ادوار میں تقسیم کیا ہے اور ہر دور کی ابتداء میں تمہید کے طور پر اس دور کا تعارف بھی کرایا ہے۔پہلے دور کا آغاز امیر خسرو سے کر کے مرزا مظہر جانِ جاناں تک بارہ شعراء کے حالات اور نمونۂ کلام قلمبند کئے ہیں۔اسی طرح ساتوں ادوار میں تاریخی ترتیب سے شعراء کو شامل کیا ہے۔اس تذکرے میں ساتواں دور جو بطور خاص پاکستانی شعراء کے لئے مختص ہے۔اس دور کی تمہید کے بعد اس کا عنوان ''پاکستان میں اردو'' رکھا ہے۔اس دور کی شروعات محمد دین فوق پیدائش ۱۸۷۷ بمقام کوٹلی سے کی ہے اور آخری شاعر صدیق افغانی پیدائش ۱۹۲۸ بمقام لاہور کو شامل کیا ہے۔نظیر نے اس دور میں سب سے زیادہ شعراء شامل کئے ہیں اور طوالت کے لحاظ سے بھی تمام ادوار میں سبقت لے گیا ہے۔اس دور کا اہم شاعر علامہ اقبال ہے۔نظیر لدھیانوی نے ساتوں ادوار میں دو استاد شعراء بھی چنے ہیں۔پہلے دور میں ولیؔ اور حاتمؔ دوسرے دور میں سوداؔ اور میرؔ تیسرے دور میں مصحفیؔ اور انشاءؔ اور چوتھے دور میں ناسخؔ اور آتشؔ یہ دونوں لکھنؤ سے تھے۔اس لئے دہلوی شعراء میں ذوقؔ اور غالبؔ پانچویں دور میں داغؔ اور امیر مینائیؔ چھٹے دور میں اکبرالہ آبادیؔ اور حسرتؔ موہانی ہیں۔ساتویں دور کا سب سے بڑا شاعر علامہ اقبالؔ کو قرار دیا ہے اس کے بعد نظیرؔ نے

کسی کو استاد نہ کہتے ہوئے دوسری مسند کو خالی رکھا ہے۔ یہ تذکرہ ابتداء سے لیکر بیسویں صدی کی ابتدائی چار دہائیوں تک کے اہم شعراء پر مشتمل ہے۔ کافی اہم تذکرہ ہے۔ ۴۱۸ صفحات پر مشتمل یہ تذکرہ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور سے ۱۹۵۳ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا تھا۔

تاریخ ادب اردو:۔ یہ نظیر لدھیانوی کا ایک نہایت ہی اہم تحقیقی کارنامہ ہے۔ اس تاریخی کتاب میں اورنگ زیب کے عہد سے لیکر بیسویں صدی کے نصف تک اردو زبان اور شاعری کی ہر صنف مثلاً غزل، نعت، نظم، مرثیہ، رباعی، قصیدہ وغیرہ کی مفصل تاریخ ہے۔ اس کے علاوہ نثر میں مختلف اصناف ناول، افسانہ اور ڈرامہ کے نشو ونما یعنی ارتقاء کی پوری تاریخ کا تفصیلی ذکر ہے۔ یہ ضخیم کتاب ۷۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو عشرت پبلشنلگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا تھا۔ اردو کے تئیں نظیر لدھیانوی کی خدمات میں یہ کافی اہم کام ہے۔

لسان العصر اکبر الہ آبادی:۔ اکبر الہ آبادی اردو کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ نظیر لدھیانوی نے ان کی سوانح اور کلام کا تجزیہ کرکے ''لسان العصر اکبر الہ آبادی'' کے نام سے کتاب مکتبہ کاروان لاہور سے شائع کی۔

نظیر لدھیانوی نے جن کتابوں کو مرتب کر کے شائع کیا یا جن کتابوں میں ایسا کلام شامل کیا ہے جو پہلے درج نہیں تھا ان کی طویل فہرست ہے۔ لہذا یہاں صرف چند کتابوں کے نام درج کر دیتا ہوں جن کی تدوین کے علاوہ مقدمے بھی لکھے ہیں۔

انتخاب کلیات میرؔ، انتخاب کلیات سوداؔ، انتخاب کلیات دبیرؔ، بہارستان، نگارستان، چمنستان، ارمغان قادیان، کلیات غالبؔ اردو، انتخاب کلیات مصحفیؔ، داستان غدر (سید ظہیر الدین) یہ تمام کتابیں مکتبہ کاروان لاہور نے شائع کیں۔

نظیرؔ لدھیانوی نے ۲۷ جنوری ۱۹۸۹ء کو وفات پائی۔ اردو زبان ایک بلند پایہ ادیب شاعر، صحافی، مورخ، تذکرہ نویس، نقاد اور محقق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئی۔ نظیر لدھیانوی انتقال کے وقت لاہور میں مقیم تھے اور اس شہر سے انھیں بے پناہ محبت تھی۔ مختلف جگہوں پر زندگی گزارنے کے بعد لاہور کو اپنا مستقل گھر بنالیا تھا اور تا قیامت وہیں کی مٹی میں ابدی نیند سوئے رہیں گے۔ ڈاکٹر زینت اللہ جاوید اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''ہر چند کہ ملازمت کے سلسلے میں آپ پنجاب کے مختلف شہروں میں قیام پذیر رہے لیکن لاہور سے آپ کو عشق تھا۔عمر کا بیشتر حصہ وہیں گزارا۔انتقال تک آپ فضل منزل ۶۴ گوال منڈی لاہور میں ہی رہائش پذیر رہے۔اس علاقے میں رہائش پذیر آپ کے لئے وجہ افتخار رہی۔فرماتے ہیں۔

نہ طالع نارس کا شکوہ، نہ گردش آسمان کا خدشہ

بنالیا گھر نظیرؔ شاہِ ابوالمعالی کے آستاں پر

نظیرلدھیانوی اپنی حیات مستعار کے آخری لمحات تک اسی مکان میں مقیم تھے۔آخری دنوں تک چاق و چوبند رہے۔قریباً ۸۷ سال کی عمر میں بروزہ جمعہ مبارک بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۸۹ء داعی اجل کو لبیک کہا۔''

(پنجاب میں اردو،ص،۴۷)

☆ ۔**ڈاکٹر سید عبداللہ**:۔اردو ادب میں ڈاکٹر سید عبداللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔انہیں دوسرے بابائے اردو کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ کی ولادت ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو ضلع مانسہرہ ہزارہ ڈویژن میں ہوئی تھی۔ان کے والد حکیم نور احمد شاہ عالم اور طبیب تھے۔ابتدائی تعلیم گھر پر ہی اپنے والد سے قرآن مجید کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔دسویں جماعت اسلامیہ ہائی اسکول لاہور سے پاس کرنے کے بعد منشی فاضل کا امتحان پرائیوٹ طور پر پاس کیا تھا۔۱۹۲۵ء میں ایم۔اے فارسی کی ڈگری حاصل کرنے بعد پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں مخطوطات کے فہرست سازی میں تقرری ہوگئی تھی۔۱۹۳۲ء میں ایم۔اے عربی میں کیا تھا۔ اور پھر''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' کے موضوع پر ۱۹۳۵ء میں ڈی لِٹ کی ڈگری حاصل کی۔۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۸ء تک لائبریری میں عربک اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔۱۹۴۰ء میں شعبۂ اردو میں لیکچرار کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔قیام پاکستان کے بعد اسی شعبۂ کے صدر مقرر ہوئے۔۱۹۵۴ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل بنے۔اسی کالج کی ذمہ داریاں نبھاتے اور السنہ شرقیہ کی خدمت کرتے ہوئے ۱۹۶۶ء میں پرنسپل کے عہدے سے

سبکدوش ہوگئے تھے۔ جامعہ کے ادارۂ تالیف و ترجمہ کے ۱۹۶۳ء میں اعزازی ناظم بنے تھے اور آخری سانس تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ اردو زبان و ادب کی خدمت کرتے کرتے یہ دوسرے بابائے اردو ۹ مارچ ۱۹۸۶ء کو فالج کی لپیٹ میں آ گئے اور کئی مہینے اس بیماری لڑتے لڑتے آخر کار ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء کو یہ اردو کا مجاہد زندگی کی جنگ ہار گیا اور اپنے خالق و مالک سے جاملا۔ ۱۵ اگست کو انہیں لاہور کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ ایک بڑے عالم، نامور استاد، ادیب، صحافی، مورخ، محقق اور محسن اردو تھے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف تھے، کئی تحقیقی مضامین بھی لکھے تھے اور ان گنت کتابوں پر تبصرے بھی کیے تھے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کو تاریخ اردو اور ادبی تنقید سے دلچسپی تھی۔ آپ نے میرؔ، غالبؔ، سر سید احمد خاں اور اقبالؔ وغیرہ کو اپنی تنقید اور تحقیق کا موضوع بیایا ہے۔ ان کی تحقیقی کتب میں بحث و نظر، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصّہ، مقاماتِ اقبال، سر سید اور ان کے نامور رفقاء، ولیؔ سے اقبالؔ تک، میر امن سے عبدالحق تک، اطراف غالبؔ کے علاوہ اور بھی کئی کتب ہیں۔ یہاں صرف ان کی تحقیقی کتب کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

بحث و نظر:۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے مضامین کا پہلا مجموعہ ہے جسے مکتبہ اردو لاہور نے شائع کیا تھا۔ ان مطبوعہ مضامین کو ڈاکٹر ادیب نے ڈاکٹر سید عبداللہ کو کتابی شکل دینے کے لئے بڑی مشکل سے منوایا تھا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے تحقیقی و تنقیدی مضامین پہلی بار یکجا ہو کر ۱۹۵۲ء میں منظر عام پر آئے تھے۔ مرزا ادیب ان مقالات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''میں نے متعلمانہ ذوق و شوق سے ان مقالات کا مطالعہ کیا اور ان میں تنقید اور تحقیق کا ایک ایسا فنکارانہ امتزاج پایا ہے جو مجھے اور کہیں نظر نہیں آیا۔ ان کے یہاں تحقیق اور تنقید دونوں ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تنقید کے لئے جس دقت نظر، ذہنی توازن اور منطقیانہ تعین کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کا ذوق تحقیق مہیا کر دیتا ہے۔''

(بحث و نظر، ص ۸)

ان مقالات میں سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے اور ان کے مطالعے سے ادبی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے ۔اس مجموعے میں شامل مقالات دردؔ،شبلیؔ، غالبؔ، شیرانیؔ، اقبالؔ اور میرؔ سے متعلق ہیں۔

ادبیاتِ فارسی میں ہندوؤں کا حصہ:۔ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس موضوع پر پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۳۵ء میں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی تھی اور اسے پہلی مرتبہ کتابی شکل میں ۱۹۴۳ء میں شائع کیا تھا۔ یہ کتاب ہندوستانی فارسی ادب کی تاریخ ہے مگر نامکمل ہے کیونکہ اس میں صرف ہندوؤں کے فارسی ادب کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں مغلوں کی آمد سے قبل کا نقشہ کھینچا ہے۔ دوسرے باب میں عہد اکبر کا ذکر ہے۔ تیسرے باب میں ادب کی شروعات کی گئی ہے۔ چوتھے باب کا عنوان مغلوں کے انحطاط کے نام سے ہے۔ مگر یہ ہندوؤں کے فارسی ادب کا عہد زرین رہا ہے۔ پانچویں باب میں مغلوں کے آخری دور میں ہندوں کے فارسی ادب کا نقشہ کھینچا ہے۔ آخری باب میں تمام ادواروں پر نظر ثانی کر کے جائزہ لیا ہے۔ دوسری بار یہ کتاب ۱۹۶۷ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کی تھی۔ اس کتاب کو دوسری بار شائع کرتے وقت متن میں کوئی بھی تبدیلی نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ چاہتے تھے کہ اس کے متن میں تبدیلیاں کی جائیں مگر دیگر مصروفیات نے انہیں موقع نہیں دیا تھا۔

مقامات اقبال:۔علامہ اقبالؔ اردو و فارسی کے شاعر و ادیب تھے۔ علامہ اقبالؔ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی بھی لکھا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی اقبالیات میں اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب میں اقبال کے کیا مقام ہیں واضح کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت واضح کرتے ہوئے میرزا ادیب لکھتے ہیں کہ:۔

> ''مقامات اقبال اس لحاظ سے بڑا کارنامہ ہے کہ اس کے ذریعے ہم اقبال کے فکری اور شعری مقام کا متعین کر سکتے ہیں اور فنکار اقبال کی ان بلندیوں میں پرواز کر سکتے ہیں جو افق تا افق عظمت انسانی کے تابناک ستاروں سے مستنیر اور ضیاافروز ہیں۔''

(مقامات اقبال ،ص ۳،)

مسائل اقبال:۔اقبال سے متعلق ڈاکٹر سید عبداللہ کی بڑی اہم کتاب ہے۔ اس مجموعے میں شامل مقالات میں ڈاکٹر عبداللہ نے اقبال کے جملۂ مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس حوالے سے خود رقمطراز

ہیں:۔

''میں نے زیادہ تر ان مسائل پر لکھا ہے جن کا تعلق مشرقیات سے ہے یعنی اقبال کے فارسی ماخذ مثلاً نظیریؔ، غالبؔ وغیرہ پر یا اقبالؔ کے ازلی فن پر، یا ان کے تصورات پر جن کی تدوین مغرب کے حوالے کے بغیر بھی کی جاسکتی ہے۔''

(مسائل اقبال،ص،)

اس کتاب میں مشرقیات اور ان کے تصورات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔اکتیس مضامین پر مشتمل یہ ضخیم مجموعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا تھا۔

سرسید اور ان کے نامور رفقاء:۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس کتاب میں سرسید اور ان کے چند رفقاء کی نثر کا فکری و فنی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔اس کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب سرسید کے عنوان سے ہے۔اس میں سرسید کی تصانیف افکار وتصورات اور ان کے اسلوب پر بحث کی گئی ہے۔دوسرے باب میں سرسید کے ہم خیال علماء نواب محسن الملک، مولوی چراغ علی، نذیر احمد، شبلی نعمانی وغیرہ کے دینی نظریات پر گفتگو کی گئی ہے۔تیسرے اور چوتھے باب میں حالیؔ اور شبلیؔ کی سوانح نگاری کا ذکر ہے۔پانچویں باب میں تاریخی سوانح عمریاں ہیں۔چھٹے باب میں ادبی تنقید صحافت اور مکتوب نگاری ساتواں باب ڈپٹی نذیر احمد کی نثر پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر موصوف کا اس کتاب کو چھپوانے کا ارادہ نہیں تھا۔اس کتاب کی اشاعت کے حوالے لکھتے ہیں کہ:۔

''میرے مخلص دوست مرزا ادیب نے حسب معمول مجھے رسوا کرنے کی ایک بار پھر کوشش کی اور میرے علم کے بغیر مکتبہ کارواں سے اس کتاب کے متعلق ساری بات چیت مکمل کر کے مجھے اطلاع دی کہ بات پکی ہوگئی ہے۔مسودہ دس دن کے اندر اندر ناشر کے پاس پہنچ جائے۔''

(سرسید اور ان کے نامور رفقاء، ص،۷)

وجہی سے عبدالحق تک:۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے پہلے یہ کتاب میر امن سے عبدالحق تک کے نام سے لکھی تھی

اوراس میں میرامن کی نثر سے عبدالحق کی نثر تک کے تمام اہم نثر نگاروں کو شامل کرلیا تھا۔لیکن بعد میں ترمیم اوراضافے کے ساتھ وجہی کی نثر کو بھی شامل کرلیا تھا۔ یہ کتاب مجلس ترقی ادب لاہور سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

ولی سے اقبال تک:۔اس کتاب میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے وؔلی سے علامہ اقبالؔ تک کے چند استاد شعراء پر تحقیقی وتنقیدی مضامین شامل کیے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۷۶ء میں مکتبہ خیابان ادب لاہور سے شائع ہوئی تھی۔اس مجموعے میں شامل تمام پرانے اور نئے مضامین مطبوعہ ہیں۔ یہ سب کے سب کتابی زینت بننے سے قبل رسالوں کی زینت بن چکے ہیں اور بعض مضامین کو قارئین نے پسند بھی کیا ہے۔ان میں سب سے پرانا مضمون اقبال کا سیاسی تفکر کے عنوان سے ہے۔اسے یوم اقبال کی ایک تقریب میں پڑھا گیا تھا،اس میں خود اقبالؔ بھی موجود تھے اور انہوں نے اس مضمون پر ان الفاظ میں تنقید کی تھی۔

''آپ نے مجھے سمجھنے اور سمجھانے کی اچھی کوشش ہے''

(ولی سے اقبال تک،ص،۹)

ڈاکٹر سید عبداللہ اردو زبان وادب کے بلند پایہ نقاد، ادیب اور محقق تھے۔تمام عمر اردو کی خدمت کرتے رہے۔ان کا شمار اقبال شناسوں میں بھی ہوتا ہے۔اقبالیات اور غالبیات ان کے خاص تحقیقی میدان تھے۔ڈاکٹر سید عبداللہ اقبال شناسوں میں سر عبدالقادر، غلام رسول مہؔر، خلیفہ عبدالحکیم اور یوسف سلیم وغیرہ جیسے سر برآوردہ مشاہیرِ ادب میں ممتاز مقام رکھتے تھے کیونکہ انہوں نے نہ صرف فکرِ اقبال کو قلم کے ذریعے ہی بلکہ اپنے عالمانہ لیکچروں سے اپنے سینکڑوں طلباء کو اقبال شناسی کی تعلیم دی۔ اقبالیات کے مطالعے اور اقبالیات کے فروغ کے سلسلے میں ان کی تحقیقی و تنقیدی اور کاوشیں لاتعداد، متنوع اور ہمہ جہت ہیں۔ڈاکٹر عبداللہ اردو کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ان کا شمار مشرقی ادبیات کے بڑے بڑے علماء میں کیا جاسکتا ہے۔

☆ **شیخ محمد اکرام**:۔علمی وادبی حلقوں میں شیخ محمد اکرام کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ان کے علمی وادبی و تحقیقی کارناموں نے اردو دنیا میں کافی دھوم مچائی تھی۔شیخ محمد اکرام ۱۰ستمبر ۱۹۰۸ء میں لائل پور کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔لائل پور کے گاؤں چک جھمرہ میں ہی پرائمری تک کی تعلیم حاصل کی تھی اوراس کے بعد ایف۔اے تک کی

تعلیم وزیرآباد سے حاصل کی۔کالج کے زمانے سے ہی علمی وادبی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے تھےاور کالج میگزین The Beacon کی بنیاد ڈالی۔اس رسالے کے نائب مدیر بھی ایک سال سے زیادہ عرصہ تک رہے۔مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاہور چلے گئے تھے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کے بعد ایم۔اے انگریزی میں کیا۔لاہور کالج کے ادبی مجلّہ ''راوی'' کی ادارت بھی کی تھی اوراس میں اپنے مضامین میں شائع کرتے رہے تھے۔زمانہ طالب علمی سے ہی غالب اور اقبالؔ سے دلچسپی تھی اور بڑھتی عمر اور علمی جنون کے ساتھ ساتھ اس دلچسپی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا تھا ۔علامہ اقبال کی خدمت میں تو کئی بار حاضر بھی ہوئے تھے۔اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرر کی نوکری کے لئے درخواست دی مگر کالج انتظامیہ کی شرائط ہی کچھ ایسی تھیں کہ نوکری کا خیال ترک کر کے سول سروس کی تیاری میں محو ہو گئے۔۱۹۳۱ء میں آئی۔سی۔ایس امتحان میں کامیابی حاصل کی تھی۔ برطانیہ میں دوسال ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۳ء میں ممبئ میں تقرری ہوئی۔۱۹۴۷ء تک مہاراشٹر میں ہی ملازمت کرتے رہے مگر تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان چلے گئے اور اسی عہدے پر کراچی میں تقرری ہوئی۔پاکستان میں بھی مختلف عہدوں پر فائض رہے۔۱۹۶۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۳ء تک اکیڈمک اور منیجنگ ڈائریکٹر رہے۔شیخ محمد اکرام کو کیمبرج یونیورسٹی والوں نے پروفیسری کی پیش کش کی مگر انھوں نے انکار کر دیا تھا۔ملازمت کے دوران بھی علمی اور تحقیقی کام میں ہمہ تن مصروف رہے اورانھوں نے اپنے اس شوق میں کبھی ملازمت کو آڑے نہیں آنے دیا تھا۔اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جب آئی۔سی۔ایس کا امتحان پاس کرنے کے بعد ٹریننگ کے لئے برطانیہ میں مقیم تھے تو وہیں پر شیخ محمد اکرام نے (غالبؔ نامہ) کی بنیاد رکھی تھی۔ادارہ ثقافت اسلامیہ جو خاص علمی وفکری نوعیت کا ادارہ تھا اس کے ساتھ منسلک ہونے کے بعد ان کے تحقیقی کام میں کافی تیزی آ گئی تھی۔اردو تحقیق کا یہ مرد مجاہد آخر کار اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے ۶۴ برس کی عمر میں دل کا دورہ پڑھنے سے اس دنیا سے چل بسے۔

شیخ محمد اکرام آئی۔سی۔ایس کے علاوہ ایک بلند پایہ ادیب،مورخ،محقق اورسوانح نگار تھے۔سرکاری ملازم تھےاور ہمیشہ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے تھے۔دفتری کاموں سے فراغت کے بعد ادبی وعلمی اور تصنیف وتالیف کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔انگریزی،اردو اور گجراتی میں آپ کی متعدد کتابیں شائع ہوئیں ہیں جو تاریخ،تحقیق اور

سوانح عمری وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ یہاں ان کی چند تحقیقی کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔

حیات غالبؔ: ۔مرزا غالبؔ کا شمار اردو کے بلند پایہ شاعروں اور نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ اردو نظم ونثر کے علاوہ فارسی زبان کے بھی بلند پایہ ادیب تھے۔ شیخ محمد اکرام کو غالبؔ سے دلی لگاؤ اور ذاتی دلچسپی بھی تھی اسی بنا پر غالبؔ کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ غالبؔ جیسی شخصیت پر محض ۲۳ سال کی عمر میں قلم اٹھالیا تھا اور غالبؔ نامہ کے نام سے کتاب بھی شائع کی تھی۔ غالبؔ کی حیات اور شعری انتخاب پر مشتمل ان کی پہلی کتاب ۱۹۳۶ء میں غالبؔ نامہ کے نام سے منظر عام پر آئی تھی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۹ء چھپا۔ بعدازاں اسی کو اکرام نے حیات غالبؔ کے نام سے ۱۹۵۷ء میں جہانگیر بک ڈپو دہلی سے شائع کرایا تھا۔ غالبؔ کی پیدائش سے لیکر وفات تک کی تمام زندگی اور شخصیت کی نشو ونما کو ۸ ابواب میں مفصّل بیان کیا ہے۔

تحقیق غالبؔ میں شیخ محمد اکرام کا ایک منفرد مقام ہے اور ساتھ ہی ایک خاص اہمیت کے حامل بھی ہیں وہ یہ ہے کہ غالبیات کے متعلق ان کی کتابوں کو مقبول اور مستند تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں علی جواد زیدی لکھتے ہیں کہ:۔

> ''شیخ محمد اکرام کی تالیفی، تحقیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کی نمود غالبیات ہی سے ہوئی۔ حالؔی کی 'یادگارِ غالبؔ' کے بعد 'غالبؔ نامہ' پہلی کتاب ہے جو حیاتِ غالبؔ کو نئے بسط وشرح کے ساتھ موضوع گفتگو بناتی ہے۔ جہاں تک تنقید کا تعلق ہے، بجنوری کی عقیدت مندانہ افراط کے بعد یہ متوازن نقطۂ نظر اپنانے کی کوشش کرتی''

(علی جواد زیدی، شیخ محمد اکرام کا دائرۂ تحقیق، مشمولہ غالبؔ نامہ، جولائی ۱۹۸۹)

ارمغان غالب: ۔اس کتاب میں غالبؔ کے اردو اور فارسی کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کلام کا انتخاب تاریخی ترتیب سے کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۸۲۷ء اور ۱۸۳۲ء کے درمیان کے کلامِ غالبؔ کو علیحدہ ترتیب دیا گیا ہے۔ غالبؔ کی ۱۸۰۷ء سے ۱۸۶۹ء تک کی تمام شاعری کو الگ الگ پانچ عنوانات کے تحت تاریخی اعتبار سے مرتب کیا ہے۔ غالبؔ نامہ کا دوسرا ایڈیشن جو ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا اس میں کاتب سے جو غلطیاں سرزد ہو گئیں تھیں ان کی تصحیح بھی کی ہے اور اس کتاب میں صرف غالبؔ کے کلام کو ہی شامل کیا ہے۔ سوانح عمری کو الگ دوسری کتابی شکل دی گئی ہے۔ یہ کتاب

۱۹۴۴ء میں ارمغان غالبؔ (حصہ نظم) کے عنوان سے تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی سے شائع ہوئی تھی۔ غالبؔ کے کلام کا انتخاب کرنے کے بعد ڈاکٹر اکرام لکھتے ہیں کہ:۔

''اگر چہ اپنے کلام کے انتخاب کا جو حق خود شاعر کو ہے وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی پسند اپنی اپنی اور کیا یہ مرزا کا ارشاد نہیں ہے کہ پسندِ شعر کی وادی میں بھی ہے۔''

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے

(ارمغان غالبؔ، ص، ۸)

حکیم فرزانہ:۔ یہ سلسلہ غالبؔ نامہ کی تیسری اور آخری کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۷ء میں اور دوسری بار ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں مرزا غالبؔ نظم و نثر اور شخصیت و فلسفہ پر تفصیلی بیان کیا ہے۔ اس کتاب کے شائع ہونے سے قبل تک غالبؔ پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا اور ماہرین غالبیات نے غالبؔ کی زندگی اور شاعری کے ہر پہلو اور ہر گوشے کو موضوع بنایا تھا۔ شیخ محمد اکرام نے بھی بچپن سے ہی غالبؔ کو پڑھنا شروع کر دیا تھا اور کافی تلاش و تحقیق کے بعد غالبؔ پر متعدد کتابیں بھی لکھیں اور اسی دید و دانش کا یہ آخری نتیجہ ہے جسے حکیم فرزانہ کا نام دیا گیا ہے ۔اس کتاب میں شیخ اکرام غالبؔ کے حکیمانہ خیالات و تصورات پر زیادہ زور دیتے ہیں اور غالبؔ کو مکمل فلسفی بھی نہیں مانتے تھے۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''غالبؔ ایک باقاعدہ فلسفی نہ سہی، لیکن انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اس کے بیسیوں نہیں سینکڑوں اشعار ہیں۔ اس کا انداز خیال حکیمانہ تھا۔ غالبؔ پر سب سے زیادہ اثر بیدلؔ کا تھا اور بیدلؔ میں فقط اشکال نہیں، فلسفیانہ عمق بھی ہے''

(حکیم فرزانہ، شیخ محمد اکرام، ص ۱۸۸)

کتاب ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے بارے میں احمد ندیم قاسمی رقمطراز ہیں کہ:۔

''اب تک غالبؔ کی شاعری اور شخصیت پر اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے کہ اس انبار میں مزید اضافہ کرنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا ،مگر شیخ محمد اکرام نے حکیم فرزانہ میں غالبؔ کی دیدو دانش کی جو توجہ نو پرتیں کھولی ہیں ۔ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی غالبؔ پر وہ کچھ لکھا ہی نہیں گیا جو لکھا جانا چاہئے تھا اور شیخ محمد اکرام نے حکیم فرزانہ کی صورت میں اس جستجو کا ایسا آغاز کیا ہے جو امکانات سے پر ہے۔''

(حکیم فرزانہ،ص ،۷)

غالب نامہ کی ان تین کتابوں کے بارے میں شیخ محمد اکرام خود لکھتے ہیں کہ:۔

''ہماری سعی کا ماحصل تین گلدستوں میں مرتب ہوا ہے ایک جو اصل چیز ہے غالب کے اردو فارسی کلام کا انتخاب ہے۔تاریخی ترتیب سے ارمغان غالبؔ کے نام سے ہدیہ ارباب ِذوق ہوا تھا۔دوسری پیش نظر کتاب ہے حیات غالبؔ،تیسرا حصہ تنقیدی ہے۔جس میں اس مرتبہ طویل اضافے کئے گئے ہیں اور غالبؔ کے فلسفہ اور دیدو دانش پر زیادہ توجہ کی بنا پر اسے حکیم فرزانہ کا نام دیا گیا ہے۔تینوں کتابوں کا مجموعی نام غالبؔ نامہ ہے۔''

(حیات غالبؔ،ص، ۸)

غالبؔ کے علاوہ شیخ محمد اکرام نے شبلی کی حالات زندگی اور ان کی تصنیفات پر بھی شبلی نامہ اور یادگار شبلی کے نام سے دو کتابیں تصنیف کی ہیں۔

یادگار شبلی:۔ علامہ شبلی نعمانی کا شمار اردو ادب کے بڑے بڑے عالموں ،شاعروں ،مورخین ،ناقدین اور محققین میں ہوتا ہے ۔اس کتاب میں شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کے حالات و واقعات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے تصنیفی کارناموں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے یادگار شبلی سے قبل شیخ محمد اکرام شبلی نامہ کے نام سے سیرت شبلی ۱۹۴۶ء میں تصنیف کر چکے تھے ۔لیکن یہ نامکمل کتاب تھی اور اس کا طریقہ کار خود مصنف کو غلط معلوم ہونے لگا تھا۔لہذا اس کتاب کو اضافوں کے ساتھ ۱۹۷۱ء میں دوبارہ شائع کیا تھا۔پہلی اشاعت یعنی ''شبلی نامہ'' میں اس کے صفحات ۲۱۸ تھے ۔جب دوسری

مرتبہ یادگارِ شبلی کے نام سے اشاعت ہوئی تو ۲۳۸ صفحات کا اضافہ ہوا یعنی دو گنے سے بھی زیادہ اضافہ۔ یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے اور ۱۹۷۱ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ یادگارِ شبلی اور شبلی نامہ کے بارے میں خود شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ:۔

''جن نظریات اور محرکات کے زیر اثر شبلی نامہ لکھا گیا ان کی روشنی میں شاید یہ تصنیف ناکام نہ رہی۔ جن اہل علم نے اسے خالص سوانح نگاری کے نکتہ نظر سے دیکھا، اسے بڑی اہمیت دی۔ لیکن راقم السطور اس سے پوری طرح مطمئن نہ تھا بلکہ مطبوعہ کتاب (اور اس سے زیادہ ان کتابچوں کو جو شبلی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اس زمانے میں شائع ہوئے) دیکھ کر یہ طریقہ کار ہی غلط معلوم ہونے لگا کہ کسی کی سیرت لکھتے وقت اس کے اپنے نکتہ نظر کو ہمدردانہ طریقے سے سمجھنے کی پوری پوری کوشش نہ کی جائے ہم نے اس کتاب کو بالکل نئے سرے سے ترتیب دیا ہے۔''

(یادگارِ شبلی، ص ۶)

شیخ محمد اکرام کا ایک اہم تحقیقی کام سلسلہ کوثر کی کتابیں ہیں۔ ان میں تاریخِ اسلام کو ہندوستان کے مسلمانوں کے حوالے سے موضوع بنایا گیا ہے۔ اس تاریخ کو انھوں نے تین کتابوں میں سمیٹا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب آبِ کوثر ہے۔ دوسری رودِ کوثر اور آخری موج کوثر ہے ان کتابوں کا ادبی تحقیق کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہے لہٰذا ان پر تفصیلی گفتگو نہیں کی جائے گی۔

☆ **مالک رام**:۔ اردو کے نامور محقق مالک رام جو دنیائے اردو میں ماہرِ غالبیات کے نام سے مشہور تھے ۔ان کی پیدائش ۲۲ دسمبر ۱۹۰۶ء میں متحدہ پنجاب کے ایک علاقہ پھالیہ میں ہوئی تھی۔ محمد ارشد مالک رام کی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''شہر گجرات کے قصبہ پھالیہ میں ایک کھتری اروڑہ خاندان کے فرد لالہ چند نہال کے گھر ایک خوبرو بچہ بروز ہفتہ ۲۲ دسمبر شام ۷ بجے پیدا ہوا جو آگے چل کر ماہرِ غالبیات کے نام سے

مشہور ہوا''

(مالک رام،حیات اورادبی خدمات،محمد ارشد،صفحہ ا علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ۲۰۰۲ء)

پھالیہ مغربی پنجاب کے ضلع منڈی بہاؤالدین کی ایک تحصیل ہے۔ مالک رام نے اپنی ابتدائی تعلیم وزیرآباد جو ضلع گوجرانوالہ پنجاب کا ایک شہر ہے میں مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور کالج میں داخلہ لیا۔ ڈاکٹر محمد ایوب مالک رام کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

'مالک رام کی ابتدائی تعلیم ضلع گجرات موضع پھالیہ اور بعد میں لاہور میں ہوئی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد بسلسلہ ملازمت دہلی منتقل ہوئے'

(ڈاکٹر محمد ایوب تاباں، مالک رام کی اردو خدمات، مالک نامہ صفحہ ۹۱۔۹۲)

مالک رام نے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۷ء تک صحافتی خدمات انجام دیں اس کے بعد ۱۹۳۹ء سے ۱۹۶۵ء تک انہوں نے انڈین فارن سروس میں ملازمت کی۔ ۱۹۶۵ء میں سبکدوشی کے بعد انڈین نیشنل اکیڈمی آف لیٹرز، ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی کے ساتھ منسلک ہوگئے تھے۔ ۸۶ برس کی عمر میں ۱۶ اپریل ۱۹۹۳ء کو نئی دہلی میں اردو کے اس مجاہد، عالم، محقق اور غالب شناس نے ہمیشہ کیلئے اس دارفانی کو الوداع کہہ دیا۔

مالک رام اردو کے نامور محقق تھے اوران کی تحقیق کا اصل موضوع غالبیات تھا۔ مالک رام اردو کی ایک قدآور اور کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار صحافتی، تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی ادب کے ذریعے اپنے منفرد انداز میں کیا۔ مالک رام نہ صرف ماہر غالبیات بلکہ ماہر اسلامیات، صحافی، معتبر محقق تھے علاوہ ازیں تاریخ کا بھی اچھا ذوق اور معلومات رکھتے تھے۔ مالک رام نے پرانی روایت سے ہٹ کر اردو میں تحقیق کو ایک نئی سمت دکھائی تھی۔ غالبؔ کی تلاش وجستجو ان کا نصب العین رہا تھا۔ اگرچہ تحقیق اور وہ بھی غالبؔ پر تحقیق میں اختصاص حاصل رہا اور انہوں نے نہ صرف غالبیات پر بلکہ دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا تھا۔ مالک رام ایک ایسے ادیب تھے جو اپنے عقیدے کے مدار میں رہ کر دوسرے عقائد کے لوگوں کے لیے دل میں محبت و احترام رکھتے تھے۔ زندگی کی بھاگ دوڑ میں آگے بڑھنے نئے نئے مراحل اور خوب سے خوب تر کی جستجو میں اکثر رہا کرتے تھے۔ ادبی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا

۔ بھارت ماتا اور نیرنگ خیال وغیرہ ان کی صحافتی زندگی کے گواہ ہیں۔ مالک رام زندگی بھر اردو کی خدمت کرتے رہے اور نہ صرف اردو کے خادم بلکہ زبردست حامی بھی تھے۔ اس کی بقاو ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ اردو کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار رہتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ:

''مذہب چھوڑ دوں گا مگر اردو کو نہیں چھوڑوں گا'

مالک رام کو تحقیق سے بے انتہا رغبت تھی ان کا مزاج بڑا تحقیقی تھا وہ ہر بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے ان کو ناموری اور مالی منفعت کی پرواہ نہیں تھی وہ تو اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے محققانہ عمل میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے تحقیقی شغف کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرکاری ملازمت کے دوران مختلف ذمہ داریوں اور پابندیوں کے باوجود بیرونِ ملک جہاں اردو کتب، مخطوطات و دیگر مواد میسر نہیں ہوسکتا تھا انہوں نے اپنے اس ذوق تحقیق کو بحال رکھا اور ایسے کام کیے کہ دوسرے لوگ سہولیات کے میسر اور دیگر پابندیوں سے آزاد ہوتے ہوئے بھی نہیں کر سکے تھے۔ اسی سلسلے میں علی جواد زیدی لکھتے ہیں کہ:

''مالک رام کے لیے تحقیق ان کا فرض منصبی تھا نہ کہ بیکاری کا مشغلہ اہم منصبی کاموں سے وقت نکال کر چراغِ نیم شب روشن کرنا اور بہت سا مواد صرفِ کثیر اور بڑی جدوجہد کے بعد حاصل کرنا پڑتا تھا ان کی راہ میں دشواریاں نسبتاً زیادہ تھیں صرف شوقِ بے پایاں ان کا راہبر اور معاون تھا''۔

(مالک رام، ایک مطالعہ علی جواد زیدی صفحہ ۱۹ اشاعت ۲۰۱۱ء)

تحقیق کے میدان میں ذکرِ غالب مالک رام کی باقاعدہ پہلی کوشش تھی۔ مالک رام کے تحقیقی کام کی ابتداء ایک مختصر تحقیقی مضمون 'ذوق اور غالب' سے ہوئی جس میں انہوں نے زبان و بیان کے لحاظ سے ذوقؔ کو غالبؔ پر ترجیح دی تھی۔ لیکن اس مضمون کی اشاعت کے بعد اپنے وسیع مطالعہ اور غالبؔ سے ذہنی لگاؤ کے سبب تحقیق کا موضوع غالبؔ ہی کو بنایا اور پھر اپنی تحقیقِ مسلسل کی وجہ سے غالبؔ کی زندگی کے بہت سے نامعلوم گوشوں کو تلاش و دریافت کر کے ماہرین غالبیات میں ایک اہم مقام بنایا اور اردو کے معتبر محقق تسلیم کیے گئے۔ مالک رام کی غالبیات سے متعلق تحقیقی کتابیں یعنی

ذکرِ غالب، تلامذۂ غالب اور فسانۂ غالب میں سوانحی تحقیق کے عمدہ نمونے پائے جاتے ہیں۔

ذکرِ غالب: یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ غالبؔ کی حالات زندگی، اردو فارسی تصانیف کی تفصیلات اور آخر میں عادات و اطوار درج کئے گئے ہیں۔ اس کا پانچواں ایڈیشن جو ۱۹۷۶ء میں تصحیح و اضافوں کے ساتھ شائع ہوا۔ پروفیسر گیان چند جین اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''غالبیات میں ان کا سب سے اہم کارنامہ ذکرِ غالب ہے''

(مالک رام ایک مطالعہ، مرتبہ علی جواد زیدی صفحہ ۱۰۴)

پروفیسر مختار الدین احمد مالک رام کی کتاب ذکرِ غالب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''مالک رام کی تصنیف ذکرِ غالبؔ کئی حیثیتوں سے بڑی اہم ہے۔ اس نے غالبؔ کی زندگی کے مخفی گوشوں کو روشن کیا ہے۔ اردو میں تحقیق کی روایت کو مستحکم کیا اور خود مالک رام صاحب کو تحقیق کی طرف مائل کیا۔''

(مالک نامہ، مرتبہ کرنل بشیر حسین زیدی، ص ۱۰۷ اشاعت ۱۹۸۷ء)

تلامذۂ غالب: پہلی بار ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں غالبؔ کے ۱۴۶ طلباء کے سوانحی حالات اور ان کے نمونۂ کلام کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے ایڈیشن میں غالبؔ کے طلباء کی تعداد بڑھ کر ۱۸۱ ہوگئی تھی۔ اس شمارے میں ان اغلاط کو دور کیا جو پہلے ایڈیشن میں سہواً راہ پا گئیں تھیں۔

فسانۂ غالب: غالبؔ کی سوانح سے متعلق ۱۵ مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ مضامین پہلے بھی شائع ہو چکے تھے۔ اس مجموعے میں شامل اکثر و بیشتر مضامین معیاری تحقیق کا نمونہ ہیں۔ یہ تحقیقی کتاب ذکر غالبؔ کے بعض بیانات کی تشریح کے لیے مفید ہے۔ ان مضامین میں مرزا یوسف، عبدالصمد استادِ غالب، نواب شمس الدین خان، قتیل پنجابی الاصل تھا اور دربار رامپور سے تعلقات نہایت اہم تحقیقی مضامین ہیں۔ فسانۂ غالبؔ کے متعلق پروفیسر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ:

''اس میں غالبیات سے متعلق اہم تحقیقی مضامین شامل ہیں ان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے

کہ ماہر غالبیات کے کیا معنی ہیں اور اس لقبِ جلیل کا سزاوار ہونے کے لیے کتنی گہری اور وسیع واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے یہ مہارت تبھی حاصل ہوگی جب آدمی اسی کا ہو کر رہ جائے گا''

(مالک رام، حیات اور ادبی خدمات، محمد ارشد، صفحہ ۲۳۳ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ۲۰۰۲ء)

ڈاکٹر شارب ردولوی لکھتے ہیں کہ:

''مالک رام نے تلامذۂ غالبؔ، خطوطِ غالبؔ اور ذکرِ غالبؔ کو پیش کر کے غالبیات میں اہم تحقیقی اضافے کیے۔''

(جدید اردو تنقید اصول و نظریات۔ شارب ردولوی ص ۱۴۵۵ اشاعت ۱۹۸۶ء)

درج بالا تحقیقی کتب کے علاوہ تحقیقی مضامین، (مجموعہ) حالؔی ہندوستانی ادب کے معمار، عیارِ غالبؔ، گفتارِ غالب، قدیم دہلی کالج، وہ صورتیں الٰہی اور، کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں وغیرہ تحقیقی کتابیں ہیں۔ ان میں سے چند کتب کا مختصر سا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

متنی تحقیق کے سلسلے میں غالبؔ سے متعلق ان کی تین اہم کتابیں سبد چیں، دیوان غالبؔ اور گلِ رعنا ہیں۔ اس کے علاوہ مالک رام نے تصانیفِ آزاد کی تدوین مع حواشی کی ہے۔ غالبؔ سے متعلق متنی تحقیق کرنے والوں میں مالک رام کا مقام دیگر محققین سے کافی بلند و بالا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

''جن متنی نقادوں نے غالب کے خطوط اور دیوان ترتیب دیے ان میں مولانا امتیاز علی خان عرشی اور جن حضرات نے غالبؔ، ان کے شاگردوں دوستوں، عزیزوں کی سوانح پر کام کیا اور غالبؔ کی مختلف تحریریں مرتب کر کے شائع کیں ان میں مالک رام کا نام سرفہرست ہے''

(مالک نامہ، مرتبہ کرنل بشیر زیدی، ص ۱۲۰ اشاعت ۱۹۸۷ء)

سبد چیں: اس میں انہوں نے ایک مقدمہ اور جگہ جگہ حواشی درج کیے ہیں۔ یہ ان کی مرتب کردہ پہلی کتاب ہے جو ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ دیوانِ غالبؔ کی اشاعت مالک رام کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ جو ان کے مقدمے اور حواشی

کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔غالبؔ نے جس کلام کو اپنے دیوان میں شامل نہیں کیا تھا اسے بھی شامل کیا گیا اور آخر میں نسخۂ حمیدیہ کا ایک انتخاب بھی درج ہے۔

گلِ رعنا: غالبؔ پنشن کے سلسلے میں ۲۱ فروری ۱۸۲۸ء میں کلکتہ پہنچے تو وہاں تقریباً ۲ سال تک قیام کیا۔کلکتہ میں دوران قیام غالبؔ نے سراج الدین احمد کی فرمائش پر گل رعنا کو ترتیب دیا گیا تھا۔گل رعنا غالبؔ کی اردو اور فارسی شاعری پر مشتمل ہے۔حصّہ اردو میں کل ۱۱۶ غزلیں اور ۴۵۵ اشعار ہیں۔اس کتاب کے فارسی حصّہ جو ۲۷ غزلیات ۲ قطعات ۱ مثنوی اور ۱ قصیدے پر مشتمل ہے اس میں بھی اشعار کی تعداد ۴۵۵ ہی ہے۔اتفاق سے یہ نسخہ نایاب ہو گیا تھا۔سید نقی بلگرامی کے ذریعے اس کا مخطوطہ جب مالک رام کو حاصل ہوا تو انہوں نے ترتیب و تدوین کے جدید تقاضوں کے مطابق ۱۹۷۰ء میں شائع کیا تھا۔

اردو میں تذکرہ نگاری کی روایت فارسی سے آئی۔اردو شاعروں کا پہلا تذکرہ فارسی زبان میں نکات الشعراء کے نام سے میر تقی میرؔ نے لکھا اس کے علاوہ بھی کئی تذکرے لکھے گے اردو زبان میں مرزا علی لطف کا تذکرہ گلشنِ ہند پہلا تذکرہ ہے۔جسے مرزا لطفؔ نے ۱۸۰۱ء میں تصنیف کیا۔مالک رام نے اردو تذکروں کا مطالعہ کرنے کے بعد جدید اصولوں کے مطابق اردو میں تذکرہ نگاری کی روایت کو قائم کرتے ہوئے تذکرے لکھے۔ان کے دو تذکرے تذکرۂ معاصرین اور تذکرہ ماہ و سال بہت مشہور ہیں۔

تذکرۂ معاصرین: مالک رام کا چار جلدوں پر مشتمل تذکرہ ہے۔ان چار جلدوں میں مالک رام نے ان معاصر ادباء کے جو ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۷ء کے درمیان وفات پا گئے تھے کے سوانحی حالات و نمونہ کلام کو قلمبند کیا ہے۔اس سلسلے کی پہلی جلد میں ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۱ء کے درمیان وفات پانے والے ۷۴ ادباء کے حالات و کلام کو تاریخِ وفات کے اعتبار سے قلمبند کیا ہے۔۱۹۷۲ء میں پہلی جلد مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی سے شائع ہوئی تھی۔دوسری جلد ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی اس میں ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۳ء تک وفات پانے والے ۳۷ ادیبوں کے مختصر حالات و کلام شامل ہے۔تیسری جلد ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی اس میں ۱۹۷۴ اور ۱۹۷۵ء میں وفات پانے والے ۵۶ ادباء کے حالات و کلام کو شامل کیا گیا ہے اور اس سلسلے کا آخری حصّہ ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔جس میں ۱۹۷۶ اور ۱۹۷۷ء میں فوت ہونے والے ۵۲

ادباء کے حالات ونمونہ کلام شامل ہے۔دس سال کے عرصے یعنی ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۷ء کے درمیان فوت ہونے والے ۲۱۹ ادباء کے مختصر حالات اور کلام کو محفوظ کرلیا گیا ہے۔ادیبوں اور شاعروں کی سوانح اور کلام کو تحقیقی انداز میں مرتب کر کے شائع کیا تھا۔اس طرح مالک رام نے نہ صرف اپنی تحقیقی بصیرت کا ثبوت دیا بلکہ بہت سے ادیبوں اور شاعروں کو گمنامی سے بچا کر تاریخ کے صفحات میں محفوظ کردیا تھا۔مالک رام تذکروں کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اردو میں تذکرہ نویسی کی روایت بہت پرانی ہے۔شروع میں ان تذکروں کی اہمیت بیاض سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔تذکرہ نگار کی بیشتر توجہ اشعار کے جمع کرنے پر رہتی تھی، حالات ضمناً اور وہ بھی صرف ایک سطر میں لکھ دیے جاتے تھے، جوں جوں وقت گزرتا گیا حالات مفصل تر ہوتے چلے گئے۔لیکن قدیم تذکروں کی وہی مختصر یادداشتیں آج تاریخ ادبِ اردو کا خام مواد ثابت ہورہی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر کہیں قدماء نے یہ تذکرے مرتب نہ کیے ہوتے تو تاریخ ادب کی تکمیل کا اور کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا۔۔۔۔اسی خیال سے میں نے مرحومین کے حالات جہاں تک ہوسکا پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند کردیے ہیں''

(تذکرہ معاصرین، مالک رام حصّہ اوّل ص ۷۔۶ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۱۹۷۲ء)

تذکرہ ماہ وسال: مالک رام کا مرتب کردہ نہایت ہی اہم تذکرہ ہے۔اس میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے ادباء وشعراء اور چند اہم اشخاص کی پیدائش ووفات اور ضروری معلومات درج ہیں۔جن قلمکاروں کی تاریخ وفات مالک رام کو معلوم نہ ہوسکیں ان کی صرف تاریخِ ولادت ہی درج کردی گئی ہے۔اس تذکرہ میں صرف رفتگان کی تاریخیں ہی درج نہیں ہیں بلکہ مالک رام نے معاصر تخلیق کاروں کی تاریخِ ولادت بھی درج کی ہیں اور لکھتے ہیں: کہ

''کارڈوں میں متعدد ہمعصر ادیبوں کی تاریخ ہائے ولادت بھی، جو حتی الوسع معلوم ہوسکیں ،محفوظ تھیں، خدا انھیں صدوسی سال زندہ رکھے اور وہ اردو علم وادب کی خدمت کرتے رہیں''

(تذکرہ ماہ وسال، مالک رام، ص ۹ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۰۱۱ء)

یہ تذکرہ ۱۹۹۱ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی سے شائع ہوا

قدیم دلی کالج: فورٹ ولیم کالج کے بعد ہندوستان میں یہ دوسرا کالج تھا جسے انگریزوں نے قائم کیا تھا۔ اس کا قیام ۱۸۲۵ء میں عمل میں آیا تھا۔ پہلے یہ غازی الدین کا مدرسہ تھا جسے دہلی کالج میں تبدیل کیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں یہ کالج مکمل طور پر بند ہو گیا تھا۔ مالک رام نے دلی کالج کی ابتداء سے بند ہونے تک کے تمام حالات وواقعات اور ادبی خدمات کو قلمبند کیا ہے، یہ کتاب ۱۹۷۶ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے دوسری بار شائع ہوئی۔

تحقیقی مضامین: اس مجموعے میں مالک رام کے ۱۳ تحقیقی وتنقیدی نوعیت کے مضامین شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ مالک رام کے کچھ دوستوں کی ایماء پر مالک رام نے ان مضامین کو مرتب کر کے ۱۹۸۴ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے شائع کیا تھا۔

کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں: مولانا مرحوم ایک نامور عالم، ادیب، صحافی، معلم اور سیاست دان تھے۔ آپ کی خدمات کا اعترف ہر ایک ذی شعور انسان نے کیا ہے۔ مالک رام نے بھی آپ کی خدمات کے اعتراف میں لکھنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ ۱۱ مضامین پر مشتمل اس کتاب میں مالک رام نے مولانا آزد کی حیات وخدمات کے علاوہ دو مضامین غبارِ خاطر اور تذکرہ کے عنوان سے بھی شامل کیے ہیں جو ان کی مرتب کردہ کتابوں کے مقدمے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

جنوری ۱۹۶۷ء میں مالک رام نے سہ ماہی اردو تبصرہ جاری کیا اور اس کا نام تحریر رکھا تھا۔ مالک رام اور ان کے رفقاء کے تحقیقی کام تحریر میں شائع ہوتے تھے۔ نوجوان محققین اور مصنفین کی ایک تنظیم علمی مجلس کی حمایت بھی جاری رکھی اور انہیں اصلی تحقیقی مواد پیش کرنے کی اہمیت بھی سمجھائی تھی۔ انگریزی روزنامے دی سٹیٹس مین نے مالک رام کی شخصیت پر لکھا ہے کہ:

"تحقیق کی ترقی کے لئے مالک نام کی شراکتیں اہم ہیں ان کی صف اول میں شمار کیا جاتا ہے اوران کی اہم ترین خدمات میں سے نوجوان محققین کی مجلس کا قیام ہے"

(بحوالہ http//ur.m.wikipedia.org/wiki/)

'ان کا سہ ماہی تحریر ہر اس جگہ پڑھا جاتا ہے یہاں اردو پڑھی جاتی ہے'

(بحوالہ http//ur.m.wikipedia.org/wiki)

المختصر اردو تحقیق میں جن محققین نے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں ان میں مالک رام کافی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ مالک رام نے اردو تحقیق خصوصاً غالبیات پر جو کام کیا ہے اس کی وجہ سے اردو تحقیق میں ان کا نہایت بلند مقام ہے۔ غالبؔ پر انہوں نے اتنا لکھا ہے کہ انہیں ماہرین غالبیات کے زمرے میں ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا ہے۔ مالک رام کے تئیں اردو ادب کی جو خدمات کی گئیں ان میں سب سے اہم تحقیق کو فروغ دینا، اسے نئے اسلوب و آہنگ سے آشنا کرنا اور نئی سمت عطا کرنا ہے۔ مالک رام ایک اہم ماہرِ غالبیات و اسلامیات، محقق، تاریخ داں، بلند پایہ مدون اور ایک بڑے صاحبِ قلم تھے۔ مالک رام نے تقریباً اسّی کتابیں تصنیف، تدوین اور ترتیب دے کر شائع کروائی ہیں۔ تحقیقی کتب کے علاوہ مالک رام کی تحقیقی کاوشیں مضامین اور مقالات کی شکل میں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں میں ملکی اور غیر ملکی رسائل و جرائد کی زینت بنتی رہی ہیں اور ان کے مطبوعہ مضامین اور مقالات کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ دیگر ماہرینِ غالبیات کی طرح ان کا نام بھی ہمیشہ اردو ادب میں زندہ و جاوید رہے گا

عین الحق فریدکوٹی: ۔ عین الحق فریدکوٹی نام اردو تحقیق اور تاریخ میں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا اصلی نام فضل الٰہی تھا مگر اردو دنیا میں قلمی نام عین الحق فریدکوٹی سے ہی مشہور ہیں۔ عین الحق فریدکوٹی کی پیدائش ۲۴ اپریل ۱۹۲۰ء کو بمقام فرید کوٹ صوبہ پنجاب (برطانوی ہند) میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی ادبی زندگی کی شروعات شاعری سے کی اور شعلہ فریدکوٹی کے نام سے لکھتے تھے۔ تقسیم ہند سے قبل ۱۹۴۲ء میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد رائل انڈین آرمی میں شامل ہوئے تھے اور ۱۹۴۷ء تک اسی میں خدمات انجام دیتے رہے۔ آزادی کے بعد ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور وہاں بھی آرمی میں ہی ملازمت اختیار کی تھی۔ ۱۹۷۴ء میں ۵۴ سال کی عمر میں پاکستان آرمی کی تعلیمی بٹالین سے اپنی خدمات انجام دینے کے بعد سبکدوش ہوئے تھے۔ عین الحق فریدکوٹی کو بچپن سے ہی پرانی کتابیں، سکے، تصویریں، پھول اور پتے وغیرہ جمع کرنے کا شوق تھا۔ عین الحق فریدکوٹی اکثر پرانی اور نادر و نایاب کتابوں کو خرید کر اپنی ذاتی لائبریری میں رکھتے تھے اور مطالعہ کرنے کے بعد مضامین وغیرہ لکھتے رہتے تھے۔

عین الحق فریدکوٹی کے ذاتی لائبریری میں جو ذخیرہ کتب تھا وہ زیادہ تر پرانی اور نادر یا نایاب کتب پر مشتمل

تھا۔ان میں سے اکثر کتابیں لاہور کے انار کلی اور اردو بازار میں ہفتہ وار پرانی کتابوں کے لگنے والے میلے سے خریدی گئیں تھیں۔اس کتابی میلے میں وہ اکثر جایا کرتے تھے اور یہ ان کا معمول بن گیا تھا۔اس میلے میں شامل ہونے کے لئے وہ کئی دوسرے کاموں کو چھوڑ دیتے تھے اور باقاعدگی سے اس میں شریک ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ انہوں نے تاعمر نہیں ٹوٹنے دیا تھا۔ان کی لائبریری میں مختلف النوع کتابیں تھیں،تاریخ لسانیات ، گورمکھی،اردو ،انگریزی اور آرکیالوجی وغیرہ کی نادر نایاب کتابیں کافی تعداد میں تھیں۔عین الحق فرید کوٹی اپنے بچپن کے اس شوق کو جو بعد میں زندگی میں بر قرار رہا ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کے علاوہ کھنڈرات سے دستیاب ہونے والے سکے اخباری تصویریں، پھول، پتے،رنگ برنگے پر اور تتلیاں بھی جمع کیا کرتا تھا۔میں انہیں کاپیوں میں بڑے اہتمام کے ساتھ سجا کر اپنی کتابوں والی الماری کے ایک کونے میں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھ چھوڑتا تھا۔''

(اردو زبان کی قدیم تاریخ،ص، ۱)

عین الحق کو کتابیں خریدنے کا شوق اس قدر تھا کہ اکثر و بیشتر گھر میں لڑائی کی نوبت آجاتی تھی۔ان کے زیادہ تر پیسے کتابوں کی خرید وفروخت میں صرف ہوجاتے تھے اور گھروالوں کی فرمائشوں کو اکثر ٹالتے رہتے تھے۔دوستوں سے ادھار لے کر بھی پسند کی کتابیں خریدنے میں کوئی پشیمانی نہیں سمجھتے تھے۔اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''وقت گزرانے کے ساتھ ساتھ اس دیوانگی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ننھے کے کپڑے اگر پھٹ گئے ہیں تو انہیں اگلے ماہ کی یکم تک ملتوی کر دیا جاتا۔بیوی کے دوپٹے کی فرمائش مہینوں تک ٹالتا رہتا لیکن اگر کوئی کتاب پسند آجاتی تو دوستوں سے ادھار لے کر بھی خرید لیتا۔تو کتاب خرید لینا کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن مشکل مرحلہ اسے گھر میں لانے کا ہوتا تھا۔ ہر نئی کتاب کی آمد گھر میں ایک نئے زلزلے کا پیش خیمہ ثابت ہوتی۔''

(اردو زبان کی قدیم تاریخ،ص،۲)

اس سلسلے میں بیوی کے ساتھ اکثر لڑائی ہوتی ان کی بیوی کا کہنا تھا کہ 'میرے لیے اور بچوں کے لئے پیسے نہیں ہیں مگر ان موٹی موٹی کتابوں کے لئے آپ کے پاس پیسے ہوتے ہیں' کئی بار تو بیوی نے میکے جانے کی دھمکی بھی دی مگر عین الحق فریدکوٹی کا شوق کتاب کبھی کم نہ ہوا یہی وجہ ہے ان کا نام آج تک اردو میں زندہ وجاوید ہے۔ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

''نہیں کہہ سکتا کہ اگر سچ مچ ہی مجھے بیوی اور کتاب کے درمیان ایک کا انتخاب کرنا پڑتا تو قرعہ کس کا نام نکلتا۔''

(اردو زبان میں قدیم تاریخ،ص،۶)

کتابوں سے بے انتہا پیار کرنے والا اردو پنجابی اور انگریزی کا محقق اور ماہر لسانیات آخر کار ۱۷ اگست ۱۹۹۵ء کو ۷۵ سال کی عمر میں پاکستان کے شہر لاہور میں آخری سانس لی اور ہمیشہ کے لئے اس دارفانی کو خیر باد کہہ گیا۔عین الحق فریدکوٹی کو لاہور کے قبرستان ساڈے والے میں دفن کیا گیا تھا۔

عین الحق فریدکوٹی ایک بلند پایہ مورخ،محقق اور ماہر لسانیات تھے۔آپ نے اردو انگریزی اور پنجابی زبان میں مختلف موضوعات پر لکھا لیکن بعد میں لسانیات اور تاریخ کے میدان تک ہی خود کو محدود رکھا تھا۔اردو زبان میں عین الحق فریدکوٹی کی مایہ ناز تصنیف ''اردو زبان کی قدیم تاریخ'' ہے۔

اردو زبان کی قدیم تاریخ:۔ جب بات اردو زبان کے آغاز کی کریں تو اس کے متعلق مختلف نظریات ملتے ہیں۔مثال کے طور پر حافظ محمود شیرانی کے نزدیک اردو کی جڑیں پنجابی میں ہیں۔سید سلیمان ندوی نے اردو کی جائے پیدائش سندھ کو بتایا ہے۔میر امن اور ان کے ہم خیالوں کا یہ نظریہ تھا کہ اردو ایک لشکری زبان ہے اور شاہ جہان کے عہد میں اس کو فروغ ملا۔برج بھاشا میں اردو کی جڑیں محمد حسین آزاد نے بتائیں تھیں۔نصیر الدین ہاشمی کے نزدیک اردو دکن میں پیدا ہوئی تھی۔مسعود حسین خان نے اردو کی جائے پیدائش دلی کے گرد نواح کو بتایا ہے۔مسعود حسین خان کا نظریہ کسی حد تک قابل قبول ہے لیکن ابھی بھی تحقیق جاری ہے۔متعدد ماہرین لسانیات نے اردو کے آغاز کے بارے میں اپنی اپنی

تحقیقات پیش کی ہیں۔کچھ نے اس زبان کی جڑیں شمالی ہند کی بولیوں میں ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے جغرافیائی حدود کی بناپر اپنا نظریہ پیش کیا اور اردو زبان کو ہند آریائی زبان گردانا ہے۔

بیسویں صدی کے آخر میں کچھ ماہرین لسانیات نے یہ رائے دی ہے کہ اردو آریائی نہیں بلکہ دراوڑی زبان ہے ۔ان ماہرین میں عین الحق فریدکوٹی بھی تھے۔جنہوں نے تفصیلی تحقیق کے ساتھ یہ نظریہ پیش کیا تھا۔عین الحق فریدکوٹی نے اردولسانیات اور برصغیر پاک و ہند کی زبانوں اور اردو کی اصل کے متعلق تحقیق شروع کی اور اردو زبان کی قدیم تاریخ اسی تحقیقی سلسلے کی کڑی ہے۔اس کتاب میں وہ تمام مقالے شامل کئے گئے ہیں جو انہوں نے لسانیات اور اردو کی اصل کے متعلق لکھے تھے۔

اردو زبان کے آریائی ہونے کے نظریے کو عین الحق فریدکوٹی نے چیلنج کیا تھا۔انھوں نے اپنی انگریزی اور اردو تحریروں میں یہ ثابت کیا ہے کہ اردو کی جڑیں سنسکرت میں پیوست نہیں ہیں۔انہوں نے اس مقالے میں یہ ثابت کر کے بتایا ہے کہ نہ صرف اردو، پنجابی اور سندھی بلکہ برصغیر میں بولی جانے والی اکثر و بیشتر زبانیں داروڑی زبانیں ہیں۔جن پر منڈا اور ہند چینی خاندان کی زبانوں کے اثرات ہیں۔اس حوالے سے نبی بخش بلوچ لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ایک خاص نظریہ جس کو مصنف نے بڑے وثوق کے ساتھ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ وادی سندھ کی زبانوں کی مورثِ اعلیٰ سنسکرت نہیں بلکہ بالواسطہ طور پر دراوڑی زبانیں ہیں۔اور پنجابی زبان کا دھارا بھی دراوڑی زبان سے پھوٹا ہے۔''

(اردو زبان کی قدیم تاریخ،ص،۱۵)

عین الحق فریدکوٹی نے اپنی بات منوانے کے لئے کہ وادی سندھ کی زبانوں میں دراوڑی زبان کے عنصر کے عنوان سے دو مفصل باب لکھے ہیں۔اس کتاب میں عین الحق فریدکوٹی نے جو دلائل پیش کئے ہیں اور ان سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اردو سنسکرت سے نہیں نکلی بلکہ اس کا سرچشمہ وادی سندھ کی قدیم زبان ہے اور اردو پنجابی سے مشتق ہے۔اس کتاب کا موضوع وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ پیچیدہ بھی ہے۔اس موضوع کے اکثر پہلو ابھی تحقیق طلب ہیں ۔اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں نبی بخش بلوچ لکھتے ہیں کہ:۔

''اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔ جو شمالی ہند کی عوامی زبانوں کی اصلیت کی نشاندہی کرتی ہے اور خصوصی طور پر منڈا، دراوڑی، سنسکرت اور وادی سندھ کی مقامی زبانوں کے باہمی تعلق اور لسانی خمیر کی کمیت اور کیفیت کی آئینہ دار ہے۔''

(اردو کی قدیم تاریخ، ص، ۱۸)

یہ کتاب ارسلان پبلیکشنز لاہور سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اردو کی ادبی تحقیق میں ان کا کوئی کارنامہ سامنے نہیں آیا تھا۔ البتہ لسانی تحقیق کے حوالے سے بیسویں صدی کا برصغیر پاک و ہند کا ایک اہم اور معتبر نام ہے۔

☆۔ **وزیر آغا:**۔ اردو ادب کے مشہور نقاد، شاعر، انشائیہ نگار اور محقق ڈاکٹر وزیر آغا ایک بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی بے شمار تصنیفات، تحقیقات اور انتقادیات سے اردو ادب کو مالا مال کیا ہے۔ وزیر آغا نے ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء میں سرگودھا کے ایک دور دراز گاؤں وزیر کوٹ میں جنم لیا تھا۔ انہوں نے اپنی والدہ سے پنجابی اور والد سے فارسی کے علاوہ ابتدائی تعلیم مختلف مدارس سے بھی حاصل کی تھی۔ وزیر آغا نے دسویں جماعت سرگودھا کے سرکاری ہائی اسکول سے ۱۹۳۷ء میں پاس کی تھی۔ انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے کی ڈگری گورنمنٹ کالج جھنگ سے حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۳ء ایم۔ اے معاشیات میں ڈگری سرکاری کالج لاہور سے حاصل کی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ اردو میں ۱۹۵۶ء میں ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' کے موضوع پر ڈاکٹر عبادت بریلوی کے زیر نگرانی پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنی ادبی صحافت کا آغاز مولانا صلاح الدین احمد کے ادبی جریدے 'ادبی دنیا' جو لاہور سے شائع ہوتا تھا میں جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے ۱۹۶۰ء میں کیا تھا۔ مولانا صلاح الدین احمد کی وفات تک اسی جریدے کے ساتھ جڑے رہے۔ ۱۹۶۶ء میں وزیر آغا نے اپنا تاریخ ساز جریدہ اوراق کا اجراء کیا تھا۔ یہ جریدہ ۲۰۰۳ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ اس جریدے نے اپنے ۳۸ سالہ سفر میں مضامین نو کے انبار لگا دیے تھے۔ اوراق کی مقبولیت اور اہمیت کو دیکھتے ہوئے اس پر ایم فل کا مقالہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے صحافتی سفر کے ساتھ ساتھ ادبی سفر بھی جاری رکھا اور اردو زبان و ادب کے ذخیرہ کو اپنی تخلیقات سے وسعت دیتے رہے۔ وزیر آغا کی کتابوں کی تعداد ۶۰ سے زیادہ ہے۔ ان کی ادبی خدمات، شاعری، انشائیے اور تحقیق و تنقید پر مشتمل ہے۔ ان کے شائع ہوئے

شعری مجموعوں کی تعداد دس ہے، تنقیدی و تحقیقی مضامین کے مجموعوں کی تعداد پندرہ ہے اور انشائیوں کے مجموعوں کی تعداد چھ ہے۔ وزیر آغا پر تقریباً ایک درجن سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ علاوہ ازیں ان پر پاک و ہند کی جامعات میں ایم۔اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لئے مقالات بھی لکھے گئے ہیں۔ ان کی پہلی کتاب ''مسرت کی تلاش'' ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ ان کی نظموں کے کئی ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں تر جمے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا اردو کے بلند پایہ شاعر، ناقد، محقق اور انشائیہ نگار تھے آپ کی تصنیف اور ترتیب و تدوین کی گئی کتابوں کی اگر گنتی کی جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہوگی۔ یہاں صرف ان کی تحقیقی کتب کا سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی تحقیقی نوعیت کی کتب میں اردو میں طنز و مزاح، عبدالرحمٰن چغتائی شخصیت اور فن اور انشائیہ کے خدوخال وغیرہ ہیں۔

اردو ادب میں طنز و مزاح:۔ اردو میں طنز و مزاح کے متعلق مطالعہ کے دوران ڈاکٹر وزیر آغا کے پاس کافی مواد جمع ہو گیا تھا۔ اگر چہ اس مواد کے جمع کرنے میں کافی دشواریاں پیش آئیں تھیں اور کافی کھٹن اور پر خار راستے کو عبور کرنا تھا مگر منزل کو پانے کی خواہش نے یہ سب کچھ ہنسی خوشی برداشت کر لیا اور اکثر و بیشتر تحقیق کے دوران ایسا ہوتا بھی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے ایک دوست صلاح الدین احمد کے مشورے پر انہوں نے اس جمع شدہ مواد کے مطالعہ کے بعد تھیسس کی شکل دینا شروع کی تھی۔ تکمیل کے بعد اسے پنجاب یونیورسٹی میں پیش کیا تھا جسے پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ایک اصلی تحقیقی کام قرار دے کر انہیں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری عطا کی تھی۔ صلاح الدین احمد اس ضمن لکھتے ہیں کہ:۔

> ''دو برس کے مختصر عرصے میں زندگی کے مختلف منازل طے کرتا ہوا بالآخر ایک عمدہ تحقیقاتی مقالے (Thesis) کی صورت میں نمودار ہوا اور پنجاب یونیورسٹی نے اسے منظور فرمایا اور اس کی بنا پر آغا صاحب کو پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری عطا فرما کر قدر دانی علم و ادب کا ثبوت دیا۔''

(اردو ادب میں طنز و مزاح، ص ۶،)

اردو ادب میں طنز و مزاح کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے تھے۔ پہلی بار کتابی شکل میں ۱۹۵۸ء میں کتب خانہ

اکیڈمی لاہور سے شائع ہوئی اس کے ۱۹۷۸ء میں اور جو ایڈیشن میرے پاس موجود ہے وہ ۱۹۹۰ء میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس علی گڑھ سے شائع ہوا تھا۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے اس کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب مزاح اور مزاح نگاری کے عنوان سے ہے۔اس میں مزاح کی اہمیت مختلف نظریے اور اس کے تدریجی ارتقاء پر روشنی ڈالی ہے۔علاوہ ازیں طنز و مزاح کی اصناف اور انگریزی اور فارسی میں طنز و مزاح کو بھی زیر بحث لایا ہے۔ دوسرا باب اردو شاعری میں طنز و مزاح ہے۔ تیسرا باب اردو نثر میں طنز و مزاح ہے۔ اس میں طنز و مزاح کے مختلف ادوار کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے اور ہر دور میں لکھنے والے اہم طنز و مزاح نگاروں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ چوتھا باب اردو ادب کے مزاحیہ کردار کے عنوان سے ہے۔اس میں پہلے مزاحیہ کردار کی خصوصیات بیان کی ہے اور مختلف اصناف سخن سے کرداروں کو جو اہم تھے کا ذکر کیا ہے۔خوجی کا کردار، حاجی بغلول کا کردار، چچا چھکن، مرزا جی اور بدحواس شوہر جو عظیم بیگ چغتائی کی تصنیف خانم کا کردار ہے کو شامل کیا ہے۔ پانچواں باب اردو ڈرامہ میں طنز و مزاح کے عنوان سے ہے۔ چھٹا اور آخری باب اردو صحافت میں طنز و مزاح ہے۔اس میں ادبی اور صحافتی مزاح میں فرق بتایا ہے۔اس میں اودھ پنچ، الہلال، ہمدرد، زمیندار، طنزیہ صحافتی شاعری میں اکبرالہ آبادی، شبلی نعمانی، ظفر علی خان، عبدالمجید سالک، چراغ حسن، حسرت کے علاوہ بھی شاعر شامل کئے گئے ہیں اس کے علاوہ تقسیم کے بعد اور دصحافت میں طنز و مزاح ۴۵۰ کے قریب صفحات پر مشتمل یہ کتاب اردو طنز و مزاح کے حوالے سے کافی اہم ہے۔

عبدالرحمٰن چغتائی شخصیت اور فن:۔ عبدالرحمٰن چغتائی لاہور میں پیدا ہونے والے پاکستان کے ایک مشہور و معروف بلکہ عظیم مصور تھے۔علاوہ ازین وہ افسانہ نگار بھی تھے۔ان کے دو افسانوی مجموعے لگان اور کاجل کے نام شائع ہوئے تھے۔لیکن وہ بطور مصور زیادہ مشہور تھے۔اس کتاب کو وزیر آغا نے مرتب کر کے شائع کرایا تھا۔اس کتاب میں عبدالرحمٰن کی شخصیت اور فن کو مختلف مقالہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز سے بیان کیا ہے۔۴۰۰صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ۱۹ مقالہ نگاروں کے مقالات جمع کر کے شائع کئے ہیں۔ان مقالہ نگاروں میں عبدالرحمٰن کا چھوٹا بھائی محمد عبداللہ چغتائی بھی شامل ہے۔عبداللہ چغتائی نے اپنے بڑے بھائی کے تمام تر حالات و واقعات کو تفصیل کے

ساتھ اس مقالے میں شامل کیا ہے۔اس کتاب میں چغتائی کے فن کی وضاحت کے ساتھ ان کا مقام رفعت وعظمت کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔اس کتاب میں مجھے ایک کمی محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مجھے مقالہ نگاروں کے مقالات پر کوئی اعتراض نہیں ہے صرف اس کو ترتیب دیتے وقت پہلے عبدالرحمٰن کے بھائی عبداللہ چغتائی کے مقالے کو شامل کرنا تھا کیونکہ اس میں اس کی زندگی کے حالات وواقعات تفصیلاً مل جاتے ہیں۔شروع شروع میں وزیر آغا کی تحقیقی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے اس وقت کے وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور پروفیسر حمید احمد خان نے ان کی کتاب ،اردو ادب میں طنز ومزاح کا تعارف لکھتے ہوئے آخر میں اپنی خواہش اور نصیحت ان الفاظ میں کی تھی:۔

> ''خاتمہ الفاظ سے پہلے میں اپنی اس آرزو کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر وزیر آغا اس سلسلے تحقیق کو جاری رکھیں گئے۔''

(اردو ادب میں طنز ومزاح،ص ۲۱)

پروفیسر حمید نے یہ بات ۱۹۵۷ء میں کی تھی مگر وزیر آغا تحقیق نہیں بلکہ تنقیدی میدان میں کافی آگے نکل گئے تھے۔تحقیق کے میدان میں کافی کتابوں کی تدوین وغیرہ کی ہے۔اردو کا یہ بلند پایہ شاعر،نقاد،انشائیہ نگار اور محقق اس دنیائے فانی سے ۷ دسمبر ۲۰۱۰ء کو اس دنیا سے چل بسا۔ان کے آبائی گاؤں وزیر کوٹ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر وحید قریشی:۔ ڈاکٹر وحید قریشی کا نام اردو حلقے کے لئے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ان کا اصلی نام عبدالوحید تھا مگر اردو حلقے میں وحید قریشی کے نام سے ہی جانے جاتے ہیں۔وحید قریشی کی پیدائش ۱۴ فروری ۱۹۲۵ء کو متحدہ پنجاب کے علاقہ میانوالی میں ہوئی تھی۔میانوالی ان کا ننھیال اور آبائی شہر گوجرانوالہ تھا۔وحید قریشی کے والد محمد لطیف قریشی جو پولیس میں ملازم تھے اور ان کے تبادلے بھی کبھی ایک شہر تو کبھی دوسرے شہر میں ہوتے رہتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ وحید قریشی نے اپنی ابتدائی تعلیم ساہیوال،گوجرانوالہ اور لاہور کے مختلف اسکولوں سے حاصل کی تھی۔میٹرک اسلامیہ ہائی اسکول لاہور سے ۱۹۴۰ء میں مکمل کی۔ایف۔اے ۱۹۴۲ء میں بی۔اے ۱۹۴۴ء میں ایم۔اے فارسی ۱۹۴۶ء میں اور ایم۔اے تاریخ ۱۹۵۰ء میں مکمل کی تھی۔تعلیمی سلسلے کو مزید بڑھاتے ہوئے ۱۹۵۲ء میں پی۔ایچ۔ڈی کی

ڈگری فارسی میں کلاسیکی فارسی نثر کے موضوع پر حاصل کی تھی۔ڈی لٹ کی ڈگری میر حسن اوران کی شاعری کے عنوان سے مقالہ لکھ کر۱۹۶۲ء میں حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر وحید قریشی نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد گجرانوالہ کے اسلامیہ کالج کے شعبۂ تاریخ میں بطور لیکچرار۱۹۵۱ء میں اپنی ملازمت کا آغاز کیا تھا۔اس کالج میں چھ سالہ تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں ۱۹۵۷ء تقرری ہوئی تھی۔ جہاں ایک سال تک ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں لاہور کے ایک اور اسلامیہ کالج جو دوسری جگہ تھا فارسی کے صدر شعبہ تعینات کئے گئے۔۱۹۶۲ء تک اس کالج میں بطور صدر شعبہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور آخر کار پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ان کی تقرری ہوئی اور پھر سبکدوشی تک یعنی ۱۹۸۵ء تک اسی شعبہ سے منسلک رہے تھے۔جامعہ پنجاب کے شعبۂ اردو میں ۲۳ سالہ خدمات کے دوران ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان کے صدر بھی رہے۔نو سال تک شعبۂ اردو کے صدر کی حیثیت سے ذمہ داریاں بھی سنبھالتے رہے۔وہ ڈین لینگویجز،شعبۂ پنجابی کے صدر،اورینٹل کالج کے پرنسپل اور سبکدوشی کے بعد اقبال اکادمی کے ناظم بھی رہے۔ان گنت تدریسی و تنظیمی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔

اب ان کی تصنیفی زندگی کی طرف رخ کرتے ہیں۔ڈاکٹر وحید قریشی ایک عالم،نامور محقق،نقاد،شاعر اور اقبال شناس تھے۔ڈاکٹر وحید قریشی نے ۸۰ کے قریب اقبالیات،تحقیق و تنقید،اردو شاعری وغیرہ پر مبنی کتابیں اردو ادب کے طالب علموں کے لئے یادگار چھوڑی ہیں۔اردو ادب کے اس بیش بہا قیمتی سرمائے سے ہمیشہ اردو زبان و ادب کے طالب علم اور ریسرچ اسکالر مستفید ہوتے رہیں گے۔ڈاکٹر وحید قریشی کی کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے۔یہاں چند تحقیقی کتابوں کا ہی ذکر کروں گا۔شبلی کی حیات معاشقہ،میر حسن اوران کا زمانہ،کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ،مطالعہ حالؔی،نذر غالبؔ،مقالات تحقیق اور علامہ اقبال کی تاریخ ولادت وغیرہ کا سرسری ذکر کروں گا جس سے ڈاکٹر وحید قریشی کی تحقیقی صلاحیتوں کا اندازہ ہو سکے گا۔

شبلی کی حیات معاشقہ: ۔ایک مختصر سی کتاب ہے جو تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے دراصل یہ ایک مقالہ تھا جو حلقہ ارباب ذوق میں پڑھا گیا تھا۔اسی مقالہ کو بعد میں کتابی شکل میں ترمیم کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔اس کتاب میں

سوانح نگاری اور علامہ شبلی کی سوانح نگاری، علامہ کی حالات زندگی، ان کا ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک کا دور اور ڈاکٹر وحید قریشی پر علامہ کی اہمیت کم کرنے کے جو اعتراضات لگائے گئے تھے اس کے جواب بھی دیے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں کہ:۔

''میں علامہ شبلی کی عظمت کا معترف ہوں، اگر آپ مجھے زیادہ مجبور کریں گے تو میں انہیں جینیس بھی کہہ دوں گا۔۔۔میں ان کی تاریخ دانی کا بھی قائل ہوں میں انہیں ایک واجب الاحترام نقاد بھی تسلیم کرتا ہوں۔ عین ممکن ہے آپ کو مجھ سے ان کی ان خوبیوں کے سلسلے میں اختلاف ہو وہ ایک شاعر بھی تھے۔ اور یہی میرے مضمون کا نکتۂ آغاز ہے۔''

(شبلی کی حیات معاشقہ، ص،۱۰)

یہ کتاب مکتبہ جدید لاہور سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔

میر حسن اور ان کا زمانہ:۔ مثنوی سحر البیان کے مصنف میر حسن اردو کے عظیم شاعر تھے۔ یہ کتاب ان کی حیات وخدمات اور ان کے زمانے کے متعلق تفصیلی بیان ہے۔ اس کتاب کو ڈاکٹر وحید قریشی نے دس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پس منظر، خاندان، ابتدائی حالات، قیامِ لکھنؤ، وفات، تصانیف، شخصیت، غزل گوئی، مثنویاں، اور مثنوی سحر البیان کی مقبولیت وغیرہ کا سیر حاصل تجزیہ بھی کیا ہے۔ اس کام کی تکمیل میں لگ بھگ ۸ سال کا عرصہ لگا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کام کی تکمیل میں کس قدر دشواریاں سرِ راہ رہی ہونگی۔ ڈاکٹر وحید قریشی رقمطراز ہیں:۔

''میر حسن پر یہ کتاب میری آٹھ برس کی محنت کا نتیجہ ہے، غالباً ۱۹۵۱ء کے آغاز کی بات ہے، جب اس کام کا تہیہ کیا گیا ہے اور آج کہ ۱۹۵۹ء آ پہنچا ہے خدا خدا کر کے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔''

(میر حسن اور ان کا زمانہ، ص،۷)

کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ:۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی یہ کتاب ۱۹۶۵ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ اس مجموعے میں دس مقالات کو شامل کیا گیا ہے۔ شاملِ مجموعہ مقالات کا تعلق اردو کے مختلف ادوار سے ہے اور ان مقالات

کو کتابی شکل میں شائع کرنے سے قبل مختلف رسائل وجرائد میں شائع کیا جاچکا تھا۔ان مقالات کو رسائل میں شائع ہونے کی تاریخ کے اعتبار سے نہیں بلکہ شعراء وادباء کی زمانی ترییب کی لحاظ سے درج کر کے تاریخی واقعات کا تسلسل قائم رکھا گیا ہے۔ڈاکٹر وحید قریشی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''ان مقالات کے بارے میں ایک اور بات شاید بے موقع نہ ہوگی ان میں اسلوب اور زبان کا فرق نظر آئے گا اور کئی کئی بعض معمولی باتوں میں تکرار بھی ہے اس لئے کہ یہ مختلف اوقات میں اور الگ الگ مقالوں کی صورت میں تحریر کئے گئے تھے۔''

(کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ،ص،۱۴)

مطالعہ حالی:۔اردو شعر وادب اور تحقیق وتنقید میں حالی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے اردو ادب کی اس عظیم شخصیت پر مختلف اوقات میں ناقدین اور محققین لکھتے رہے ہیں۔مطالعہ حالی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ڈاکٹر وحید قریشی کی یہ کتاب چند مقالات کا مجموعہ ہے جو کتابی شکل میں آنے سے قبل مختلف رسائل میں شائع ہو چکے تھے۔اس مجموعے میں کل پانچ مقالات شامل ہیں اور مختلف اوقات میں لکھے جانے کی وجہ سے ان میں معمولی سی تکرار بھی ہے ۔پہلا مقالہ حالی کی نثر ونظم کے متعلق ہے۔دوسرے مقالے میں حالی کی شاعری اور دلی کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔تیسرے مقالے میں حالی کی تنقید کو زیر بحث لایا گیا ہے۔حالی کی سوانح نگاری 'یادگار غالب' کا تحقیقی مطالعہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے اور آخر میں حالی کی غزل گوئی پر ایک تفصیلی مضمون بھی شامل کیا گیا ہے۔ڈاکٹر وحید قریشی ان مقالات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''یہ مقالات مختلف اوقات میں لکھے گے اور ان کی حیثیت الگ الگ مضامین کی سی ہے ۔اس لئے کہیں کہیں معمولی تکرار بھی ہوگی۔البتہ بعض اقتباسات جو مکرر آ گئے تھے وہ حدف کر دیے گئے ہیں۔''

(مطالعہ حالی،ص ۱۰)

نذر غالب:۔غالب اردو کے بلند پایہ شاعر وادیب تھے مختلف ناقدین اور محققین نے ان کی شاعری اور شخصیت

کوموضوع بنایا ہے ۔اس مجموعے میں بھی غالبؔ کی شخصیت اور کلام کوموضوع بنا کرمختلف مقالات کی شکل میں جمع کیا گیاہے ۔ڈاکٹر وحیدقریشی کی یہ کتاب آٹھ مقالات پر مشتمل ہے۔ یہ مقالات تحقیقی اورتنقیدی نوعیت کے ہیں ان میں بعض مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں۔تمام مقالات غالبؔ کے تعلق سے ہی ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو نذر غالبؔ کا نام دیا گیاہے۔ یہ کتاب ۱۹۷۰ء میں دوسری مرتبہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

مقالات تحقیق:۔ڈاکٹر وحیدقریشی کے تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے ۔اس مجموعے میں ۱۸ مقالات شامل ہیں۔ان مقالات کو چھ حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔۱۹۸۸ء میں ان مقالات کو کتابی شکل میں مغربی پاکستان اردو اکیاڈمی لاہور سے شائع کیا گیا تھا۔

علامہ اقبالؔ کی تاریخِ ولادت:۔علامہ اقبالؔ اردو کے ایک عظیم شاعر گزرے ہیں ان کی تاریخ ولادت میں شک وشبہات تھے اورمختلف ناقدین اورمحققین نے ان کی ولادت کے بارے میں لکھا ہے ۔ان مقالات کو ڈاکٹر وحیدقریشی نے مرتب کر کے کتابی شکل میں علامہ اقبال کی تاریخ ولادت ایک مطالعہ کے نام سے ۱۹۹۴ء میں شائع کی تھی۔اس کتاب میں کل ۱۹ مقالات ہیں جن میں پندرہ اردو میں اور چار انگریزی میں ہیں۔اس کتاب میں مقالات کے علاوہ ضمیمے بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر وحیدقریشی کا اندازِتحقیق یہ تھا کہ کسی موضوع پر تحقیق کرتے وقت چاہے وہ مضمون ہو یا پھر کتاب پہلے وہ موضوع کو بیان کرنے کا ماحول بناتے یعنی تمہید باندھتے تھے اور پھر اصل موضوع کی طرف رخ کرتے تھے۔ایسا وہ قاری اور طالب علموں کی آسانی کے لئے کرتے تھے ۔ایسا ہی ہونا چاہیے اگر محقق سیدھا موضوع پر آجائے نہ تمہید باندھے اور نہ ہی پس منظر بیان کرے تو طالب علموں کو سمجھنے میں دشواری ہوسکتی ہے۔ڈاکٹر وحیدقریشی نے کافی کتابیں تصنیف بھی کی ہیں اور لاتعداد کتابوں کو ترتیب دے کر شائع بھی کیا ہے۔ایس۔اے رحمٰن لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ڈاکٹر وحیدقریشی ادیب بھی ہیں اور ساتھ ہی پیشہ تحقیق کے شیر مرد اور میدان تنقید کے شہسوار بھی۔مواخر الذکر دونوں اصناف تحریر میں متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکل کر اہل علم سے خراج تحسین وصول کرچکی ہیں۔''

(نذرغالب،ص)

اردو کا یہ عظیم محقق اور تحقیقی میدان میں شیرانی کا جانشین اپنی ادبی و تحقیقی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۹ء میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی تھی۔ڈاکٹر وحید قریشی کے جسد خاکی کو لاہور کے ایک قبرستان میں دفنا دیا گیا تھا۔

☆ ۔**مشفق خواجہ**:۔مشفق خواجہ اردو زبان و ادب کا ایک بڑا نام ہے۔آپ شاعر،مزاح نگار،کالم نویس ،صحافی ،نقاد اور محقق تھے۔مشفق خواجہ کا اصلی نام عبدالحئی تھا لیکن ادبی حلقے میں مشفق خواجہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔آپ کی ولادت ۱۹ دسمبر ۱۹۳۵ء میں لاہور میں ہوئی تھی۔ان کے آبا واجداد کشمیر سے ہجرت کر کے لاہور چلے گئے تھے۔ان کے خاندان میں کافی علمی و ادبی شخصیات نے جنم لیا ہے۔ان کے دادا اور والد کو ادب سے بہت لگاؤ تھا ادبی محفلیں منقعد کروایا کرتے تھے اور بڑے بڑے مشاہیر ادب ان محفلوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔مشفق خواجہ کے گھر میں بچوں کے معیاری رسائل شروع سے ہی آیا کرتے تھے۔جن سے یہ استفادہ کیا کرتے تھے۔بچپن ہی سے پڑھنے کے شوقین تھے اور اکثر اپنے والد کی لائبریری میں مطالعے میں مصروف رہتے تھے۔ان کے دادا بچوں کو گلستان، بوستان اور حافظ کے دیوان سے اشعار سنایا کرتے تھے۔ابتدائی تعلیم لاہور سے ہی حاصل کی تھی۔بچپن لاہور میں ہی گزرا اور پھر ۱۲ سال کی عمر میں کراچی چلے گئے،سترہ برس کی عمر میں میٹرک کا امتحان ۱۹۵۲ء میں پاس کیا۔کراچی یونیورسٹی سے بی ۔اے آنرس میں کیا اور ۱۹۵۷ء میں اسی یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو کی ڈگری حاصل کی۔مشفق خواجہ کو تحقیقی کاموں میں بی۔اے کے دوران ہی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی اور ایک مضمون''پاکستان میں اردو'' کے عنوان سے بھی لکھا تھا۔لہذا ایم ۔اے کرنے کے بعد ۱۹۵۷ء میں ان کی ملاقات بابائے اردو مولوی عبدالحق سے ہوئی تھی۔مولوی عبدالحق نے انہیں انجمن ترقی اردو پاکستان سے وابستہ کرلیا اور ۱۹۵۷ء سے ۱۹۷۳ء تک تقریباً ۱۶ سال اس انجمن سے وابستہ رہے۔اس انجمن کے مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے تحقیقی میدان میں قدم رکھنے کی وجہ طاہر مسعود کو ایک انٹرویو میں بتاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ:۔

''قصہ یہ ہیکہ مجھ میں تحقیق سے دلچسپی گھر کے علمی ماحول کی وجہ سے پیدا ہوئی۔میرے والد

خواجہ عبدالوحید مرحوم مختلف نوعیت کے علمی و ادبی کام انجام دیتے رہتے تھے۔ انہیں دیکھ کر
میں تحقیق کی طرف مائل ہوا۔ بعد میں جب میں نے ہوش سنبھالا تو پرانی چیزوں سے میری
دلچسپی بڑھ گئی۔''

(مشفق خواجہ، ص، ۲۷)

مشفق خواجہ محقق، شاعر، نقاد، صحافی، کالم نگار اور مزاح نگار بھی تھے۔ مشفق خواجہ تھے تو اور بھی بہت کچھ مگر میں انہیں یہاں صرف تحقیق تک ہی محدود رکھوں گا۔ اختصار سے ان کے تحقیقی کاموں کو پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان کی چند تحقیقی کتب جن کا نام لینا ضروری سمجھتا ہوں وہ غالب اور صغیر بلگرامی، تذکرہ خوش معرکہ زیبا، جائزہ مخطوطات اردو، اقبال اور احمد دین، تحقیق نامہ اور مرزا یگانہ شخصیت اور فن وغیرہیں۔

غالبؔ اور صفیر بلگرامی:۔ غالبؔ کا مقام شاعر اور نثر کے حوالے سے بہت بلند و بالا ہے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد میں بھی کافی ہے۔ ان ہی شاگردوں میں سے ایک صفیر بلگرامی بھی تھے جو اردو اور فارسی دونوں ہی زبانوں میں نثر و نظم کی مختلف اصناف پر دسترس تھی اور غالبؔ کے خاص شاگردوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ صفیر کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی تھی اور 'مرقع فیض' کے نام سے ان کے شاگردوں کا تذکرہ ان کی زندگی میں ہی چھپ کر منظر عام پر بھی آیا تھا۔ اس کتاب میں غالبؔ اور صفیر بلگرامی کے خطوط کو شامل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بلگرامی کی حالات زندگی اور غالبؔ کے ساتھ ان کے تعلقات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ غالبؔ اور صفیر کی خط و کتابت کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں کے خطوط بنام غالبؔ یا غالبؔ کے خطوط بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔ اس کتاب میں صفیر کے غیر مطبوعہ کلام کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ بلگرامی کی کتابوں کی مکمل فہرست بھی اسی کتاب میں ملتی ہے۔ مکتبہ جامع لمیٹڈ دہلی سے یہ کتاب تیسری بار ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے بارے میں مشفق خواجہ خود لکھتے ہیں کہ:۔

''میں نے کوشش یہ کی ہے کہ غالبؔ و صفیر کے تعلقات کی تمام تفصیلات پیش کی جائیں
۔ تمام متعلقہ تحریروں کو یکجا کیا جائے نیز صفیؔر نے غالبؔ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کی
نشاندہی کی جائے اس سلسلے میں، میں نے متعدد قلمی اور نادر مطبوعہ کتابوں سے استفادہ کر

کے بہت سا ایسا مواد جمع کیا ہے جو پہلی مرتبہ منظر عام پر آرہا ہے۔ اس کتاب میں غالب اور صفؔیر کے بارے میں بہت سی نئی باتیں ملیں گیں ۔مکاتیب غالب بنام صغیراور مکاتیب صغیر بنام غالب مکمل اور صحیح صورت میں پہلی بار پیش کیے جارہے ہیں۔''

(غالب اور صغیر بلگرامی،ص، ۱۱)

تذکرۂ خوش معرکہ زیبا:۔ سعادت خان ناصر کا تذکرہ ہے۔ جسے مشفق خواجہ نے ایک طویل مقدمے کے ساتھ ۱۹۷۰ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کیا۔ یہ تذکرہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ۳۴۴ شعراء کا مختصر ذکر ہے۔ دوسرے حصے میں ۴۸۰ شعراء کا مختصر ذکر ہے اس طرح اس تذکرے میں کل ۸۲۴ شعراء کا ذکر ہے۔ اردو زبان میں لکھا جانے والا پانچواں تذکرہ ہے۔اس کی دوسری جلد مشفق خواجہ نے ۱۹۷۲ء میں شائع کی تھی۔

جائزہ مخطوطاتِ اردو:۔ یہ مشفق خواجہ کا تذکرہ خوش معرکہ زیبا کی ترتیب کے بعد بڑا تحقیقی کام ہے۔اس کتاب کی جلد اول مرکزی اردو بورڈ لاہور سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی تھی۔اس میں مشفق خواجہ نے پاکستان میں سرکاری،غیر سرکاری اور ذاتی کتب خانوں میں موجود مخطوطات کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد ان مخطوطات کا تعارف کروایا ہے۔مخطوطات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے انہیں عنوانات کے تحت لکھا اور یہ بھی بتایا ہے کہ کون سا مخطوطہ کس کتب خانے میں ہے۔تاریخ کتابت،خط،مہر کیفیت،آغاز،اختتام،مندرجات،مطبوعہ نسخے،مصنف اور ماخذ وغیرہ عنوانات کے تحت ہی ان مخطوطات کا تعارف کروایا ہے۔مشفق خواجہ کا یہ معیاری کام بطور حوالہ کے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔خود مشفق خواجہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''اس کتاب کا بنیادی موضوع وہ اردو مخطوطات ہیں جو پاکستان کے مختلف سرکاری۔غیر سرکاری اور ذاتی کتب خانوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔میں نے مخطوطات کے بارے ضروری معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ہر مخطوطے کے دیگر نسخوں مصنف کے حالات اور ماخذ پر خاص توجہ دی ہے۔''

(جائزہ مخطوطات اردو،ص، ۱۷)

اقبال از احمد دین:۔ مولوی احمد دین اقبآل (شاعرِ مشرق) کے دوستوں میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ان کا پیشہ وکالت تھا۔اقبآل کی شاعری پر کتاب لکھی اور شائع کر کے اقبآل کو خوش گوار حیرت میں ڈالنا چاہتے تھے۔مگر اقبال کو اس کی اشاعت سے قبل پتہ چل گیا اور احمد دین کے اس کام کو ناپسند کیا تھا۔لہٰذا احمد دین نے اس کے تمام نسخے ضائع کر دئے تھے۔پہلی بار اشاعت ۱۹۲۳ء میں ہوئی اور دوسری ۱۹۲۶ء میں ہوئی تھی۔اب جب کہ یہ علامہ اقبآل پر لکھی جانے والی پہلی کتاب نایاب ہو چکی تھی۔مشفق خواجہ نے دوسری اشاعت کو بنیاد بنا کر اس کتاب کو ایک طویل مقدمے کے ساتھ ۱۹۷۹ء میں تیسرا ایڈیشن شائع کیا تھا۔یہ کتاب انجمن ترقی اردو پاکستان سے شائع ہوئی تھی۔

تحقیق نامہ:۔مشفق خواجہ نے کافی تعداد میں تحقیقی مضامین لکھے تھے کچھ مطبوعہ اور بعض غیر مطبوعہ تھے۔جب ان مضامین کو مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ کیا تو مضامین کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تمام مضامین کسی ایک کتاب میں شائع نہیں کئے جاسکتے بلکہ ان کی ضخامت سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ کئی جلدیں تیار ہونگیں۔ان تمام مضامین میں سے چھ مضامین کو از سر نو مرتب کر کے تحقیق نامہ کے نام سے مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور سے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا۔اس کتاب میں شامل ابتدائی تین مضامین اردو کے قدیم شاعروں سے متعلق ہیں اور یہ مضامین ۱۹۸۰ء کی دہائی میں مختلف رسائل میں شائع ہوئے تھے۔اس کتاب میں شامل دو مضمون ان کی مرتب کی گئی کتابوں کے مقدمے ہیں جو کافی طویل ہیں۔اس کتاب میں تذکرہ گلشن مشتاق کے نام سے بھی ایک مضمون شامل ہے جو ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا تھا مگر اس کتاب میں شامل کرتے وقت اس میں کافی تبدیلیاں کی گئیں تھیں۔یہ کتاب چار سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔اپنی تحقیق اور اس کتاب میں شامل مضمون کے بارے میں خود مشفق خواجہ لکھتے ہیں کہ:۔

> ''میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ میں تحقیق کے لئے ایسے موضاعات کا انتخاب کروں جو اپنی اہمیت کی بنا پر ہماری ادبی تاریخ کے کسی نہ کسی خلا کو پر کرتے ہوں۔اس لئے میں عموماً ان ہی موضوعات پر لکھتا ہوں جن پر کام نہ ہوا ہو۔قزلباس خان امید،شاہ قدرت اللہ قدرت،احمد دین اور گلشن مشتاق ایسے ہی موضوعات ہیں۔''

(تحقیق نامہ،ص ۸،)

مرزا یگانہ شخصیت اورفن :۔ مرزا یگانہ اردو کے ممتاز غزل گوشاعر تھے۔مرزاواجد حسین نام تھا پہلے یاؔس پھر یگانہؔ تخلص اختیار کیا تھا۔مرزا یگانہؔ شخصیت اورفن کے نام سے مشفق خواجہ نے یہ کتاب مرتب کی تھی۔اس کتاب میں شامل دس مضامین مختلف اوقات میں مختلف لوگوں نے لکھے ہیں۔آخر میں مشفق خواجہ نے مرزا یگانہؔ کی غیر مطبوعہ غزلیات ،منظومات اشعار اور رباعیات کے علاوہ دوارکا داس شعلہ کے نام یگانہ کے غیر مطبوعہ خطوط بھی شامل کئے ہیں۔یہ کتاب ۱۹۹۲ء میں آصف پبلی کیشنز علی گڑھ سے شائع ہوئی تھی۔اس کے علاوہ کلیات یگانہؔ کوبھی تحقیق وترتیب دے کر شائع کیا۔ان کی اور بھی بہت سے تحقیقی کتب ہیں۔مشفق خواجہ اپنے تحقیق کرنے کا طریقہ کار بتاتے ہوئے ایک انٹرویو لینے والے کوان الفاظ میں جواب دیتے ہیں۔

> ''میرا طریقہ کار یہ ہے کہ جب میں کسی موضوع پر کام کا ارادہ کر لیتا ہوں تو پھر ایک عرصے تک اس پر مواد جمع کرنا چاہتا ہوں۔جب مواد جمع ہو جاتا ہے تو میں لکھنے کا کام شروع کر دیتا ہوں۔''

(مشفق خواجہ ایک مطالعہ،ص۳۳)

ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں کہ:۔

> ''مشفق خواجہ صاحب کا شمار پاکستان کے ان محققوں اور ادیبوں میں ہے جنہیں ان کے ادبی کارناموں کی وجہ سے ہندوستان میں بہت قدر ومنزلیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔''

(مشفق خواجہ ایک مطالعہ،ص،۵)

المختصر مشفق خواجہ کی مندرجہ بالا کتب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام عمر تحقیقی کاموں میں ہی صرف کی ہے۔ان کی تحقیقی موضوعات میں تنوع ہے۔انہوں نے صرف کسی ایک صنف یا شخص کو یہی موضوع تحقیق نہیں بنایا بلکہ اردوادب ہی ان کا تحقیقی مرکز تھا۔مشفق خواجہ کوادیب نواز کہا گیا ہے۔وہ اردو ادیبوں اور محققین کی ہمیشہ اور ہر ممکن مدد کرنے کے لئے تیار رہتے تھے چاہے وہ مالی مدد ہو یا پھر کتب خانے سے کتابیں فراہم کرنی ہوں۔ان کے ذاتی کتب خانے میں بے شمار مخطوطات اور نادرونایاب کتابیں تھیں۔

انیس ناگی:۔ انیس ناگی اردو ادب کا ایک اہم نام ہے۔اصلی نام یعقوب علی ناگی تھا مگر اہل اردو انہیں انیس ناگی کے نام سے جانتے ہیں۔والد کا نام ابراھیم علی ناگی تھا۔آپ کی ولادت ۱۰ستمبر ۱۹۳۹ء کو شیخوپورہ موجودہ پاکستان میں ہوئی تھی۔ابتدائی تعلیم شیخوپورہ میں ہی حاصل کی تھی بعدازاں میٹرک کا امتحان مسلم ہائی اسکول لاہور سے پاس کیا ۔انٹر گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا تھا اور ایم اے اردو میں اورینٹل کالج لاہور سے کیا تھا۔پنجاب یونیورسٹی لاہور سے گولڈ میڈل کے ساتھ اردو ادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی اور ڈاکٹر انیس ناگی کہلائے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور اور کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں لیکچرار رہے۔گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریسی فرائض کی ذمہ داری نبھانے کے ساتھ ساتھ کالج سے شائع ہونے والے میگزین ''راوی'' کے مدیر بھی رہے تھے۔انیس ناگی نے سول سروس کا مقابلاتی امتحان پاس کیا اور مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے تھے۔ان ہی عہدوں میں سے ایک محکمہ تعلیم میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر بھی تعیناتی ہوئی تھی۔جس سے انہوں نے ادیبوں اور شاعروں کے مسائل کو حل کرنے کی کافی کوشش کی تھیں۔مگر اس پوسٹ سے انہیں جلدی ہٹا دیا گیا۔آخر کار بورڈ آف ریونیو کے ارکان کی حیثیت سے ۱۹۹۹ء میں سبکدوش ہوئے تھے۔انیس ناگی 'دانشور' کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے۔اس رسالے کی خاص بات یہ تھی اس کے مدیر بھی خود تھے اور مضامین بھی خود ہی لکھتے تھے،ٹائپ بھی خود کرتے اور اشاعت کے اخراجات بھی خود ہی برداشت کرتے اس کے علاوہ فرضی ناموں کے ساتھ تبصرے بھی کرتے تھے اور اسی جریدے میں ان تبصروں کی اشاعت بھی کرتے تھے۔اس جریدے کا بڑے بڑے ادیبوں نے بائیکاٹ بھی کیا تھا مگر انیس ناگی غیر ملکی ادیبوں کے خصوصی نمبر نکال کر اس جریدے کو شہرت بخشوانے میں کامیاب ہوئے۔علاوہ ازیں ملکی ادیبوں میں جو انہیں پسند تھے ان کے خصوصی نمبر بھی نکالے۔

انیس ناگی سول سروس سے سبکدوشی کے بعد پھر سے درس وتدریس کی طرف آئے کیونکہ یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔سول سروس میں شامل ہونا شاید ان کا صحیح فیصلہ نہیں تھا کیونکہ ان کا مزاج اس نوکری کے مطابق نہیں تھا شاید یہی وجہ ہے کہ انھیں ملازمت کے دوران کوئی اچھی پوسٹنگ نہیں ملی تھی۔سال ۲۰۱۰ء اکتوبر کے مہینے میں پنجاب پبلک لائبریری میں مطالعہ کے دوران دل کا دورہ پڑا اور محبّ علم وادب کتابوں کے درمیان اپنی آخری سانس لے کر اس دنیا

سے کوچ کر گیا تھا۔ وفات کے وقت انیس ناگی کی عمر ا ۷ سال تھی۔ انہیں علامہ اقبال ٹاؤن کے قبرستان میں دفنایا گیا تھا۔

انیس ناگی ایک مشہور شاعر، محقق، نقاد، مترجم، ناول نگار، فلم میکر اور نہ جانے کیا کیا تھے مگر مجھے صرف ان کے تحقیقی کام سے سروکار ہے۔ ان گنت کتابوں کے مصنف، مترجم اور مدون تھے مگر یہاں صرف ان کی تحقیقی کتب کا سرسری جائزہ لینا مقصود ہے۔ ان کی تحقیقی و تنقیدی کتب میں غالبؔ ایک شاعر ایک اداکار، نثری نظمیں، نیا شعری افق، پاکستانی ادب (حصہ شعر) اور پاکستانی اردو ادب کی تاریخ وغیرہ شامل ہیں۔

غالبؔ ایک شاعر ایک اداکار:۔ ڈاکٹر انیس ناگی کی یہ کتاب اردو کے ایک عظیم شاعر و نثر نگار غالبؔ سے متعلق ہے۔ اگرچہ اس کتاب سے قبل بھی اور اب بھی غالبؔ پر بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔ مگر انیس ناگی کو مطالعہ غالبؔ پر مزید لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اس ضمن میں سعادت سعید لکھتے ہیں کہ:۔

> ''انیس ناگی نے غالبؔ ایک شاعر ایک اداکار کے نام سے غالبؔ پر لکھے ہوئے اپنے مضامین کی جو کتاب مرتب کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالبؔ پر بے شمار لوگوں کے بے شمار مضامین کے باوجود ان کے فن و شخصیت کے متعدد پہلو دائرہ تحریر میں نہیں سمٹ سکتے ۔''

(غالب ایک شاعر ایک اداکار۔ ص۔ ۶)

اس کتاب کو سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۱۹۸۷ء میں شائع کیا تھا۔ انیس ناگی نے غالبؔ پر لکھے گئے اپنے مضامین کو مرتب کر کے کتابی شکل میں غالب ایک شاعر ایک اداکار کے نام سے شائع کیا تھا۔ انیس ناگی کا ماننا ہے کہ غالبؔ پر اچھا کام نہیں ہوا۔ غالبؔ پر لکھنے والوں کی تحریریں میں یکسانیت ہے۔ اس مجموعے میں غالبؔ کے متعلق انیس ناگی کے مضامین شامل ہیں۔ غالبؔ کا سفر کلکتہ، علالت، ازدواجی زندگی، غالبؔ اور انگریزی غالبؔ کی غزل، نثر، شاعری میں ابہام اور ایک خاص مضمون جو کتاب کا نام بھی ہے غالبؔ ایک شاعر ایک اداکار وغیرہ۔

نثری نظمیں:۔ انیس ناگی کی مختصر سی کتاب جو نثری نظموں سے متعلق ہے مکتبہ جمالیت لاہور سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں نثری نظموں کے متعلق تین مضامین نثری نظم یا شاعری، نثری نظم اور ہے ہیئتی اور معاصر

نثری نظمیں کے عنوان سے شامل ہیں۔علاوہ ازیں آخر میں آٹھ نثری نظم نگاروں کی ۱۶ نظمیں شامل کی ہیں ہر ایک شاعر کی دو دو نظمیں ہیں۔ان تمام نظموں کے اسلوب میں کسی حد یکسانیت ہے۔اس کتاب کی اشاعت کے مقصد کو انیس ناگی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''اس مختصر سی کتاب کی اشاعت کی غرض و غایت بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ نثری نظم کا اردو شاعری میں باقاعدہ تعارف کرایا جائے اور جہاں تک ممکن اور اس کے تخلیقی ضابطوں کی نشاندہی کی جاسکے۔تاہم اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نثری نظم کو بھی ضابطوں کی زندانی میں دبا دیا جائے اور پھر اس کی رہائی کے لئے جدوجہد کی جائے۔''

(نثری نظمیں،ص ،۵)

نیا شعری افق:۔ انیس ناگی کی یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۶۹ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۸۸ء میں آصف جمال ،جمالیات لاہور سے شائع ہوئی تھی۔اس کتاب میں نئی اردو شاعری سے متعلق پانچ مضامین شامل ہیں۔جس میں نئی شعری راویت،طرز تحریر،اسلوب اور نئی نظم کی تشکیل کے علاوہ نئی شاعری کو پرانی شاعری روایت کی امین کہا گیا ہے۔اس کتاب میں مضامین کے علاوہ سات جدید شاعروں کی شاعری کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔۱۹۶۹ء میں جب اس کتاب کی اولین اشاعت عمل میں آئی تھی اس میں صرف چار شاعروں کو شامل کیا تھا لیکن ۱۹۸۸ء میں دوسری اشاعت میں تین نئے شاعروں جیلانی کامران،تبسم کاشمیری ،اور عبدالرشید کو شامل کیا گیا ہے۔اس کتاب کی غرض وغایت کے بارے میں انیس ناگی لکھتے ہیں کہ:۔

''اس کتاب کی غایت نئی شاعری کے تصوراتی مؤقف کی وضاحت اور چند نمایاں شعراء کی تشریح فراہم کرنا تھی،قارئین اور نقادوں کو بیک وقت اردو شاعری کی روایت میں ایک بنیادی تبدیلی کا احساس دلانا تھا۔''

(نیا شعری افق،ص،)

پاکستانی ادب (حصہ شعر):۔ادارہ ادبیات پاکستان نے اس سلسلۂ مطبوعات کا آغاز ۱۹۹۰ء میں کیا تھا

۔ ہر سال کے شعری اور نثری کارناموں کو انتخاب کے بعد شائع کرنا ہوتا تھا اور اس کی ذمہ داری کسی ادیب، شاعر، محقق یا ناقد وغیرہ کو دی جاتی تھی اسی روایت کو نبھاتے ہوئے ۱۹۹۴ء کے شعری انتخاب کو ترتیب دینے کی ذمہ داری انیس ناگی کو سونپی گئی تھی اور ان کے ساتھ جاوید شاہین بھی شریک تھے۔ اس کتاب میں ۱۹۹۴ء کے شعری ادب کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں حمد وسلام، نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ کتاب کے آخر میں بلوچی، پشتو، پنجابی، سرائیکی، سندھی، کھوار زبانوں کی شاعری کے اردو تراجم بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب اکیڈمی ادبیات پاکستان سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ فخر زمان اس کتاب اور ادارے کے اس کام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اس انتخاب سے جو نظم ونثر کا احاطہ کرتا ہے۔ ۱۹۹۴ء کے دوران لکھے جانے والے ادب کی ایک بھر پور تصویر سامنے آتی ہے ایک سال کا انتخاب کسی نئے ادبی رویے یا رجحان کی نشاندہی تو نہیں کر سکتا۔ لیکن اپنی روایت کے تسلسل میں یہ ان رویوں اور رجحانات کا نمائندہ ضرور ہے جو ماضی کو حال اور حال کو مستقبل سے ملاتے ہیں۔ اکیڈمی ہر سال اسی طرح کا انتخاب پیش کرتی ہے تاکہ ہم عصر ادب کی ایک انتھالوجی مرتب ہوتی رہے اور پاکستانی زبانوں میں لکھا جانے والے ادب ایک جلد میں محفوظ ہو جائے۔''

(پاکستانی ادب حصہ شعر، ص،۱۳)

پاکستانی اردو ادب کی تاریخ:۔ ڈاکٹر انیس ناگی ہی کی نہیں بلکہ اردو ادب کی آزادی کے بعد اور خاص طور پر پاکستانی اردو ادب کی آزادی بعد کی ایک بہترین مختصر تاریخ ہے۔ اس کتاب کو انیس ناگی نے سات ابواب میں تقسیم کیا ہے اردو تنقید ۱۹۴۷ء کے بعد اردو شاعری ۱۹۴۷ء کے بعد اسی طرح اردو افسانہ، ناول، دیگر اصناف ادب تحقیق اور تراجم پر مبنی ہے۔ اس طرح کی کتاب بہت پہلے بھی لکھی جا سکتی تھی کیونکہ پاکستان کے قیام کے بعد وہاں پر بھی اردو ادب نے کافی ترقی کی اور لاتعداد اردو کے ادیب وشاعر، نقاد و محققین نے اس خطے میں اردو ادب کے ذخیرے میں اضافے کیے لیکن اس طرح کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی جس میں خالص پاکستانی ادیبوں شاعروں اور اہل اردو کو شامل کر کے شائع کیا گیا ہو۔ اس طرف صرف انیس ناگی نے ہی پہلے پہل توجہ کی اور پاکستانی اردو ادب کی تاریخ مرتب کی۔ اس ضمن میں

انیس ناگی لکھتے ہیں کہ:

''پاکستانی ادب کی تاریخ کو بہت پہلے لکھا جانا چاہیے تھا لیکن پاکستان کے بیشتر ادیب بھارت میں اپنے آپ کو تسلیم کروانے میں اتنے مشتاق رہے ہیں کہ انہیں احساس نہیں ہوا کہ بہت کچھ بدل چکا ہے۔ پاکستانی ادب کی ایک منفرد روایت وجود میں آ چکی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کہیں میں بھی ہندوستان کی ادبی اور ثقافتی یلغار سے خائف ہوں۔ یہ بات ہرگز ایسی نہیں ہے۔''

(پاکستانی اردو ادب کی تاریخ۔ص، ۷)

یہ کتاب جمالیات لاہور سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اردو کے مشہور و معروف افسانہ نگار منٹو پر انیس ناگی نے کافی کام کیا ہے اس کے علاوہ نذیر احمد کی ناول نگاری پر بھی ان کا کافی کام ہے۔

☆۔**ڈاکٹر تبسم کاشمیری:۔** تبسم کاشمیری کا جنم ۱۹۴۰ء میں امرتسر میں ہوا تھا۔ امرتسر میں پیدا ہونے والے کشمیری ہیں۔ ابھی سات برس کی عمر تھی اور پہلی جماعت میں پڑھ رہے تھے کہ تقسیم ہند کا سانحہ پیش آیا۔ ہندوستان اور پاکستان کے مابین فسادات شروع ہو گئے تھے۔ انہی فسادات سے متاثر ہو کر ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ کچھ عرصہ لاہور، والٹن اور پھر راولپنڈی میں سکونت اختیار کی۔ تبسم کاشمیری کے والد کاروباری تھے۔ مسلمان فوجیوں سے ان کے روابط تھے اس لئے جب ہجرت کی تو کوئی خاص مشکلات پیش نہیں آئیں۔ تبسم کاشمیری نے دسویں جماعت تک کی تعلیم راولپنڈی سے حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء میں والد کاروبار کے سلسلے میں کراچی چلے گئے تبسم کاشمیری بھی ساتھ ہی گئے لیکن بہت جلد واپس لاہور لوٹ آئے کیونکہ کاروبار کے سلسلے میں لاہور اہم جگہ تھی۔ لاہور سے ہی تبسم کاشمیری نے انٹر کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور اورینٹل کالج لاہور سے ایم۔اے اردو میں کیا۔ ۱۹۶۴ء میں ایم۔اے میں 'جدید اردو شاعری میں علامت نگاری' کے موضوع پر مقالہ لکھا تھا۔ مرکزی حکومت کے توسط سے چل رہے شعبے تاریخ ادبیات پنجاب میں ۱۹۶۵ء میں کام کیا تھا۔ اس شعبے میں ادب میں مسلمانوں کا حصہ کے پروجیکٹ پر کام کیا تھا۔ یہ کوئی مستقل نوکری نہیں تھی اس لئے اسے تبسم کاشمیری نے خیرآباد کہہ دیا اور ایم۔اے۔او کالج میں

پڑھانے لگے۔۱۹۶۸ء میں پنجاب یونیورسٹی چلے گئے تھے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ہی غلام ہمدانی مصحفی پر۱۹۷۳ء میں پی۔ایچ۔ڈی کی سند حاصل کی تھی۔۱۹۸۱ء میں جاپان چلے گئے وہاں اوسا کا یونیورسٹی آف فارن اسٹڈیز میں اردو کے پروفیسر تعینات ہوئے تھے۔جاپان جانے کی وجہ ۲۰۱۵ء میں فیس بک کے ایک صفحہ ''اردو گھر'' کو دیئے گئے انٹرویو میں بتاتے ہیں کہ۔:

''مجھے پاکستان سے اس لئے نکلنا پڑا کہ یہاں کے حالات میرے لئے سخت ناقابل برداشت تھے۔جنرل ضیاءالحق کی آمریت عروج پر تھی۔جبروستم کا بازار گرم تھا۔صحافت پر پابندیاں لگائی جارہی تھیں۔سیاسی کارکنوں کو کوڑے مارے جارہے تھے۔۱۹۸۱ء میں ایک لِسٹ بنی کی جتنے بھی ترقی پسند استاد ہیں انہیں نوکریوں سے نکال دیا جائے۔پروفیسر عزیز الدین احمد کو نکالا گیا پھر شاہد حسین کو اسی لیسٹ میں میرا نام بھی شامل تھا۔اورینٹل کالج میں سجاد باقر رضوی اور عبادت بریلوی سخت مشکلات کا شکار رہے۔حالات سے بددل ہو کر میں جاپان چلا گیا۔''

جاپان میں اردو:۔ کے نام سے کتاب بھی جاپان میں ہی لکھی تھی۔اس کے علاوہ جاپانی ادیبوں اور شاعروں کو مضامین کے ذریعے متعارف کرواتے رہے۔ایک اور اہم کارنامہ جو جاپان میں قیام کے دوران ہی انجام دیا وہ اردو ادب کی تاریخ تھا۔۲۵ برس جاپان میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۰۰۵ء میں سبکدوش ہو کر واپس وطن پاکستان لوٹ آئے۔پاکستان آکر دوڈھائی سال ایجوکیشن یونیورسٹی سے منسلک رہے ۲۰۱۶ء تک وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔آج بھی ۸۰سال کی عمر میں بقید حیات ہیں اور اردو ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری اردو کے نقاد، ناول نگار، شاعر، ادبی مورخ اور محقق ہیں۔ان کی ادبی، تحقیقی اور تنقیدی کتب کی تعداد بیس سے زیادہ ہے۔یہاں ان کی تحقیقی کتب پر مختصر گفتگو کی جائے گی۔آب حیات (مرتب) اردو ادب کی تاریخ ابتداء تا ۱۸۵۷ء، ادبی تحقیق کے اصول، جاپان میں اردو، فسانہ آزاد ایک تنقیدی جائزہ وغیرہ ہیں۔

آب حیات:۔ آب حیات اردو کے مشہور شاعر و انشاء پرداز محمد حسین آزاد کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ جسے آزاد نے ۱۸۸۰ء میں شائع کیا تھا۔ یہ اردو کی اولین ادبی تاریخ بھی ہے اور اردو شعراء کا تذکرہ بھی ۔اس کتاب کو ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے جدید تحقیق کے مطابق مرتب کر کے ۱۹۷۰ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع کیا تھا۔اس کتاب کی ترتیب کے وقت آب حیات کے مختلف ایڈیشن صاحب مرتب کے سامنے تھے مگر متن کی بنیاد مروجہ ایڈیشن کو ہی بنایا گیا۔ کیونکہ اس میں آزاد نے اضافے کیے تھے۔آب حیات کی ترتیب کیوں کی گئی اس سلسلے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری خود رقمطراز ہیں:۔

''آب حیات کے زیر نظر نسخہ کی ترتیب اس نکتہ نظر سے کی گئی ہے کہ مروجہ نسخہ کے متن کے حواشی لکھے جائیں اور ان حواشی میں متن سے اختلافات کی وضاحت کی جائے۔''

(آب حیات،ص،)

فسانۂ آزاد۔ایک تنقیدی جائزہ:۔ فسانۂ آزاد رتن ناتھ سرشار کا ناول ہے اور رتن ناتھ کا شمار اردو کے ابتدائی ناول نگاروں میں کیا جاتا ہے۔سرشار کی زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں گذرا تھا۔ناول نگار،افسانہ نگار صحافی اور مترجم تھے۔فسانۂ آزاد شرشار کا شاہکار ناول ہے مگر اردو کے کچھ ناقدین نے اسے ناول ماننے سے انکار کیا ہے ۔اسی سلسلے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے فسانۂ آزاد ایک تنقیدی جائزہ کے عنوان نے کتاب لکھی ہے ۔اس کتاب میں موصوف نے فسانۂ آزاد پر مختلف زاویوں سے نگاہ ڈالنے کے بعد آخر میں ''کیا فسانۂ آزاد ناول ہے'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔جس میں وہ مختلف نقادوں کی آراء اور اپنے تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اسے محض اس بنا پر ناول نہ کہنا کہ اس کے پلاٹ میں ربط نہیں درست نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

''فسانۂ آزاد کو محض پلاٹ کی بنا پر رد کرنا درست نہیں ۔ یہ اردو ناول کا سرنامہ ہے اسے نئے فنی زاویوں سے ہی پرکھا جاسکتا ہے ۔آج فسانۂ آزاد پڑھتے ہوئے ناول کے روایتی اصولوں کو ایک طرف رکھ دینا ہوگا۔فنی اصول اپنے طور پر کچھ حقیقت نہیں رکھتے ۔ یہ نقادوں کے لئے ہوتے ہیں اور ہر بڑا فنکار جو کچھ لکھتا ہے وہی اصول بن جاتا ہے۔فسانہ آزاد کی

جو بھی تکنیک ہے اسے ہی اصول سمجھنا چاہئے۔ چونکہ یہ ایک عظیم تخلیقی ذہن کی پیدوار ہے۔''

(فسانۂ آزاد ایک تنقیدی جائزہ، ص،۱۲۰)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی یہ کتاب پاکستان سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی اور ۱۹۸۰ء میں ہندوستان سے اردو رائٹرس گلڈ، الہ آباد نے شائع کی تھی۔

ادبی تحقیق کے اصول:۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مقالات جو تحقیق سے متعلق ہے کا مجموعہ 'ادبی تحقیق کے اصول' کے نام سے مقتدرہ قومی زبان، اسلام اباد سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا تھا۔ اس میں شامل مطبوعہ مضامین ۸۱۔۱۹۸۰ء میں لکھے گئے اور مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے نو مضامین شامل ہیں۔ جدید اردو تحقیق افکار و سائل کے نام سے پہلا مضمون ہے جو تعارفی نوعیت کا ہے دوسرا مضمون تحقیقی مباحث کے نام سے ہے تیسرا تحقیقی موضوع کے انتخاب کا مسئلہ اسی طرح دیگر مضامین تحقیق کی تین اقسام، دستاویزی تحقیق، مفروضہ کیا ہے، مطالعہ احوال، سروے اور آخری مضمون حالہ نگاری کا حسن ہے۔ آخری تین مضامین مختصر ہیں۔ ادبی تحقیق کے اصول ایک اہم کتاب ہے۔ تحقیق کرنے والوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ اس کتاب میں ان تمام باتوں اور مراحل کے وضاحت کی گئی ہے جن سے ایک ادبی محقق کو گزرنا پڑتا ہے۔ یہ کتاب فن تحقیق کی روایت میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک:۔ اردو زبان و ادب کی بے شمار تاریخیں لکھیں گئیں ہیں کچھ مختصر ہیں اور بعض کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے بھی اردو ادب کی تاریخ لکھی ہے۔ جو ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک ہے یہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس تاریخ کو ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ۱۹ ابواب میں منقسم کیا ہے۔ اس ادبی تاریخ کو لکھنے کا کام جاپان میں قیام کے دوران شروع کیا تھا اور مکمل بھی وہیں رہ کر کیا تھا۔ اس کام کے دوران انہیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ظاہر سی بات ہے کہ اردو ادب کی تاریخ لکھنے بیٹھو اور وہ بھی جاپان میں مشکلات تو ہونگی ہی۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ

''جاپان میں رہتے ہوئے جب میں اس ادبی تاریخ کا خاکہ بنا کر ابتدائی طور پر کام شروع

کیا تو ابتداء میں بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ میں اس حقیقت کو محسوس کر کے چکرا گیا تھا کہ اوسا کا
میں میرے پاس دکنی ادب پر مواد موجود نہیں ہے۔ تاریخ کی کتابوں اور شعراء کے بنیادی
فنون کی عدم موجودگی میں یہ کام کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا۔ ایک مرحلہ پر جب میں تاریخ ادب
کے اس منصوبے سے مایوس ہو کر اسے ختم کرنے کا ارادہ کر رہا تھا اس وقت ایک شخص غیبی
امداد کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ میرے رفیق کار پروفیسر تا کا ہاشی تھے جب انھیں معلوم ہوا کہ
میں دکنی ادب کے مصادر کے باعث پریشان ہوں تو انھوں نے اپنے ذاتی ذخیرہ کتب سے
بہت سی اہم کتابوں کا ڈھیر میرے سامنے لگا دیا۔ میں بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر اس
ڈھیر کو دیکھ کر از بس مسرور ہوا اور یوں وہ منصوبہ جیسے میں ترک کرنے کا سوچ رہا تھا آہستہ
آہستہ پروان چڑھنے لگا۔''

(اردو ادب کی تاریخ، ص ١٦)

یہ حقیقت ہے کہ جب انسان دل سے کسی کام کا ارادہ کرنا چاہے تو کتنی بھی مشکلات کیوں نہ ہوں اللہ اس کے لئے آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ١٩٩٤ء میں ان کے چند طلبہ کی خواہش پر اس کام کو کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ دو برس مطالعے میں منصوبہ اور مواد اکھٹا کرنے میں صرف ہو گئے بالآخر ١٩٩٦ء میں اس کا خاکہ تیار کیا تھا۔ اس کے بعد پانچ برس منصوبے مطالعے اور کافی مشکلات میں گزرے تھے۔ مگر ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ہار نہیں مانی تھی اور اس کتاب کی پہلی جلد ٢٠٠٣ء میں تیار کر کے شائع کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ خود لکھتے ہیں کہ:۔

''چنانچہ ١٩٩٦ء کے لگ بھگ میں نے اردو ادب کی موجودہ تاریخ لکھنے کا منصوبہ بنایا۔ اس
کا خاکہ تیار کیا اور کام شروع کر دیا۔ اس کے بعد گذشتہ پانچ برس اسی منصوبے کی نظر ہو گئے
۔ بے شمار دشوار مراحل سے گزرنے کے بعد اردو ادب کی اس تاریخ کی جلد اول آپ کے
ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔''

(اردو ادب کی تاریخ، ص ١٥،)

دراصل ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے یہ کتاب جاپان کے اردو طالب علموں کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس کی جلد اول

۱۸۵۷ء تک کی تاریخ پر مبنی ہے دوسری جلد کا خاکہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تیار کیا ہوا ہے مواد بھی اکھٹا ہے جلد ہی تکمیل کے بعد منظر عام پر آنے کی امید ہے۔ یہ کتاب سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۳ء میں شائع کی۔ جاپان میں اردو بھی ان کی ایک اہم کتاب ہے۔ جو تحقیقی نوعیت کی ہے۔

☆ ۔**خواجہ محمد زکریا**:۔ خواجہ محمد زکریا پاکستانی پنجاب سے تعلق رکھنے والے اردو زبان و ادب کا کافی اہم نام ہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں امرتسر میں جنم لیا تھا۔ والد کا نام خواجہ غلام نبی تھا۔ خواجہ محمد زکریا نے اپنا بچپن امرتسر میں گزارا تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہی ہوئی والدہ جو کہ ایک استانی تھی نے گھر پر ہی پڑھایا اور پھر قریب کے ہی ایک پرائمری اسکول میں داخلہ کروادیا تھا۔ ابھی تیسری جماعت میں ہی تھے کہ تقسیم ہند کا المناک واقع پیش آیا۔ خواجہ محمد زکریا اپنے خاندان کے ساتھ ٹرین کے ذریعے پاکستان پہنچ گئے۔ لاہور کی گوال منڈی میں تین چار ماہ رہے جہاں امرتسر سے آنے والے مہاجرین ٹھہرے تھے۔ یہاں سے جھنگ چلے گئے۔ میٹرک تک کی تعلیم وہیں کے اسکولوں سے حاصل کی ۱۹۵۴ء میں میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے آنرز میں کیا تھا۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو کی ڈگری ۱۹۶۲ء میں حاصل کی تھی۔ ایم۔ اے کی تکمیل کے بعد ان کی علمی زندگی کا آغاز اردو لیکچرر کے طور پر گورنمنٹ کالج لاہور میں ہوا تھا۔ ۱۹۶۳ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے شعبۂ اردو میں تعینات ہوئے تھے۔ جہاں ۱۹۶۷ء تک غیر ملکی طلبہ کو اردو پڑھاتے رہے۔ ترقی کر کے اسی کالج کے شعبۂ اردو میں لیکچرر پھر ۱۹۷۰ء میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے تھے ہندی میں ڈپلومہ بھی کیا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ''اکبر الہ آبادی تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' کے موضوع ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔ ایک سال کے لئے بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں بھی اردو کی تدریسی خدمات انجام دی تھیں پھر سے اورینٹل کالج لاہور آ گئے اور ۱۹۸۴ء میں صدر شعبہ کی ذمہ داری سنبھال لی تھیں۔ ۱۹۹۴ء میں اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہے۔ ۱۹۹۵ء سے ۱۹۹۹ء تک جاپان میں رہے واپسی پر پھر اورینٹل کالج کے پرنسپل بنے ۲۲ مارچ ۲۰۰۰ء کو ۳۷ سالہ تدریسی فرائض انجام دے کر سبکدوش ہوئے تھے۔ تدریسی اور انتظامی فرائض نبھانے کے ساتھ ساتھ تحقیق وتصنیف میں بھی مشغول رہے۔ ایک سو سے زیادہ بچوں نے ایم۔ اے کی سطح پر پروفیسر خواجہ محمد زکریا کی نگرانی میں تحقیقی مقالات قلمبند کئے تھے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح پر بیس (۲۰) سے زائد اسکالروں نے ان

کی رہنمائی میں ڈاکٹریٹ کے لئے مقالے تحریر کیے ہیں۔ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا سے اردو کے لاتعداد طلبہ نے کسب فیض کیا اور آج پاکستان کے مختلف حصوں میں اردو کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔اس طرح آپ صرف استاد ہی نہیں بلکہ استادِ اساتذہ ہیں۔مارچ ۲۰۲۰ء آپ نے کی عمر کے ۸۰ سال مکمل کر لیے ہیں ہ اور آپ اس وقت لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اردو زبان کے نامور شاعر،نقاد،مدرس،محقق اور ماہر اقبالیات ہیں۔خواجہ محمد زکریا کثیر التصانیف ہیں۔لیکن یہاں صرف ان کی تحقیقی کتابوں کا سرسری ذکر کروں گا۔ان کی تحقیقی کتب میں اردو کی قدیم اصناف شعر ۱۹۶۵ء،اردو میں قطعہ نگاری ۱۹۷۵ء،اکبرالہ آبادی تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ۱۹۸۰ء۔ان کی ترتیب دی گئی کتابوں میں کلیات مجید امجدؔ،کلیات حفیظؔ جالندھری،کلیات عدمؔ وغیرہ ہیں۔ان کا اہم کارنامہ مختصر تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند ہے۔خواجہ محمد زکریا کی چند تحقیقی کتب کا اختصار کے ساتھ تعارف کروں گا۔

اکبرالہ آبادی: تحقیقی وتنقیدی مطالعہ:۔لسان العصر اکبرالہ آبادی اردو شاعری خصوصاً اردو نظم نگاری کا ایک بہت بڑا اور معتبر نام ہے۔خواجہ محمد زکریا کی یہ کتاب ان کے پی۔ایچ۔ڈی کے لئے لکھا گیا مقالہ کی مطبوعہ شکل ہے۔اس کتاب سے پہلے اکبرالہ آبادی پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا اور اب بھی لکھا جا رہا ہے مگر تحقیق حرف آخر نہیں لہٰذا خواجہ محمد زکریا نے بھی اکبریات کے سلسلے میں تحقیق کی اور کافی اختلافات کو دور بھی کیا ہے۔خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں کہ:

> ''اکبریات کے تحقیقی پہلو بھی کچھ کم الجھن کا باعث نہیں تھے۔تاریخ پیدائش ملازمت ،ریٹائرمنٹ ،خطاب خان بہادر غرض اس طرح کی کئی سوانحی تفصیلات اختلافات کا شکا رتھیں۔ان تمام تناقصات کو دور کرنے کی حتی المقدور سعی کی گئی ہے۔''

(اکبرالہ آبادی تحقیقی وتنقیدی مطالعہ،ص،۹)

خواجہ محمد زکریا نے اس کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور آخر میں پانچ ضمیمے بھی شامل کئے ہیں۔پہلا باب حالات زندگی ،دوسرا باب سیاسی اور سماجی پس منظر ،تیسرا باب اکبر کے افکار،چوتھا باب شاعری کے اسالیب،پانچواں باب اصناف سخن،چھٹا باب نثر نگاری ہے۔اس کتاب کو پہلی بار مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۸۰ء میں

شائع کیا تھا۔اسی سال اس کتاب پر داؤد ادبی انعام برائے تحقیق وتنقید بھی دیا گیا تھا۔ پہلے ایڈیشن میں کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں۔اس کا دوسرا ایڈیشن سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ان اغلاط کی تصحیح کیے بغیر ہی شائع کر دیا تھا۔اس کا تیسرا ایڈیشن جو سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ہی ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ان تمام اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے جو پہلے ایڈیشنوں میں راہ پا گئی تھیں اور اس کی ضخامت کو بھی کسی حد تک کم کر دیا گیا ہے۔خواجہ محمد زکریا کا اکبریات کے سلسلے میں یہ ایک بڑا اور اہم کام ہے۔

کلیات حفیظؔ جالندھری:۔ حفیظ جالندھری بیسویں صدی کے اردو کے بڑے شاعر تھے۔۱۴ جنوری ۱۹۰۰ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے تھے۔۱۱ برس کی عمر میں شاعری شروع کر دی تھی۔فارسی شاعر گرامی جالندھری کی شاگردگی اختیار کی اور ۱۹۸۲ء میں اس عظیم شاعر کا انتقال ہو گیا تھا۔حفیظؔ نے غزلوں،نظموں گیتوں اور مختلف شعری اصناف کے چار مجموعے اہل اردو کے لئے یادگار چھوڑے ہیں اس کے علاوہ شاہنامہ اسلام اور بچوں کے لئے لکھی گئی نظموں کے چار مجموعے بھی ان کی تصانیف میں شامل ہیں۔حفیظؔ کی وفات کے بعد خواجہ محمد زکریا نے ان کے کلام کو یکجا کر کے کلیات کی شکل میں ترتیب دینے کی کوشش کی تھی۔حفیظؔ کے کلام کو دو جلدوں میں شائع کرنے کا منصوبہ خواجہ محمد زکریا نے بنایا تھا۔پہلی جلد میں ان کے چاروں شعری مجموعوں کو شامل کیا اور شائع کر دیا دوسری جلد میں بچوں کے لئے لکھی گئی نظمیں اور 'رزم نہیں بزم' کے علاوہ 'ہندوستان ہمارا' کو شامل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ابھی تک میری نظر سے نہیں گزری ہے شائد دوسری جلد شائع ہوئی ہو گی۔شاہ نامہ اسلام کو ان دونوں جلدوں میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔اگر اسے شائع کیا تو کلیات کی تیسری جلد ہو گی۔خواجہ محمد زکریا اس سے ترتیب دیا اور فرید بک ڈپو (پرائیوٹ) لمیٹڈ دلی نے اس ۲۰۰۸ء میں شائع کیا تھا۔خواجہ محمد زکریا اس کلیات میں طویل مقدمہ بھی لکھا ہے۔

کلیات مجید امجد:۔ مجید امجد ۱۹۱۴ء میں پاکستان میں پیدا ہوئے۔ان کا شمار پاکستان کے مشہور اردو شاعروں میں ہوتا ہے۔انھوں نے غزلیں اور نظمیں لکھی ہیں۔بنیادی طور پر وہ نظم کے شاعر تھے۔ان کی زندگی میں صرف ایک ہی شعری مجموعہ ''روز رفتہ'' کے نام سے ۱۹۵۸ء میں نیا ادارہ لاہور سے شائع ہوا۔خواجہ محمد زکریا نے مجید امجد کی وفات کے بعد کافی تلاش وتحقیق کر کے ان کے کلام کو یکجا کیا اور کلیات کی شکل میں شائع کیا تھا۔کلیات مجید امجد کو خواجہ محمد زکریا نے

مختلف عنوانات کے تحت چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ پہلا حصہ شبِ رفتہ ہے جس میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۸ء تک کا کلام شامل ہے۔ دوسرا حصہ روز رفتہ کے نام سے ہے اور اس میں ۱۹۳۲ء تا ۱۹۵۸ء تک کا کلام شامل ہے۔ اس حصے میں وہ کلام شامل ہے جو مجید امجد نے اپنے پہلے مجموعے میں شب رفتہ میں شامل نہیں کیا تھا۔ تیسرا حصہ امروز کے نام سے ہے اس میں ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۸ء تک کا سارا کلام شامل ہے۔ چوتھا اور آخری حصہ فردا کے نام سے ہے اور اس ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۴ء تک کا کلام شامل ہے۔ اس کلیات کو تاریخی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ ہر غزل اور نظم کے آخر میں اس کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ خواجہ محمد زکریا کی مرتب کردہ کلیات مجید امجد ۲۰۱۱ء میں فرید بک ڈپو (پرائیوٹ) لمیٹڈ نئی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

مختصر تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند:۔ خواجہ محمد زکریا کو یہ وصف حاصل ہے کہ جس بھی موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس کا مکمل حق ادا کر دیا ہے۔ یہ کتاب ان کی علمی اور تحقیقی خدمات کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ ان کی اکیس ابواب پر مشتمل ۱۲۰۰ صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس میں سیاسی و سماجی اور تہذیبی پس منظر، اردو زبان کی ابتداء کے متعلق نظریات، مختلف اصناف ادب، دکن میں اردو، شمالی ہند میں اردو اسی طرح دیگر مختلف علاقوں میں اردو، اردو نثر، ناول نگاری، اردو کے چند نثر نگار اور کچھ بڑے شعراء سرسید، غالبؔ، حالیؔ، ڈپٹی نذیر احمد، مومنؔ، اکبر الہ آبادیؔ، اقبالؔ، ہادی رسواؔ اور شبلی نعمانیؔ وغیرہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اس تاریخی کتاب کا انتساب پاکستان و ہند کی اسلامی تہذیب کے نام ہے۔ اس کتاب کی اشاعت اول ۲۰۱۶ء میں ہوئی تھی۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی لاہور نے شائع کی ہے۔

☆ ۔**سید معین الرحمٰن:۔** اردو ادب میں سید معین الرحمٰن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ آپ کی پیدائش مشرقی پنجاب کی ریاست بٹھنڈہ میں ۵ نومبر ۱۹۴۲ء میں ہوئی تھی۔ والد کا نام سید امین الرحمٰن تھا۔ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے وقت بٹھنڈہ سے ہجرت کر کے ان کا خاندان بہاول پور چلا گیا تھا اور وہیں بہاول نگر میں رہنے لگے۔ بہاول نگر کے مختلف سرکاری اسکولوں سے انٹرمیڈیٹ تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ مزید تعلیم کے لے بڑے بھائی کے ہمراہ کراچی چلے گئے تھے۔ اردو کالج کراچی سے بی۔اے اور ایل۔بی کی ڈگریاں حاصل کیں مزید تعلیمی

سلسلے کورواں رکھتے ہوئے کراچی یونیورسٹی، کراچی سے ۱۹۶۴ء میں ایم۔اے اردو کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۱۹۷۲ء میں پی۔ایچ۔ڈی اردو کی ڈگری سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سے حاصل کی تھی۔ایم۔اے کے بعد ان کی عملی زندگی کا آغاز گورنمنٹ کالج بہاول پور کے شعبۂ اردو میں بطور لیکچرر کے ہوا لیکن یہ عارضی طور پر تعیناتی ہوئی تھی۔۶۵۔۱۹۶۴ء یعنی ایک سال تک اس کالج میں رہے اس کے بعد ۶۶۔۱۹۶۵ء میں عارضی طور پر ہی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے شعبۂ اردو میں بطور لیکچرر خدمات انجام دیتے رہے۔اس کے بعد ان کی مستقل تقرری ایف سی کالج لاہور کے شعبۂ اردو میں بطور لیکچرر کے ہوئی۔جہاں ۱۹۶۷ء سے جنوری ۱۹۷۴ء تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔اسی دوران سید معین الرحمٰن نے ایک کتاب اشاریہ غالب اور غالبؔ پر پی۔ایچ ڈی کی سند بھی حاصل کرلی تھی۔جنوری ۱۹۷۴ء میں فیصل آباد میں گورنمنٹ کالج (لائل پور) میں پروفیسر وصدر شعبہ اردو تعینات ہوئے۔جہاں ۱۹۸۱ء تک تدریسی وتنظیمی خدمات انجام دیتے رہے۔۱۹۸۱ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں چلے گئے اور اس بار عارضی لیکچرر نہیں بلکہ صدر شعبہ کی حیثیت سے گئے تھے۔اردو شعبہ کے صدر کے ساتھ ساتھ صدر شعبہ پنجابی بھی رہے اور کافی ریسرچ اسکالرز کو ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کے لیے مقالات لکھوائے ہیں۔پروفیسر سید معین الرحمٰن نے ۳۷ برس تدریسی خدمات مختلف کالجوں میں انجام دی تھیں۔گونمنٹ کالج لائل پور میں ۲۲ برس یہ خدمات انجام دینے کے بعد ۲ نومبر ۲۰۰۲ء کو اسی کالج سے سبکدوش ہوئے تھے۔

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن اردو زبان کے نامور ادیب، نقاد، محقق اور پروفیسر تھے۔آپ کثیر التصانیف مصنف تھے۔آپ کا شمار ماہرین غالبیات اور ماہرین اقبالیات میں ہوتا ہے اور اسی حوالے سے آپ شہرت بھی رکھتے تھے۔آپ نے بے شمار تحقیقی وتنقیدی کتب لکھی ہیں اور ترتیب بھی دی ہیں۔یہاں چند تحقیقی کتب کا ذکر کروں گا اور ان کا مختصر تعارف بھی کرنے کی کوشش کروں گا۔ان کی چند تحقیقی کتب جو میری نظروں سے گزری ہیں ان میں غالبؔ اور انقلاب ستاون (۱۹۴۷) بابائے اردو احوال وافکار (۱۹۷۶) اقبال کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ۱۹۷۷ء فرمودات، عبدالحق ۱۹۷۸ء مطالعہ یلدرم ۱۹۷۱ء تحقیق غالبؔ ۱۹۸۱ء ذکر عبدالحق ۱۹۷۵ء یونیورسٹی میں اردو تحقیق ۱۹۸۹ء غالبؔ کا علمی سرمایہ ۱۹۸۹ء جہان اقبال ۱۹۹۷ء دیوان غالب ۲۰۰۰ء مرتب کی گئی کتابوں میں آپ بیتی رشید احمد صدیقی ۱۹۷۷ء

اقبالیات کا مطالعہ ۱۹۷۷ء فورٹ ولیم کالج تحریک اور تاریخ ۱۹۸۶ء نقد عبدالحق ۱۹۶۹ء اردو ڈراما تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ ۱۹۹۶ کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے ترتیب دے کر شائع کی گئی ہیں۔ اب ان میں سے چند کتابوں کا تعارف پیش کروں گا۔

بابائے اردو احوال و آثار:۔ بابائے اردو کی شخصیت، نام اور کام کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی اردو ہے سبھی آب کے کام اور نام سے واقف ہی نہیں بلکہ ان کے دلوں میں آپ کا احترام اور محبت ہے۔ مولوی عبدالحق ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۹۱ برس کی عمر میں ۱۹۶۱ء میں اس دنیا سے کوچ کر کے فردوس نشین ہو گئے۔ آپ نے تمام عمر اردو ادب کی خدمت کی اور بابائے اردو کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے اس دنیا میں رہتے ہوئے اور کوچ کر جانے کے بعد آپ کے چاہنے والے آپ کی شخصیت اور فن کے بارے میں وقتاً فوقتاً لکھتے رہے۔ بابائے اردو احوال و افکار بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ سید معین الرحمٰن کو مولوی عبدالحق سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کی وفات کے بعد بابائے اردو احوال و افکار کے نام سے زیر نظر کتاب ترتیب دی گئی تھی۔ اس کتاب میں ۱۹۳۰ء سے ان کی وفات تک ان کی سوانح کے متعلق مختلف اخبارات اور رسائل میں چھپنے والی تحریریں جمع کی گئی ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں پہلی بار یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ اسے ترتیب دیتے وقت موضوعات کو تسلسل کے ساتھ یکجا کیا گیا تھا اور چھ حصوں میں تقسیم بھی کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ حیات و مقصد حیات جس میں مختلف مقالہ نگاروں کے ان کی حیات کے متعلق مقالات ہیں۔ دوسرا حصہ ان کی سیرت و شخصیت ہے، تیسرے حصے میں ان کے خاکوں، مرقعوں اور ان کے مضامین کے بارے میں مقالات ہیں، چوتھے حصے میں شامل مضامین مولوی صاحب کے فن کے بارے میں ہیں۔ پانچویں حصے میں مولوی صاحب کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور آخری حصے میں مولوی صاحب کے متعلق مشاہیر کی آراء شامل ہیں۔ اس کے بعد مولوی عبدالحق کی آپ بیتی کو بھی اسی کتاب میں شامل کر کے اس کا مرتبہ مزید بڑھا دیا ہے ۔ آخر میں اشاریۂ کتاب شامل ہے۔ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن لکھتے ہیں کہ:۔

> ''بابائے اردو کے احوال و افکار کا یہ جائزہ مولوی صاحب کی زندگی میں مطبوعہ رسائل کے مواد سے مرتب اور ملخص کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کے آخر میں اس کا حوالہ درج کیا گیا ہے۔

اس طرح ۱۹۳۰ء سے ۱۹۶۱ء تک کے دوران مولوی صاحب کے متعلق چھپنے والے پانچ
خاص نمبر جواب عام طور سے دستیاب نہیں ہوتے ضروری تفصیلات کے ساتھ اس جائزہ میں
سمیٹ آئے ہیں۔''

(بابائے اردو احوال وافکار، ص، ۱۸)

یہ کتاب سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ سید معین الرحمٰن نے عبدالحق مرحوم کے بارے میں ''فرمودات عبدالحق'' اور ''نقد عبدالحق'' کے نام سے کتابیں مرتب کیں تھی۔ جنھیں نذر سنز لاہور نے شائع کی تھا۔ مولوی عبدالحق کے متعلق ان کی تحقیقات اور تصنیفات کافی اہم ہیں۔

تحقیقِ غالب:۔ غالبؔ کا شمار اردو کے ان ادیبوں اور شاعروں میں جنہوں نے اپنی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی بہت شہرت پائی۔ سید معین الرحمٰن کا شمار ماہرین غالبیات میں ہوتا ہے۔ غالبیات کے سلسلے میں بھی ان کی کافی کتابیں شائع ہوئی ہیں زیر بحث کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں غالبؔ سے متعلق دس طویل مقالات شامل ہیں ان مقالات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ فکر وخیال کے عنوان سے ہے جس میں دو مقالات شامل ہیں۔ دوسرے حصہ دید و دریافت کے عنوان سے ہے جس میں تین مقالات شامل ہیں۔ آخری حصہ تلاش وتعین کے نام ہے اور اس میں پانچ مقالات شامل ہیں۔ سید معین الرحمٰن کے یہ مقالے غالبؔ سے متعلق ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۹ء تک مختلف رسائل میں شائع ہوئے تھے اور ۱۹۸۱ء میں انہیں مرتب کر کے کتابی شکل میں اردو اکیڈمی سندھ کراچی سے شائع کیا تھا۔ غالبیات سے متعلق ان کی دوسری کتابیں اشاریہ غالبؔ ۱۹۶۹ء، غالبیات اور انقلاب ستاون تیسری مرتبہ ۱۹۸۸ء، دیوان غالبؔ ترتیب ۱۹۷۶ء، جاگیر غالبؔ ۱۹۸۹ء، غالبؔ کا علمی سرمایہ ۱۹۸۹ء، نقوش غالبؔ ۱۹۹۵ء، غالبیات کا تحقیقی مطالعہ اور بازیافت غالبؔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید معین الرحمٰن نے غالبیات کے سلسلے میں کس قدر اضافے کیے گئے ہیں۔

جہانِ اقبال:۔ علامہ اقبالؔ کا شمار بیسویں صدی کے بڑے شاعر کے طور کیا جاتا ہے۔ وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ بڑے عالم، مفکر، فلسفی اور مفسر ومترجم بھی تھے۔ اقبالؔ کے متعلق تحقیق وتنقید کرنے والوں کو ماہرین اقبالیات کہا جاتا

ہے۔سید معین الرحمٰن کا شمار بھی ماہرین اقبالیات میں ہوتا ہے۔ جہان اقبالؔ اسی سلسلے میں لکھی گئی ہے یہ کتاب ۱۹۹۷ء میں اقبال اکیڈمی لاہور پاکستان سے شائع کی گئی ہے۔اس کتاب کو سید معین الرحمٰن نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں آٹھ مقالات ہیں جبکہ دوسرے حصے میں نو مقالات ہیں اس طرح یہ کتاب کل سترہ مقالات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کے پہلے حصے میں پاکستان کی یونیورسٹیوں میں جو اقبالؔ پر تحقیقی کام ہوئے ہیں ان کا جائزہ لیا گیا ہے جبکہ دوسرے حصے میں سید معین الرحمٰن نے کچھ تعارفی مقالات ہیں اور کچھ ماہرین اقبالیات کے متعلق ہیں۔اقبالیات کے متعلق سید معین الرحمٰن کی دوسری کتابیں جامعات میں اقبالیات کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ ۱۹۷۷ء، اقبالیات کا مطالعہ مرتب ۱۹۷۷ء وغیرہ ہیں۔

مندرجہ بالا تین شخصیات کے علاوہ بھی ان کی تحقیقات ہیں۔

مطالعۂ یلدرم:۔سجاد حیدر یلدرمؔ اردو ادب میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں اور کسی قسم کے تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔سید معین الرحمٰن نے مطالعۂ یلدرم کے عنوان سے کتاب ۱۹۷۱ء میں مکمل کر کے نذر سنز لاہور سے شائع کرائی تھی۔زیر بحث کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ میں یلدرم کی افسانہ نگاری پر بحث کی ہے۔دوسرا حصہ انشاء پرداز یلدرم اور آخری حصہ نادراتِ یلدرم کے عنوان سے ہے۔

یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق:۔یہ کتاب سید معین الرحمٰن کے پانچ مقالات پر مبنی ہے۔اس کتاب میں اردو میں ڈاکٹریٹ کی اولین اسناد کے عنوان سے پہلا مقالہ ہے جس میں یہ بحث کی گئی ہے کہ اردو میں ڈاکٹریت کی پہلی ڈگری کس کو ملی اور کس یونیورسٹی سے ڈگری تفویض کی گئی ہے۔دوسرا مقالہ یونیورسٹیوں مطالعہ اقبال کے چالیس سال کے عنوان سے ہے۔۱۹۷۷ء تک یونیورسٹیوں میں جو علامہ اقبالؔ پر تحقیقی کام ہوئے ان کا ذکر ہے۔اس کے بعد یونیورسٹیوں میں مطالعہ اقبال کے دس سال یہ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۸ء تک کے کام مشتمل ہے۔ پاکستانی یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق کے چالیس سال اس مقالہ میں قیام پاکستان سے ۱۹۸۸ء تک یونیورسٹیوں میں جو اردو تحقیق کا کام ہوا اسے زیر مطالعہ لایا گیا ہے۔آخر میں تحقیق کے لئے موضوع کا انتخاب کے عنوان سے مقالہ ہے۔ یہ کتاب یونیورسل بک لاہور سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ان تحقیقات کے علاوہ پروفیسر سید معین الرحمٰن نے سید وقار عظیم جو اردو کے ایک

بڑے ناقد گزرے ہیں ان کی کتابوں کو مرتب کر کے بھی شائع کیا ہے۔ڈاکٹر سید معین الرحمٰن اپنی تحقیقی، تدریسی اور صحافتی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۵اگست ۲۰۰۵ء۶۳ برس کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ان کے جسد خاکی کو میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں دفنایا گیا تھا۔

☆۔**ڈاکٹر انور سدید**:۔انور سدید اردو زبان و ادب کا ایک بڑا اور اہم نام ہے۔اہل اردو جسے انور سدید کے نام سے جانتے ہیں ان کا اصلی نام محمد انور الدین تھا۔ان کے والد کا نام مولوی امام الدین تھا اور والدہ کا نام صالحہ خاتون تھا۔انور سدید ۱۹۲۸ء میں سرگودھا متحدہ پنجاب میں پیدا ہوئے تھے۔انور سدید نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کی تھی۔میٹرک تک سرگودھا اور ڈیرہ غازی خان کے مختلف اسکولوں میں زیر تعلیم رہے تھے۔اس کے بعد اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۴۸ء میں سول انجینئر نگ کا امتحان اچھے نمبرات کے ساتھ پاس کیا اور ملازمت بھی اختیار کر لی تھی۔دوران ملازمت ہی ادیب اور فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا تھا۔اس کے بعد بی۔اے انگریزی میں اور ایم۔اے اردو میں پرائیوٹ طور پر کیا تھا۔ایم۔اے کے بعد ڈاکٹر وزیر آغا کے مشورے پر'اردو کی ادبی تحریکیں' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی سند حاصل کی تھی۔اپنی عملی زندگی کا آغاز کلرک کے طور پر کیا تھا اور ترقی کرتے رہے اور مختلف عہدوں پر فائز ہونے کے بعد آخر کار ایگزیکٹو انجینئر کے عہدے سے ۱۹۸۸ء میں ریٹائر منٹ لی تھی۔

ملازمت سے سبکدوش ہوتے ہی اردو صحافت میں قدم رکھا تھا۔اس سے قبل بھی بطور کالم نگار اور 'اردو زبان' ماہنامہ کے مدیر کی حیثیت سے شہرت پا چکے تھے۔سبکدوشی کے بعد 'قومی ڈائجسٹ' کے مدیر مقرر ہوئے تھے۔۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۵ تک اس میں کام کیا تھا۔اس کے بعد اخبار 'خبریں' میں ڈپٹی ایڈیٹر رہے تھے۔تین سال اس سے وابستہ رہے تھے۔۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۵ء تک نوائے وقت کے ساتھ منسلک رہے اور پھر ریٹائر منٹ لے لی تھی۔مگر یہ ریٹائر منٹ صرف دفتر سے ہی تھی۔عمر کے آخری لمحات تک اس اخبار سے وابستہ رہے اور نوائے وقت کے لئے گھر سے ہی کام کرتے رہے تھے۔ڈاکٹر انور سدید نے سال ۲۰۰۳ء میں ایک ہی سال میں ۲۲۵ کتابوں پر تبصرے لکھے جو کہ ایک بڑا ریکارڈ ہے جسے توڑنا مشکل ہے۔۲۰ مارچ ۲۰۱۶ء کو ۸۸ سال کی عمر پا کر یہ عظیم محقق، ناقد، صحافی شاعر اور نہ جانے کیا

کچھ اہل اردو کے لئے اپنی بہت سی کتابیں یادگار چھوڑ کر اس دنیا کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

ڈھونڈ اپنا آشیانہ آسمانوں سے پرے   یہ زمین تو ہوگئی نامہربان انور سدید

ڈاکٹر انور سدید اردو کے نامور نقاد، شاعر، صحافی، افسانہ نگار، کالم نگار، محقق اور نہ جانے کیا کیا فن اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھے۔ آپ کی تصانیف کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جو آپ کی ۸۸ سالہ زندگی کی محنت پر مشتمل ہے یہاں انور سدید کی چند تحقیقی کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔ انکی تحقیقی کتب میں ڈاکٹر وزیر آغا: ایک مطالعہ ۱۹۸۳ء، اردو ادب کی تحریکیں ۱۹۸۵ء، اقبال کے کلاسیکی نقوش ۱۹۸۸ء، اردو افسانے کی کروٹیں، مولانا صلاح الدین: ایک مطالعہ ۱۹۸۹ء، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ ۱۹۹۲ء اردو افسانے میں دیہات کی پیش کش وغیرہ اردو ادب کی مختصر تاریخ وغیرہ ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا: ایک مطالعہ:۔ وزیر آغا پنجاب میں پیدا ہونے والے اردو کے ایک ادیب، شاعر، ناقد محقق اور صحافی تھے۔ انور سدید کو وزیر آغا سے حد درجہ عقیدت تھی۔ اسی عقیدت و احترام کا ثبوت اس کتاب کے ذریعے پیش کیا۔ انور سدید لکھتے ہیں کہ

> ''اگر مجھ سے دریافت کیا جائے کہ میری ادبی زندگی پر سب سے زیادہ اثر کس نے ڈالا ہے تو
> میں بے توقف ایک نام لوں گا۔۔۔ ڈاکٹر وزیر آغا''

(ڈاکٹر وزیر آغا، ص، ۷)

اس کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے تخلیقی زاویے، تجزیاتی زاویے، تنقیدی زاویے، صحافی زاویے، شخصی زاویے حاصل مطالعہ کے تحت اردو ادب میں وزیر آغا مقام کے عنوان سے ایک طویل مضمون شامل ہے۔ آخری باب میں وزیر آغا کی غزلوں، انشائیوں اور نظموں کا انتخاب ہے۔ اس کتاب میں وزیر آغا کی شخصیت کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ اس کتاب صرف ان کے فن کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ شخصیت کو اس کتاب میں نہ شامل کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے انور سدید یوں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اس کتاب میں ان کی شخصیت پر کوئی مضمون شامل نہیں کیا گیا۔ وجہ یہ کہ وزیر آغا کا ادب ہی

ان کی شخصیت ہے ۔اور یوں بھی بعض انا پرست ادباء کی طرح وزیر آغا نے اپنے اوپر
شخصیت کا بوجھ لادنے اور عظمت تاج زر پہنے کی کبھی خواہش نہیں کی ۔''

(وزیر آغا ایک مطالعہ،ص ،۱۱)

اس کتاب کی تکمیل میں چھ سال کا وقت لگ گیا تھا آخر کار یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں مکتبہ اسلوب کراچی سے شائع ہوکر منظر عام پر آئی۔

اردو ادب کی تحریکیں:۔ اردو کی ابتداء سے لیکر دور حاضر تک بے شمار تحریکات نے وقتاً فوقتاً جنم لیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم بھی ہوگئی ہیں ۔انور سدید نے اردو کی ابتداء سے لیکر ۱۹۷۵ء تک کی تمام تحریکات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا تھا۔زیر بحث کتاب انور سدید کے پی ایچ ۔ڈی۔کی ڈگری کے لئے لکھے گئے تحقیقی مقالے کی مطبوعہ شکل ہے ۔زیر بحث کتاب کو انور سدید نے بارہ ابواب پر منقسم کیا ہے ۔پہلے باب میں تحریک کی تعریف اور اس کے عوامل کیا ہوتے ہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔دوسرے باب میں ریختہ کی دو تحریکوں کا ذکر ہے ۔تیسرے باب میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی لسانی تحریکوں کا ذکر ہے ۔اس کے بعد فورٹ ولیم کی تحریک علی گڑھ تحریک ،انجمن پنجاب کی تحریک،اقبال کی تحریک ،رومانی تحریک ،ترقی پسند تحریک ،حلقہ ارباب ذوق کی تحریک،تحریک ادب اسلامی۔آخری اور بارہواں باب پاکستان میں اردو ادب کی دو تحریکیں کی عنوان سے شامل ہے ۔اردو کی بہت ہی اہم کتاب ہے اس میں اردو ادب کی تمام تحریکات کو سمیٹا گیا ہے ۔اگر اسے اردو کی ادبی تحریکات کی تاریخ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔اس کتاب کی اہمیت وافادیت سے کسی کو بھی انکار نہیں اسے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے شعبۂ اردو کے نصاب میں بھی شامل کیا گیا ہے اور اس کے کئی ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں ۔اس سلسلے میں جمیل الدین عالمی لکھتے ہیں کہ:۔

''یہ زیر نظر کتاب کی مقبولیت اور اہمیت کا صرف یہی ثبوت سامنے نہیں کہ بارہ برس میں
تیسری بار چھپ رہی ہے بلکہ یہ بتانا دینا بھی ضروری ہے کہ اسے تمام جامعات میں جہاں
ادب اردو کا شعبہ ہے ایک غیر رسمی نصاب کی حیثیت حاصل ہوچکی ہے۔''

(اردو ادب کی تحریکیں،ص ،۱۲)

یہ کتاب ۲۰۰۴ء میں کتابی دنیا دہلی سے چھپ کر منظر عام پر آئی تھی۔اس سے قبل بھی یہ ۱۹۸۳ءاور ۱۹۸۵ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی تھی۔

اقبال شناسی اور ادبی دنیا:۔ اقبالؔ اردو زبان کے بڑے شاعر، ادیب، فلسفی اور عالم و فاضل تھے صرف اہل اردو نہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی آپ کے کلام کو پڑھتے ہیں اور نئے نئے معنی تلاش کرتے ہیں اور انہیں اپنی عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔زیر بحث کتاب انور سدید کی مرتب کردہ ہے۔یہ کتاب آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر فصل میں عنوان کے متعلق مقالات کو شامل کیا گیا ہے۔فصلوں کے عنوان کچھ یوں ہیں فلسفۂ اقبال، شعر اقبال، استاتذۂ اقبال، خطوط اقبال، بزم اقبال، تاثرات نو وادرات اور آخر میں کتابیات دی گئی ہے۔اس کتاب میں بیس مقالہ نگاروں کے مقالات اور نوادرات میں اقبال کی تقریر اوران کا ایک نشریہ کے علاوہ 'ادبی دنیا' کا اقبال کی وفات تعزیتی اداریہ بھی شامل ہے۔اقبال شناسی کے سلسلے میں کافی اہم کتاب اس میں شامل کچھ مقالات اقبال کی زندگی میں ہی 'ادبی دنیا' لاہور میں شائع ہوئے تھے۔بزم اقبال لاہور نے انور سدید مرتب کردہ یہ کتاب ۱۹۸۸ء میں شائع کی تھی۔

اقبال کے کلاسیکی نقوش:۔ علامہ اقبالؔ نہ صرف اردو دنیا بلکہ ہماری ملی، فکری اور ادبی دنیا میں بھی بلند و بالا مرتبہ مقام رکھتے ہیں۔ماہرین اقبالیات کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے علامہ اقبال کی شاعری اور شخصیت کے مختلف گوشوں کو بروئے کار لایا گیا ہے۔انور سدید نے علامہ اقبالؔ کا کافی مطالعہ کیا تھا۔صرف انور سدید ہی نہیں بلکہ ان کے والد بھی کلام اقبال اور کلامِ رومی پڑھا کرتے تھے۔زیر بحث کتاب اقبال کے کلاسیکی نقوش ان کے اسی مطالعے کا نتیجہ ہے۔اس کتاب میں انور سدید کے پانچ مقالات شامل ہیں۔اقبالؔ کی تحریک، رومانیت، مخزن اور اقبال، اقبال کے کلاسیکی نقوش، اقبال کی عبوری دور کی غزل اور آخری مقالہ اقبال کا تصور حیات و مرگ۔علامہ اقبال صرف ایک شخص و شاعر نہیں تھے بلکہ ایک انجمن تھے اور ایک فعال تحریک بھی۔یہ کتاب علامہ اقبالؔ کی شاعری اور ان کے افکار کی افہام و تفہیم کو سمجھنے میں کافی اہم ہے۔یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۷۲ء میں مکتبہ عالیہ لاہور سے شائع ہوئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن اقبال اکادمی لاہور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا تھا۔

مولانا صلاح الدین ایک مطالعہ:۔ مولانا صلاح الدین احمد ۱۹۰۲ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اردو کے

ایک مشہور نثر نگار تھے۔مولانا اردو سے بے لوث محبت رکھنے والے انسان اور محسن اردو تھے۔بابائے اردو مولوی عبدالحق کے بعد اگر کسی نے اردو کی بے لوث خدمت کی تو وہ مولانا صلاح الدین احمد ہی ہیں۔مولانا صلاح الدین احمد کو پنجاب کا بابائے اردو بھی کہا جاتا ہے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:۔

> ''شیخ عبدالقادر اور مولانا صلاح الدین احمد پنجاب کے دو نامور نثر نگار تھے۔خطہٗ پنجاب کی خاک سے موجود صدی میں بڑے بڑے شاعر تو لاتعداد اٹھے مگر اچھی نثر لکھنے والے نسبتاً کم ہی پیدا ہوئے جن حضرات نے نثر کی بیش بہا خدمات انجام دیں ان میں پہلا نام سر شیخ عبدالقادر کا ہے دوسرا مولانا صلاح الدین احمد کا۔''

(مولانا صلاح الدین احمد ایک مطالعہ،ص ۴)

اس کتاب میں انور سدید نے مولانا صلاح الدین احمد کی سوانح و شخصیت ،ادبی صحافت ،تنقید ،تبصرے ،اسلوب ،طنز و مزاح ،تراجم ،خطوط اور ریڈیائی تقاریر وغیرہ غرض مولانا کی زندگی نظریہ فن اور ان کے ادبی کارناموں کو منظر عام پر لانے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔انور سدید کی یہ کتاب مقالات کا مجموعہ ہے اور ایک مربوط کتاب بھی اس میں مقالات کو ایسے ترتیب سے مرتب کیا ہے کہ تسلسل قائم ہوگیا ہے۔اس کے شائع ہونے کے بعد مولانا صلاح الدین احمد پر جو بھی تحقیقی کام ہوئے ہیں ان میں مذکورہ کتاب کو ہی بنیاد بنایا جا تا رہا ہے۔زیر بحث کتاب کو اکیڈمی ادبیاتِ پاکستان نے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا تھا۔

اردو افسانے کی کروٹیں:۔افسانہ اردو کی نثری اصناف میں ایک مقبول صنف سخن ہے۔اس کا آغاز بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ہوا تھا۔اردو افسانے کی کروٹیں انور سدید کے افسانے اور اردو افسانہ نگاروں کے متعلق تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔اس میں بارہ مقالات شامل ہیں۔ان مقالات میں اردو افسانے کے آغاز و ارتقاء کے علاوہ اردو افسانے کے پلاٹ ماحول اور بڑے ادب کی پیدائش وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔علامتی افسانہ اور چند افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری کا تجزیہ بھی کیا ہے۔یہ کتاب مکتبہ عالیہ لاہور سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ:۔ادبی رسائل ادب کو فروغ دینے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں

،شاعر، ادیب، نقاد، محقق وغیرہ اپنی نگارشات کو کتابی شکل میں شائع کرنے سے قبل ان ہی ادبی رسائل کے توسط سے قاری تک پہنچاتے ہیں۔ادبی رسائل کی ابتداء انیسویں صدی میں ہوئی تھی۔انور سدید کی کتاب پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔صحافت اور ادبی صحافت کیا ہے، برصغیر میں اردو رسائل کی ابتداء، عہد سرسید کے ادبی رسائل، پاکستان میں ادبی رسائل، خواتین، طنز و مزاح اور تعلیمی اداروں کے ادبی مجلّے اور رسائل وغیرہ عنوانات کے تحت اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ادبی صحافت اور رسائل کے حوالے سے کافی اہم اور معلوماتی کتاب ہے۔انور سدید اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اس کتاب کا بنیادی موضوع ''پاکستان کے ادبی رسائل کا تحقیقی و تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ'' ہے۔میں نے اس کتاب کو خود کفیل، مفید اور با معنی بنانے کے لئے بحث کو اردو صحافت کے نقطہ آغاز سے ابھارا ہے اور ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک کی ادبی صحافت اور رسائل کا ذکر اجمالی طور پر کیا ہے۔اس کے پس منظر کے بغیر پاکستان کے ادبی رسائل کی تاریخ اور پیش منظر پوری طرح اجاگر کرنا شاید ممکن نہیں تھا۔میں نے اس حصے میں صحافت، مجلّاتی صحافت اور ادب کے موضوعات اور ان کے مایہ الامتیاز کو بھی واضح کیا ہے۔''

(پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، ص،۴)

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ ان کی تحقیقی و تنقیدی کتابوں میں اردو ادب کی مختصر تاریخ ۱۹۹۱ء، اردو افسانے میں دیہات کی پیش کش ۱۹۹۷ء، انشائیہ اردو ادب میں اور اردو میں سفر نامہ وغیرہ ہیں۔ڈاکٹر انور سدید کو ان کی علمی ادبی اور تحقیقی خدمات کے لیے اردو ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔پروفیسر سجاد نقوی نے پاکستان ادب کے معمار: ڈاکٹر انور سدید شخصیت اور فن کے عنوان سے ایک بڑی اور جامع کتاب لکھی جو انور سدید کے فن اور شخصیت پر روشنی ڈالتی ہے۔

اس باب میں شامل اردو محققین کا تعلق متحدہ پنجاب سے ہے اور ان کا شمار اردو کے بلند پایہ محققین میں کیا جاتا ہے۔مذکورہ محققین کے علاوہ اور بھی محقق ہیں جن کا اس باب میں ذکر نہیں ہوا ان کا تعلق مشرقی پنجاب سے ہے لہٰذا انہیں اگلے باب میں شامل کیا جائے گا۔مذکورہ محققین میں ایسے نام بھی ہیں جو ماہر غالبیات، میریات، اقبالیات اور

اکبریات وغیرہ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ان کے علاوہ ایسے محققین کی تعداد زیادہ جو قدیم ادب، علاقائی ادب، اصناف اور اشخاص ادب کے حوالے سے تحقیقی میدان میں اہم مقام رکھتے ہیں۔انفرادی سطح پر تحقیق کو فروغ دینے اور اس کی روایت کو برقرار رکھنے کے علاوہ متحدہ پنجاب کی جامعات، اداروں، انجمنوں اور مجلّات نے بھی اپنا حصہ ڈالا ہے۔ان اداروں میں اردو سائنس بورڈ لاہور، مجلس ترقی ادب لاہور، نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز مالیرکوٹلہ، بھاشا وبھاگ پٹیالہ، پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور اور پنجاب اردو اکیڈمی مالیرکوٹلہ وغیرہ ہیں جو حکومت کے مالی تعاون کے ساتھ علم و ادب اور ادبی ولسانی تحقیق کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کے علاوہ پنجاب میں کچھ ایسی اکیڈمیاں اور ادارے ہیں جو اردو ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور علاقائی ادیبوں اور شاعروں کی کتب کو اشاعت کے ذریعے منظر عام پر لا رہے ہیں اور ان اداروں سے اردو کی ادبی ولسانی تحقیق کے ساتھ ساتھ علاقائی لسانی تحقیق کو بھی فروغ مل رہا ہے۔

پنجاب کی جامعات میں بھی اعلیٰ سطح کی تحقیق کروائی جارہی ہے۔ان جامعات میں ایم۔اے، ایم۔فل۔پی ایچ۔ڈی کی سطح کے بڑے اچھے اور علمی و تحقیقی مقالات قلمبند کیے گئے ہیں۔مذکورہ محققین میں سے اکثر و بیشتر کا تعلق انہی جامعات سے ہے اور پی ایچ۔ڈی، ڈی لٹ کی ڈگریوں کے علاوہ ان جامعات میں تدریسی خدمات بھی انجام دے چکے ہیں یا دے رہے ہیں۔متحدہ پنجاب کی جامعات میں جن اردو تحقیق کا کام رواں دواں ہے ان میں پنجاب یونیورسٹی لاہور، پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ اور گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر اور دیش بھگت یونیورسٹی گوبندگڑھ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

باب دوم

نئی تحقیق نے قطروں سے نکالے دریا
ہم نے دیکھا ہے کہ ذروں سے زمانے نکلے
(اکمل امام)

باب دوم: مشرقی پنجاب میں اردو کے اہم محقق

انگریزوں کے برصغیر ہند پر قابض ہونے سے قبل اس علاقے میں جسے برصغیر ہندوستان کے نام سے جانا جاتا تھا چند مسلمان خاندان حکومت کی باگ دوڑ تھامے ہوئے تھے۔انگریزوں کے اس علاقے میں وارد ہوتے ہی ان حکومتوں کا زوال شروع ہوگیا تھا۔ان مسلمان حکمران خاندانوں میں سب سے بڑا مغلیہ خاندان تھا۔۱۸۵۷ء میں مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور اس حکومت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو جلا وطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ جہاں اسے پھانسی دے دی گئی تھی۔انگریزوں کے خلاف ہندوستانی شروع ہی سے لڑتے آرہے تھے مگر یہ لڑائی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد جنگِ آزادی میں تبدیل ہوگئی تھی۔ برطانوی حکومت کے خلاف جنگ آزادی میں ہندوستان کے تمام مذاہب کے لوگ خصوصاً ہندو اور مسلمان برابر کے شراکت دار تھے۔مگر برطانوی سامراج نے زیادہ تر مسلمانوں کو ہی اپنے غیض و غضب کا نشانہ بنایا تھا۔اس کی خاص وجہ یہ تھی انہوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا اور برطانوی حکومت کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں یہ قوم اس اقتدار کو واپس حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسے جھکا کر ہی رکھا جائے۔ ہندوستانیوں نے انگریزوں کے خلاف صرف ایک ہی نہیں بلکہ متعدد تحریکات شروع کی تھیں۔ان میں کچھ کامیاب بھی ہوئیں اور بعض ناکام بھی۔پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان کی تحریکِ آزادی زور پکڑ چکی تھی۔اس تحریک کے آغاز سے لیکر آزادی کی حصولیابی تک لاکھوں لوگوں کی جانیں گئی تھیں۔آزادی حاصل کرنے سے قبل ہی مسلمانانِ ہند نے برصغیر میں ہی مسلمانوں کا ایک الگ وطن قائم کرنے کی تحریک بھی شروع کر دی تھی۔جس کی ہندوستان کے کچھ ہندو، مسلمان اور چند مذہبی رہنماؤں نے بھی مخالفت کرنے کے ساتھ ساتھ اس نظریہ کی تردید بھی کی تھی۔اس کے ساتھ ہی دوسری جنگ عظیم بھی شروع ہوگئی تھی۔ جنگ کے خاتمے کے بعد برطانوی حکومت مالی طور پر کمزور ہوگئی تھی۔انہوں نے مسلمانوں کے الگ ملک کے نظریہ کو قبول کر کے منظوری دے دی۔ برطانوی قانون آزادیِ ہند ۱۹۴۷ء کے تحت برصغیر کے دو حصے کر دیے گئے۔۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان ہندوستان سے الگ ہوگیا اور مغربی بنگال ہندوستان کے ساتھ جبکہ مشرقی بنگال پاکستان میں شامل ہوکر مشرقی پاکستان کے نام سے موسوم ہوا۔ادھر ہندوستان تقسیم ہوا ادھر خطہ

پنجاب بھی تقسیم کی زد میں آ گیا اور دو حصوں میں بٹ گیا۔ ہندوستانی پنجاب مشرقی پنجاب جبکہ پاکستان کا موجودہ صوبہ پنجاب مغربی پنجاب کے نام سے موسوم ہوا ہے۔

تقسیم ہند کے تباہ کن اثرات نے جہاں لوگوں کو جانی و مالی نقصانات جیسے تحفے تحائف عطا کیے اس کے ساتھ ہی یہاں کے خطوں کو بھی تقسیم کیا انہی خطوں میں سے ایک خطہ پنجاب بھی تھا۔ یہ خطہ جو پنجاب یعنی پانچ دریاؤں والا خطہ کے نام سے جانا جاتا تھا۔اس خطے میں پانچ دریا بہتے ہیں ستلج ، بیاس ، راوی ، جہلم اور چناب۔مگر تقسیم کے بعد ہندوستانی پنجاب یعنی مشرقی پنجاب میں صرف تین ہی دریا ہیں جبکہ مغربی پنجاب جو پاکستان کا صوبہ ہے سبھی دریاؤں کا پانی بہتا ہے۔ بات طول پکڑتی جا رہی ہے میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ تقسیم نے اس خطے میں جہاں اس خطے کے امن و امان کو متاثر کیا لوگوں کو بے گھر کیا ، ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ، نقل مکانی کے چکر میں قتل ہوئے ، عورتوں کی عصمت ریزیاں ہوئیں ، خاندان بچھڑ گئے وہیں ان عام لوگوں کے ساتھ ساتھ اس ہندوستانی خطے میں مقیم اردو کے ادیب بھی ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے یا پھر ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں پناہ لے لی۔اسی طرح پاکستانی خطے میں مقیم اردو کے ادیب بھی پنجاب کے علاقہ جات سے نکل کر ہندوستان آئے یا پھر اس ملک کے دوسرے علاقوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس تقسیم کے نتیجے میں اردو ادب اور بطور خاص مشرقی پنجاب کے اردو ادب کو ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑا اور کئی دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی آج تک اس خطے میں اردو کو وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا جو قبل از تقسیم تھا۔ ۱۸۵۴ء میں فارسی کو ہٹا کر اس خطے میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا تھا جو تقسیم ہند یعنی ۱۹۴۷ء تک برقرار رہا۔ آزادی کے بعد اردو کو پنجاب سے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی سرکاری زبان کے درجے سے بھی ہٹا دیا گیا تھا۔ مشرقی پنجاب میں جیسے اردو کی شمع بجھ گئی تھی اِکا دُکا ادیب اور شاعر ہی رہ گئے تھے وہی اردو کی آبیاری کرتے رہے۔ اردو جس کی شمع بجھ گئی تھی پچھلے کچھ سالوں سے یہاں کے شاعروں اور ادیبوں نے اسے اپنی شعری اور نثری نگارشات سے از سرِ نو روشن کرنے کی غیر معمولی کوششیں کیں اور آج اردو کی شمع پھر سے روشن ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

گزشتہ باب میں میں نے متحدہ پنجاب کے محققین کا ذکر کیا ہے اور اس باب میں صرف مشرقی پنجاب کے محققین کو شامل کیا گیا ہے۔مشرقی پنجاب میں جہاں اردو کے بہترین شاعر ، ادیب ، نقاد اور صحافی گزرے ہیں اور دورِ حاضر

میں بھی یہ محبان اور محسنانِ اردو اس خطے میں اپنی نگارشات سے اردو کے ذخیرے میں اضافہ کر رہے ہیں۔ وہیں اس خطے میں بہترین اور معتبر محقق بھی گزرے ہیں اور عصر حاضر میں بھی اردو محققین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ جو اردو تحقیق میں روز و شب نئے اضافے کر رہے ہیں۔ ذیل میں ان محققین کے نام شمار کیے جا رہے ہیں جو تحقیقی میدان میں اپنے جوہر دکھا رہے ہیں یا دکھا چکے ہیں۔ ان محققین میں کچھ صاحب التصانیف ہیں اور چند صاحب تصنیف یعنی کچھ ایسے محقق ہیں جن کی متعدد تحقیقی کتب منظر عام پر آ چکی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کی ایک یا دو کتابیں اور کچھ تحقیقی مضامین بھی شائع ہوئے ہیں اور ابھی بھی تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ اس باب میں مشرقی پنجاب کے اہم محققین کا تاریخی اعتبار سے تفصیلی ذکر کرنے کی بھرپور سعی کروں گا۔ شاملِ باب محققین میں رتنؔ پنڈوروی، کالی داس گپتا رضاؔ، امرت لعل عشرتؔ، آزادؔ گلاٹی، ڈاکٹر نریش، خالد کفایت، انسپکٹر محمد حبیب، ڈاکٹر منظور حسن، ڈاکٹر انوار احمد انصاری، ڈاکٹر محمد ایوب خان، ڈاکٹر محمد اسلم، ڈاکٹر سلیم زبیری، ڈاکٹر سلطان انجم اور ڈاکٹر انعام الرحمٰن کو شامل کیا ہے۔ مذکورہ محققین کے علاوہ بھی اس خطے میں اعلیٰ اور بلند پایہ محقق ہیں لیکن ان کا تعلق مشرقی پنجاب کی جامعات کے ساتھ ہونے کے ناطے انہیں ''مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق'' کے عنوان سے باب میں شامل کیا گیا ہے۔

رتنؔ پنڈوروی

مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے شاعر پنڈت رلا رام نے اردو دنیا میں رتنؔ پنڈوروی کے نام شہرت پائی۔ ان کا تخلص رتنؔ تھا اور پنڈوری گاؤں میں پیدائش کی وجہ سے پنڈوروی کہلائے۔ رتنؔ کا ضلع گرداس پور کے ایک گاؤں پنڈوری میں ۷ جولائی ۱۹۰۷ء میں ایک برہمن گھرانے میں جنم ہوا تھا۔ رتنؔ پنڈوروی اپنی پیدائش کے متعلق اپنے پہلے شعری مجموعے ''فرشِ نظر'' میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''یہ زاویہ نشین فقیر دنیا جہاں کے آلام و شدائد کو ساتھ لیتا ہوا بتاریخ ۷ جولائی ۱۹۰۷ء میں ایک غریب مگر قانع برہمن پنڈت متھرا داس بھاردواج کھٹ شاستری کے گھر بمقام پنڈوری ضلع گرداسپور (پنجاب) تولد ہو''

(فرش نظر، پنڈت رلا رام ص ۱۱، ۱۹۶۵ء)

رتؔن پنڈوروی نے قصبہ گھمان کے ایک اسکول جو پنڈوری گاؤں سے تقریباً ایک میل دوری کے فاصلے پر تھا وہاں پہلی جماعت سے پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ایک غریب خاندان میں جنم لینے کی وجہ سے نہایت ہی غربت اور تنگدستی میں پانچویں جماعت تک تعلیم مکمل کی۔اس دوران متعدد بار ہی نہیں بلکہ اکثر و بیشتر فاقہ کشی کی نوبت پیش آتی رہی۔اپنی تعلیم اور غریبی کے بارے میں ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''آبائی گاؤں موضع پنڈوری سے ایک میل کے فاصلے پر قصبہ گھمان سے پانچویں جماعت
پاس کی وہ بھی شدائد و مکائد کے طوفانی حملوں کا مقابلہ کر کے۔ہاتھ تو خیر ازل سے ہی خالی
تھا پیٹ بھی بسا اوقات خالی رہ کر ستم بالائے ستم کا معاملہ پیش کرتا رہا

(فرش نظر، پنڈت رلارام ص۱۱، ۱۹۶۵ء)

پانچویں جماعت تک کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد غربت کے باعث مزید تعلیم جاری رکھنا رتؔن پنڈوروی کے لئے مشکل تھا۔مگر قسمت مہربان ہوئی ایک پڑوسی نے رتؔن کی مزید تعلیم کی ذمہ داری لی اور امرتسر کے خالصہ اسکول بابا بکالا میں فیس معاف کروا کے داخلہ دلوا دیا۔کھانے پینے کے اخراجات کا ذمہ اس کے ننھیال والوں نے لیا تھا۔مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اس کے بعد رتؔن پنڈوروی کے ایک استاد جن کا نام منشی مادھو رام تھا نے رتن کو دو روپے ماہوار دینے کا وعدہ کیا اور گرداس پور کے ایک فارسی مڈل اسکول میں داخل کروا دیا۔رتؔن کی غربت کو دیکھتے ہوئے اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے فیس معاف کر دی صرف یہی نہیں بلکہ کبھی کبھار پہننے کے لئے کپڑے بھی دے دیا کرتے تھے۔یہ اسکول رتؔن کے گاؤں پنڈوری سے سات میل کے فاصلے پر تھا۔پیادہ پا اسکول چل کے آنا جانا مشکل تھا۔اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ۔:

''اسکول آبائی گاؤں سے سات میل کے فاصلے پر تھا ایک کمسن اور وہ بھی فاقہ زدہ بچے کا
روزانہ آنا جانا ناممکن تھا۔اسکول کی کوئی عمارت نہ تھی درختوں کے پتے چھت کا کام دیتے
تھے اور زمین فرش مکلّف کا''

(فرش نظر، پنڈت رلارام۱۲، ۱۹۶۵ء)

یہ اسکول جس کی نہ کوئی عمارت تھی اور نہ ہی کوئی چھت چھپر اس کے قریب ایک خانقاہ تھی رتؔن پنڈوروی اسی خانقاہ

میں رہنے لگے۔ کھانا خود بناتے تھے ہر اتوار کو گاؤں جایا کرتے تھے اور واپسی پر ساتھ ہفتہ بھر کے لئے راشن لے آتے تھے۔ جب گھر سے آٹا نہ ملتا تو بارہا نوبت یہاں تک پہنچتی کہ درختوں کے پتے بھی ابال کر کھانے پڑتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے مزدوری بھی کرتے تھے تاکہ تعلیمی ضرورت کی اشیاء کاپی، پنسل اور کتاب وغیرہ میسّر ہوسکیں لکھتے ہیں کہ:۔

''میرا پیٹ خالی ہے تعلیم کی دیگر ضروریات کاپی کتاب وغیرہ کے لئے گھاس کاٹنی پڑتی تھی اور ایندھن فروخت کرنا پڑتا تھا''

(فرش نظر، پنڈت رلا رام ص۱۲، ۱۹۶۵ء)

۱۹۲۲ء میں کافی محنت مشقّت اور تکلیف برداشت کرتے ہوئے ۱۵ سال کی عمر میں مڈل فارسی میں پاس کیا۔ ان دنوں فارسی مڈل پاس کر لینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ والدین بیٹے کی ملازمت کے خواب دیکھنے لگے مگر ملازمت ہاتھ نہ آئی۔ اپنے فارسی مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے رتن کو بارہ روپے ماہوار پر اسی اسکول میں چپراسی رکھ لیا۔ اپنی پہلی ملازمت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''کوتاہ بختی کے ساتھ ساتھ کوتاہ قامتی بھی اس معاملہ میں سد راہ تھی۔ اس پر فاقوں کے کڑاکرانے نے صحت کا صفایا بول دیا تھا۔ عمر بھی چھوٹی تھی نوکری ملتی بھی تو کیوں کر ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنے ہیڈ ماسٹر کی خدمت میں پہنچا انہوں نے اپنے زیرِ سایہ اسکول میں ۱۲ روپے ماہوار کا چپڑاسی رکھ لیا''

(فرش نظر، پنڈت رلا رام ص۱۳، ۱۹۶۵ء)

اسی اسکول میں ملازمت کے دوران انہیں پتا چلا کہ محکمہ تعلیم میں پرائمری مدارس کی کچھ آسامیاں خالی ہیں اور انہیں استادوں کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں اپنے گاؤں سے کئی میل کی دوری پر ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس گورداسپور کے دفتر تک پیدل سفر کیا اور وہاں پہنچنے پر جواب ملا کہ افسوس اب کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ مایوسی کے عالم میں واپسی کا سفر بھی پیدل ہی طے کیا تھا۔ رتن نے گرداس پور کے ایک اسکول میں داخلہ لیا جس سے رتن کو آٹھ روپے ماہانہ وظیفہ بھی ملتا تھا

۔اس اسکول سے فارغ ہونے کے ساتھ ساتھ ۱۹۲۵ء میں رتن کو نائب مدرسی کی ملازمت بیس روپے ماہانہ پر مل گئی۔

مطالعے کا رتن پنڈوروی کو بے حد شوق تھا مگر غربت کے باعث کتابیں نہیں خرید سکتے تھے۔ پیدل سفر کر کے دور دور سے کتابیں مستعار لاتے اور کتابیں نقل کرنے کے بعد واپس لوٹا دیا کرتے تھے۔اس سلسلے میں لاہور کا بھی کئی بار پیدل سفر کیا۔رتن نے ۱۹۳۲ء میں منشی فاضل اور ۱۹۳۶ء میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد گرداس پور کے ایک ہائی اسکول میں بطور فارسی مدرس نوکری مل گئی تھی۔اب ان کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوا جو بیس روپے ماہوار سے بڑھ کر ۳۰ روپے ماہانہ ہوگئی۔زندگی کے کافی نشیب وفراز اور اتار چڑھاؤ کے بعد ۱۹۶۲ء میں اسی اسکول سے سبکدوش ہوئے تھے۔ریٹائرمنٹ کے بعد رتن پنڈوروی اردو زبان وادب کی خدمت کرتے رہے اور آخر کار پنجاب سے تعلق رکھنے والا اردو کا یہ سپاہی ۴ نومبر ۱۹۹۰ء کو ۸۳ سال کی عمر میں وہ بمقام پٹھانکوٹ زندگی کی آخری سانس لے کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔

پنڈت رتن پنڈوروی بیک وقت شاعر، ادیب، مدرس، مورخ، اصلاح کار، مترجم اور محقق تھے ان کی تقریباً بیس کتابیں مطبوعہ اور دس کے قریب غیر مطبوعہ ہیں۔ان کا ادبی سرمایہ نثر و نظم، تاریخ، درسی اور اصلاحی کتابوں پر مشتمل ہے۔شاعری کے پانچ مجموعے ہیں فرشِ نظر، دشتِ نظر، اندازِ نظر، پیامِ آخری نظر، ان کی درسی کتابوں میں جو پرائمری جماعت سے کالج تک کے طلبہ کے لیے لکھی گئی ہیں ان میں دستور القواعد گلشن اردو، رہنمائے اردو زبان وادب، بہارِ حساب اور گلزارِ حساب وغیرہ شامل ہیں۔گلشنِ اردو کافی اہم کتاب ہے اس کتاب میں صرف ونحو کی اقسام معنی ومطالب کی ادائیگی، تصحیح اغلاط، انشا پردازی، مقالات، تمثیلات وتشبیہات وغیرہ کا ذخیرہ جمع ہے۔یہ ضخیم کتاب سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔اس وقت کے ایجوکیشن بورڈ کے سلیبس کے اعتبار سے کافی اہم تھی۔اس کے علاوہ غیر مطبوعہ کتب میں گنج ادب اور کلید ادب شامل ہیں۔ان کے تراجم میں شریمد بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ سرِ مغفرت کے نام سے شامل ہے ۷۷ اصفحات پر مشتمل یہ کتاب ماہنامہ شانِ ہند دہلی سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی تھی۔رتن پنڈوروی شریمد بھگوت گیتا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''یہ ایک بے نقاب حقیقت ہے یہ شریمد بھگوت گیتا زندگی کے جملہ مسائل کا بہترین

کامیاب اور لاجواب حل پیش کرتی ہے فلسفہ حیات کی مکمل و مشرح تفسیر فی الحقیقت گیتا ہی

ہے''

(سرِ مغفرت، رتن پنڈوروی ص۱۲)

رتن پنڈوری نے شریمد بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ سرِ مغفرت کے نام سے چار مہینے میں مکمل کیا و دیا پرکاش سرور تونسوی اس منظوم ترجمہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔:

''میں ابوالبلاغت پنڈت رلا رام رتن پنڈوروی کا تاابد ممنونِ احسان رہوں گا کہ انہوں نے میری درخواست پر گیتا کا ایسا بہترین اور عام فہم اور انمول ترجمہ فرمایا کہ آج تک گیتا کا ایسا بہترین ترجمہ نہیں ہوا''

(سر مغفرت ص۵)

رتن کے کیے گئے منظوم ترجمے میں کچھ شلوکوں کی تعداد ۷۰۰ ہے اور اردو اشعار ۲۰۱۸ ہیں۔

رتن پنڈوروی بطور شاعر تو کافی شہرت اور اہمیت رکھتے ہی تھے مگر شاعری کے علاوہ ادب میں ان کا میدان تاریخ، تحقیق اور ترجمہ بھی رہا ہے۔ان کی تحقیقی کتب میں نورتن، ہندی کے مسلمان شعراء اور تحقیقی مباحث شامل ہیں اپنی نثر اور تحقیق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''شعر و شاعری کے علاوہ بچپن ہی سے نثر نویسی کا شوق بھی دامن گیر رہا۔چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے گزر کر ادبی، فنی اور تحقیقی مضامین تک بات آ پہنچی، لغوی و لسانی تحقیق ادبی و فنی تجسس کا سودا یہاں تک متجاوز کر گیا کہ بصارت و سماعت بھی ساتھ چھوڑ گئیں آپریشن تک نوبت آ پہنچی''

(فرش نظر، پنڈت رلا رام، ص۲۰)

رتن پنڈوروی کی بیس مطبوعہ کتابوں میں سے دس تک میری رسائی ہوئی ہے جن میں پانچ نثری اور پانچ شعری ہیں۔ یہاں صرف ان کی نثری کتب جو تحقیقی، تنقیدی اور درسی نوعیت کی ہیں کا مختصر سا تعارف کرنے کی کوشش کروں

گا۔ان کی تحقیقی وتنقیدی کتب میں نورتن، ہندی کے مسلمان شعراء اور تحقیقی مباحث اہم ہیں۔

نورتن: رتن پنڈوروی کے نو تحقیقی وتنقیدی مضامین پر مشتمل مجموعہ نورتن کے نام سے ۱۹۵۳ء میں کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مذکورہ مجموعے میں شامل تمام مضامین مطبوعہ ہیں اور وقتاً فوقتاً رسالہ رہنمائے تعلیم میں شائع ہوتے رہے تھے۔ شاملِ مجموعہ تمام مضامین اہم ہیں ان مضامین کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب مضمون نے ان کے لکھنے میں کافی محنت ومشقت کی ہے۔ بغیر تحقیق کے اور گہرے مطالعے کے ان مضامین کو سپردِ قلم کرنا ناممکن تھا۔ اس کتاب میں شامل مضامین ہماری تعلیم میں مادری زبان کا درجہ، اردو کا سب سے بڑا مصنف، قدیم ہندی ڈرامہ، اردو ڈرامہ، رباعی، تدریس اردو، مثنوی، قصہ چہار درویش اور ادبِ جدید شامل ہیں۔ ان میں سے چند مضامین پر تفصیلی بحث کی ہے اور رتن پنڈوروی کی یہ تحقیقی کتاب ایک ایسے زمانے میں منظرعام پر آئی جب اردو تحقیق پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں دم توڑ چکی تھی۔ اُس وقت بھی اردو کے اس مردِ مجاہد نے تحقیق کی شمع کو جلائے رکھا اگرچہ اس کی آنکھوں کی بصارت نے بھی اس کا ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا اس کتاب کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کے اردو امتحان ادیب کے نصاب میں کئی برسوں تک شامل رہی تھی۔ جوش ملسیانی اس کتاب اور اس کے خالق کے بارے میں ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

> ''یہ ادبی کاوش، یہ شوقِ تحقیق، یہ ذوقِ تدقیق اور یہ کامیاب انشاپردازی بھی ان اصحاب کا انگشت بدندان کر دینے کے لیے کافی ہے جو اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ایک مفلوک الحال اور غم زدہ ادیب کے روح فرسا مصائب اسے ادبی زندگی سے کنارہ کش ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مسلسل غم واندوہ میں بھی اگر کوئی شخص اپنے ادبی جنوں کو نہیں چھوڑتا اور دماغ سوزی ہی کو اپنا بہترین مشغلۂ حیات خیال کرتا ہے تو بلا شبہ وہ بہت ہی تحسین وآفرین اور قدر شناسی کا مستحق ہے''

(نورتن، پنڈت رلا رام، ص۹، ۱۹۵۳ء)

ہندی کے مسلمان شعراء: اس کتاب میں ہندی زبان کے مسلمان شعراء کا تذکرہ مع تصویر ہے ۱۹۸۲ء میں مکتبہ شان

ہند دہلی سے شائع ہوئی۔شانِ ہند کے ایڈیٹر اس کتاب کی عظمت کو دیکھتے ہوئے اسے ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ کے مستحق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ایسے اس حقیقت کے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہندی کے مسلمان شعراء۱۹۸۲ء کی مطبوعات میں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ کی مستحق ہے کاش کہ آزاد ہندوستان میں سفارش اور خودغرضی کا بول بالا نہ ہوتا''

(آخری نظر، پنڈت رلا رام،ص ۸،۱۹۸۴ء)

میں ایڈیٹر کی اس بات سے متفق ہوں کہ کتاب بہت اہم ہے اور ایوارڈ کی مستحق بھی ہے مگر اس حقیقت سے نہ تب انکار تھا اور نہ آج کیا جا سکتا ہے کہ ایوارڈ صرف انہی کتابوں کو ملتے ہیں جن کی سفارشات اعلیٰ عہدے داروں اور جان پہچان والوں سے کروائی جاتی ہیں۔افسوس کا مقام یہ ہے کہ برسوں پہلے ادیبوں کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوتی تھیں آج بھی وہ جاری وساری ہیں۔میں کسی ایک کتاب کا نام نہیں لوں گا بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں ایسی کتابیں مل جاتی ہیں جن پر ایوارڈ دیے جا رہے جو کہ ایوارڈ تو دور خریدنے کے قابل بھی نہیں ہوتیں۔ایسا صرف اردو زبان میں ہی نہیں ہے بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس طرح کا منظر دیکھنے کو ملتا ہے۔اس کتاب میں ہندی زبان سے متعلق تحقیق ہے مسلمانوں کا ہندی زبان سے تعلق اور خدمات یہ ایک بے مثال اور لازوال کارنامہ ہے جو محققین اور طلبا کے لیے کافی اہم ہے۔

تحقیقی مباحث: رتن کی یہ کتاب ۱۶ تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔شاملِ کتاب تمام مضامین آزادی کے بعد مختلف رسائل میں چھپتے رہے ان میں آجکل، نگار، شان ہند اور رہنمائے تعلیم شامل ہیں۔یہ کتاب شان ہند پبلیکیشنز نئی دہلی سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی تھی۔اس کتاب کی اشاعت کے بارے میں رتن پنڈوروی لکھتے ہیں کہ:۔

> ''پچھلے دنوں محسنِ اتفاق محسن گرامی ومربی نظامی حضرت سرور تونسوی صاحب کا حکم نام مشرفِ صدور لایا کہ اپنے مضامین کو ترتیب دو شائع کئے جائیں گے اس ارشادِ مسرت کے پیش نظر میں مذکورہ بالا رسائل سے مضامین مرتب کر کے صاحب ممدوح الصدور کی خدمت فیض درجات میں پیش کر دیے جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر ناظرین باتمکین کے پیش نظر

ہیں‘‘

(تحقیقی مباحث، رتن پنڈوروی، ص ۷، ۱۹۸۸ء)

رتن پنڈوروی نے ایک ایسے وقت میں مشرقی پنجاب میں اردو زبان و ادب اور تحقیق کے چراغ کو چراغاں رکھا جب اردو تحقیق تو دور کی بات اردو والے بھی اس خطے میں اکا دکا دکھائی دیتے تھے۔ رتن کی ادبی و تحقیقی خدمات کا احسان ہمیشہ مشرقی پنجاب کے اردو زبان و ادب پر رہے گا۔ لیکن رتن کے اس احسان کو اردو طبقہ بالخصوص مشرقی پنجاب کے اردو طبقہ نے نظر انداز کیا ہے اور ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں کوئی تحقیقی کام انجام نہیں دیا تھا۔ رتن پر تحقیقی کام تو دور کی بات کسی نے مضمون تک نہیں لکھا۔ مشرقی پنجاب کی جامعات میں لکھے جانے والے شاعری کے حوالے سے تقریباً تمام تحقیقی مقالے میری نظر سے گزرے ہیں۔ ایک ادھ مقالے میں صرف ان کا نام لکھا گیا ہے کوئی تعارف یا ان کے کلام کا تجزیہ نہیں کیا گیا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ایک ایسا قلمکار جس کی بیس مطبوعہ اور دس غیر مطبوعہ کتابیں ہوں اسے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ رتن کی ان تیس کتابوں میں سے آٹھ تو صرف شعری مجموعے ہی ہیں اور باقی نثری کتابیں جو تحقیق، تنقید، درسی اور تاریخی وغیرہ کتابوں پر مشتمل ہیں۔ رسائل کی روایت رہی ہے کہ شعراء و ادباء کی خدمات کے اعتراف میں ان پر خاص نمبر شائع کیے جاتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ مگر رتن پنڈوروی پر کسی رسالے نے خاص نمبر نہیں شائع کیا ہے۔ بیرونِ پنجاب کے رسائل کی بات تو چھوڑیے مشرقی پنجاب سے شائع ہونے والے رسائل نے بھی رتن کا نمبر نہیں شائع کیا گیا۔ رتن کو کس قدر نظر انداز کیا گیا ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان پر تحقیق تو دور کی بات کسی نے تنقید بھی نہیں کی۔ ان کے شعری مجموعوں کو مع مقدمہ کلیاتِ رتن کے نام سے بھی ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ مشرقی پنجاب کی جامعات کے شعبہ اردو کو چاہیئے کہ کم از کم رتن کی حیات و خدمات پر ایک تحقیقی مقالہ لکھوایا جائے اور ان کی شاعری کو کلیات کی شکل میں مرتب کیا جائے تا کہ ان کے اردو پر احسانات کا کچھ نا کچھ حق ادا ہو سکے۔

رام لعل نا بھوی

رام لعل کا شمار اردو کے اہم طنز و مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ مشرقی پنجاب کے طنزیہ و مزاحیہ ادب کے حوالے

سے ان کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ رام لعل کی ولادت ۱۶ستمبر ۱۹۱۸ء کو پنجاب کے ایک شہر نابھہ میں ہوئی ان کا گھرانہ کافی علمی و ادبی تھا اور یہی وجہ تھی کہ رام لال کو لکھنے پڑھنے کا بچپن سے ہی شوق تھا۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر دسویں جماعت تک نابھہ کے مختلف اسکولوں میں زیرِ تعلیم رہ کر صرف میٹرک تک ہی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس وقت نابھہ میں کوئی کالج نہیں تھا اور نابھہ سے باہر تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جاتے تو سہی مگر ان کا متوسط گھرانا ان کے تعلیمی اخراجات کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ میٹرک کے بعد انہیں پنجاب گورنمنٹ میں ملازمت مل گئی اور شادی بھی ہوگئی تھی۔ اس کے متعلق خود لکھتے ہیں کہ:۔

''تعلیم میٹرک تک رہی۔ شہر نابھہ میں تب کالج نہیں تھا، متوسط گھرانا تھا اور تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ملازمت مل گئی، شادی ہوگئی''

(پنجاب کا بہترین اردو ادب، ص۱۲۲، ۱۹۹۲ء)

دس سال نابھہ میں ملازمت کی دس سال پیپسو کو دیے، دس سال پنجاب کے دیگر علاقوں میں اور آخری نو سال ہریانہ میں ملازمت کی کُل ۳۹ سال سرکاری خدمات انجام دے کر سبکدوش ہوئے تھے۔ ان کی اولاد میں دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیرونِ ملک چلے گئے اور والدہ کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے رام لعل نابھوی اکیلے ہی یہاں رہ گئے تھے۔ بیٹی کی ایم۔اے تک تعلیم حاصل کرانے کے بعد شادی کردی گئی تھی۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ان کا گھرانہ ادبی تھا اور ادب انہیں وراثت میں ملا تھا۔ رام لعل کے پردادا کا نام منشی گوبند رام تھا جو عربی فارسی کے علاوہ سنسکرت، ہندی اور اردو کے عالم تھے فارسی زبان میں شاعری بھی کرتے تھے صاحب التصانیف تھے۔ فارسی کی کئی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کے بھی اردو میں ترجمے کیے تھے۔ رام لعل کے والد حکیم ہری داس صابرؔ جو صاحب تصنیف تھے اور رام سہائے تمنا لکھنوی کے شاگرد تھے۔ رام لعل نابھوی اپنے خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''ہمارا گھرانا ادبی گھرانا تھا گھر کتابوں سے اٹا پڑا تھا۔ پردادا عربی، فارسی اردو، سنسکرت اور ہندی کے عالم تھے سید عبداللہ نے ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' میں ان کی فارسی

تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے ان کا نام منشی گوبند رام تھا''

اسی طرح اپنے والد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔:

''میرے والد حکیم ہری داس صابرؔ منشی دار کا پرشاد افق لکھنوی کے بھائی رام سہائے تمنا لکھنوی کے شاگرد تھے۔صاحب تصنیف تھے تاریخ گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔پنڈت دینا ناتھ معجزؔ کی اردو گیتا منظوم پر جہاں بہادر سپرو اور علامہ اقبال کی تقریظ چھپی ہیں وہیں ان کی تقریظ بھی ہے''

(پنجاب کا بہترین اردو ادب،ص ۱۲۳ بھاشا وبھاگ پنجاب ۱۹۹۲)

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا خاندان کس قدر ادبی تھا اور ادب کا سرمایہ انہیں وراثت میں ملا تھا۔

رام لعل نا بھوی کو کتابیں پڑھنے کا شوق بچپن سے ہی تھا اور اسکول کے وقت سے ہی ناول پڑھنے کا بھی شوق ہو گیا تھا۔اردو کے بڑے بڑے ناول جو طلسمی اور خوفناک تھے انہیں پڑھا کرتے تھے۔اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''دیوکی نندن کھتری کے دو ناول ''چندر کانتا'' اور ''بھوت ناتھ'' اردو میں ہاتھ آئے اور یہ کئی جلدوں میں تھے لیکن اتنے دلچسپ کہ کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔پھر ''فسانہ آزاد'' اور ''سیرِ کہسار'' بھی پڑھے۔''

(پنجاب کا بہترین اردو ادب،ص ۱۲۲ بھاشا وبھاگ پنجاب ۱۹۹۲)

ناولوں کے مطالعے کے علاوہ فلم بینی کا بھی رام لعل کا شوق تھا جلسے جلوسوں میں شرکت کرنا اور تقریریں سننا بھی ان کے شوق میں سے تھا کوئی بھی اور کسی بھی مذہب کا جلسہ ہو شامل ہو جایا کرتے تھے لکھتے ہیں کہ:۔

''اتفاق کی بات ہے کہ مجھے جلسوں میں تقریر سننے کا شوق جنون کی حد تک تھا آریہ سماج سناتن دھرم کے جلسوں سکھ پرب اور ملاد النبی سب میں جاتا ایک دن ایک تقریر سنی اور گھر آکر یاداشت سے تقریر لکھ دی دوسرے دن دوسری تقریر لکھ دی والد صاحب کو دکھائیں

دونوں تقریریں لائل پور کے پرچے جاگرت میں چھپوادیں صبح ۱۹۶۲ء میں دو مضامین ہندی میں لکھیں ایک میں سنسکرت کے حوالے دیئے مضامین ایشور ارادھنا چنڈیگڑھ میں چھپ گئے''

(پنجاب کا بہترین اردو ادب،ص۱۲۳ بھاشا وبھاگ پنجاب ۱۹۹۲)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ رام لال کو جلسے جلوسوں میں جانے کا شوق کس قدر تھا اور اس کے ساتھ ہی حافظہ بھی کمال کا تھا۔تقریریں سن کر انہیں یاداشت کے ذریعے لکھ دینا ان کا کمال کا فن تھا۔طنزو مزاح نگار تو تھے ہی اسی انداز میں اپنے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:۔

''علم وادب تحریر وتقریر میرے بس کی بات نہیں لیکن کام چلا لیتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے سانس کا آنا جانا میرے بس میں نہیں لیکن سانس چلا لیتا ہوں''

(پنجاب کا بہترین اردو ادب،ص۱۲۲ بھاشا وبھاگ پنجاب ۱۹۹۲)

ریڈیو اسٹیشنوں دوردرشن چینل پر کافی تقریریں کی تھیں۔اس کے علاوہ ادبی محفلوں اور ادبی نشستوں میں طنزیہ ومزاحیہ کلام بھی سنا کر داد وتحسین حاصل کرتے تھے۔انہیں اکثر وبیشتر ایسی محفلوں اور نشستوں میں دعوت دی جاتی تھی۔رام لعل نابھوی ادیب وناقد،مترجم اور محقق تھے کی۔ان کی پانچ کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان میں ایک ترجمہ دو طنزیہ ومزاحیہ مضامین کے مجموعے اور دو تنقیدی وتحقیقی مجموعے شامل ہیں۔تبسم،آم کے آم،تلوک چند محروم،پوتر پاپی اور چکبست ان کی تصانیف ہیں۔

تبسم:رام لعل نابھوی کی بیس طنزیہ ومزاحیہ خاکوں پر مشتمل کتاب ہے۔پہلی بار نومبر ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی تھی۔یہ کتاب رام لعل کی اولین تصنیف ہے۔اس کتاب کا اضافہ شدہ ایڈیشن دوسری بار ۱۹۸۳ میں شائع ہوا اور تیسرا ایڈیشن مزید اضافے کے ساتھ 1986ء میں انجمن ترقی اردو ہند دہلی سے شائع ہوا تھا۔رام لعل نابھوی کی کتاب کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ:۔

"رام لعل کے مزاحیہ مضامین میرے سامنے آئے تو مجھے محسوس ہوا کہ قدرت نے ان سے

انتقام لینے کی یہ صورت پیدا کی ہے کہ انہیں مزاح کے پل صراط پر سے گزرنے پر مجبور کر

دیا۔مگر مجھے یہ دیکھ کر یلگو نہ اطمینان ہوا کہ رام لعل نا بھوی اس پل پر سے بخیر وخوبی گزر گئے"

(تبسم، رام لعل نا بھوی،ص۱۲، ۱۹۸۶)

میں اس کتاب میں شامل رام لعل کے خاکوں کی قدر و قیمت متعین نہیں کروں گا مگر اس کتاب میں شامل ان کا ایک طویل مضمون ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' کے عنوان سے ہے جو کافی اہم مضمون ہے جو اردو میں طنز و مزاح کی تعریف اور مختلف نقادوں کی آراء کے علاوہ اس صنف کے آغاز اور ارتقاء پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔

آم کے آم رام لعل نا بھوی کی دوسری تصنیف ہے ۔انشائیہ اردو ادب کی ایک بہت ہی لطیف صنف ہے ۔محمد حسین آزاد اور وزیر آغا اردو کے مشہور انشائیہ نگار تھے ۔ان کے علاوہ بھی اردو میں کافی اہم انشائیہ نگار گزرے ہیں ۔دورِ حاضر میں بھی کچھ قلمکار اس صنف میں اپنی نگارشات سے اضافہ کر رہے ہیں ۔رام لعل نا بھوی نے انشائیے بھی لکھے ہیں اور'' آم کے آم'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع بھی کیے ہیں ۔رام لعل نا بھوی کی اس کتاب میں سولہ انشائیے شامل ہیں ۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۳ء میں اور دوسری بار اضافوں کے ساتھ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی تھی۔اس کتاب میں ایک طویل مضمون ''انشائیے کی تعریف اور آغاز وارتقا'' سے متعلق بھی شامل ہے۔

پوتر پاپی: کے نام سے ایک ناول کو اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ ناول پنجابی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔اس کا خالق نانک سنگھ ہے۔ جو پنجابی ناول کے دوسرے دور کا بڑا ناول نگار تھا۔ پنجابی زبان میں بھی یہ ناول اسی نام سے لکھا گیا ہے۔ پوتر پاپی نانک سنگھ کا شاہکار ناول ہے۔

تلوک چند محروم: تلوک چند محروم اردو کے ایک بڑے شاعر تھے ان کی ولادت ۱۸۸۷ء میں میانوالی پاکستان میں ہوئی تھی۔ ساہتیہ اکیڈمی دہلی کی خواہش پر رام لال نا بھوی نے تلوک چند محروم کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی ۔جس میں تلوک چند محروم کی حالات زندگی اور ان کے کلام کا تحقیقی وتنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں صرف کتاب کے نام میں اضافہ کیا گیا ہے اور'' تلوک چند محروم: ہندوستانی ادب کا معمار'' نام رکھا۔ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے جو تقریباً ۸۰ صفحات پر مشتمل

ہے۔اس کتاب میں پہلے حالات زندگی،تعلیم اورآغاز شاعری،گھریلو زندگی،اولاد،استادی اورشاگردی اوراس حصے کے آخر میں وفات ان سب پر اختصار سے گفتگو کی ہے مگر معلوماتی ہے۔اگلے حصے میں کلام کا جائزہ لیا گیا ہے غزل،نظم ،منظر نگاری،مرثیے اورنوحے،بچوں کی نظمیں اوررباعی وغیرہ کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔آخری حصے میں کلام کا انتخاب کیا ہے اس میں حمد،غزلیں،نظمیں،دعا،رباعی اورقطعہ وغیرہ شامل ہیں۔

چکبست اردو کے عظیم شاعر اور نقاد تھے ۱۸۸۲ء فیض آباد میں ولادت ہوئی تھی۔چکبست رام لعل کی دوسری تحقیقی کتاب ہے حکومت ہند کی ایما پر لکھی گئی تھی۔اس کتاب میں چکبستؔ کی حیات وادبی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔چکبست کی زندگی،وطنیت،مرثیہ گوئی،غزلیں،قطعات ورباعیات،قلمی خاکے،تنقیدی مضامین،معرکہ چکبست و شر رطنز ومزاح،ڈراما اور صحافت غرض جو بھی ادب کے حوالے سے لکھا اسے تحقیق اورتجزیہ کے بعداس کتاب میں قید کردیا تھا۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ترقی اردو بیورو نئی دہلی سے شائع ہوکر منظر عام پر آیا تھا۔

رام لعل نابھوی نے تقریباً ۲۰۰ مضامین جو تحقیقی وتنقیدی نوعیت کے تھے لکھ کر مختلف اخبارات ورسائل میں شائع کیے تھے۔اگر ان اخبارات اور رسائل کو تلاش کر کے مقالات ترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کیے جائیں تو کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔رامائن کے متعلق بھی ان کے کافی مضامین ہیں۔اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے متعلق مضامین بھی اردو میں لکھے جیسے پنجاب میں فارسی ادب،عربی ادب میں ہندوؤں کا حصہ،سنسکرت میں سکھ گرواور سکھ پوتھیاں ،شخصیات پر بھی قلم اٹھایا ان میں بلونت سنگھ،منشی جواہر سنگھ اور کرپال سنگھ بیدارؔ وغیرہ کے نام کافی اہم ہیں یہ مضامین ملکی اورغیر ملکی رسائل کی زینت بنتے رہے۔

رام لعل نابھوی ایک علمی وادبی گھرانے میں پیدا ہوئے کتابوں کے مطالعے کا شوق تو ابتداء سے ہی تھا عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس شوق میں مزید اضافہ ہوا۔نادرونایاب کتابیں جمع کرنے لگے اوران کا مطالعہ کرنے کے بعد اس پر مضامین لکھتے تھے اس شوق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ’’میری یہ کوشش رہتی کہ لائبریریوں سے،دُکانوں سے،ردی بیچنے والوں سے ایسی کتابیں تلاش کر لاؤں جو کہیں دستیاب نہ ہوں،پھر ان کو پڑھوں اور مضامین لکھوں۔میرے پاس

مختلف زبانوں میں بہت سی نادر و نایاب کتابیں ہیں، قلمی نسخے ہیں، قریب دس ہزار کتابیں
میرے پاس ہیں اور اس سلیقے سے رکھی ہوئی ہیں کہ ضرورت کی کتاب نکالنے میں صرف
ایک سیکنڈ لگتا ہے''

(پنجاب کا بہترین اردو ادب، ص ۱۳۸ بھاشا و بھاگ پنجاب ۱۹۹۲)

ان کتابوں کے مطالعے نے انہیں بہت ساری کتابوں پر تبصرے لکھنے پر مجبور کیا اور تقریباً پچاس کتب پر تبصرے بھی لکھے ہوں گے۔ رام لعل نابھوی نے مزاح نگار اور محقق کے طور پر مشرقی پنجاب میں جہاں آزادی کے بعد اردو زبان وم توڑ رہی تھی کا ہاتھ تھاما اور سہارا دیا۔ دفتر اور گھر کی مصروفیات کے باوجود بھی اردو ادب سے جڑے رہے اور اس کے ذخیرے میں اضافہ کرتے رہے۔

کالی داس گپتا رضؔا

اردو ادب میں کالی داس گپتا رضؔا کی شناخت بطور شاعر، محقق اور غالبؔ شناس کی ہے۔ ان کی پیدائش ۲۵ اگست ۱۹۲۵ کو موضع مکند پور جالندھر پنجاب میں ہوئی تھی۔ کالی داس گپتا کے آباؤ اجداد ہریانہ سے ہجرت مکند پور جالندھر میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ اس شہر میں انہیں دولت و ثروت کے ساتھ ساتھ عزت و شہرت بھی ملی تھی۔ خاندانی پیشہ ساہوکاری تھا۔ رضا کے والد کا نام لالا شنکر داس تھا جو اردو اور فارسی کے عالم تھے۔ کالی داس گپتا تقریباً گیارہ بارہ برس کی عمر سے شعر کہنے لگ گئے تھے اور شروع شروع میں کسی سے اصلاح نہیں لی مگر پندرہ برس کی عمر میں جب یہ مڈل اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ ان کی شاعری کو دیکھ کر اسکول کے استاد نے رضا کو لالہ جگن ناتھ کمالؔ شاگردِ جوشؔ ملسیانی کی شاگردگی اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا جسے رضؔا نے قبول کر کے کمالؔ کی شاگردگی اختیار کر لی تھی اور شاعری کی شروعات مرثیے سے کی اور بعد میں جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی مگر محبوب صنف سخن غزل ہی رہی تھی۔

کالی داس گپتا رضؔا کا خاندانی پیشہ تجارت تھا اور اسی سلسلے میں ۱۹۴۹ء میں مشرقی افریقہ چلے گئے تھے۔ مشرقی افریقہ کے شہر نیروبی میں قیام کیا تھا۔ دولت شہرت اور عزت ہونے کے باوجود بھی پردیس میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رضؔا کے والد کی خواہش تھی کہ ان کا سپوت اپنی ایک الگ ہی دنیا بسائے مشرقی افریقہ

جانے سے قبل جو انہیں اردو شعر و ادب سے محبت اور شغف تھا مشرقی افریقہ میں دوران قیام کم نہ ہوا بلکہ مزید اس میں نکھار آیا اور توسیع بھی ہوئی ان کے مشرقی افریقہ کے قیام اور شاعری کے بارے میں عبدالقوی دسنوی لکھتے ہیں کہ:

''پیشے کے اعتبار سے تاجر تھے افریقہ میں وہ اپنی شاعری کو فروغ دیتے رہے اور شاعری سے دلچسپی لیتے رہے شاعری کی ابتداء ہندوستان میں ہی ہوئی تھی افریقہ کی خشک زمین پر پروان چڑھاتے رہے ماہانہ مشاعرے منعقد کرواتے رہے اور شعر و شاعری کی محفلیں جماتے رہے''

(محقق غالبؔ کالی داس گپتا رضا، ص۵۱، ۱۹۹۲ء)

مشرقی افریقہ میں ہی ۱۹۵۶ء میں ساوتری دیوی (جو ایک پنجابی خاتون تھیں) سے شادی ہوئی تھی۔ ۲۱ برس کے طویل قیام کے بعد مشرقی افریقہ سے ہمیشہ کے لیے اپنے وطن ہندوستان آ کر ممبئی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مشرقی افریقہ میں قیام کے دوران صرف ایک بار ۱۹۶۳ء میں مختصر سی مدت کے لیے ہندوستان آئے تھے اور واپس مشرقی افریقہ لوٹ گئے۔ مشرقی افریقہ میں ان کی کتابوں کا بیشتر حصہ انگریزی کتابوں پر مشتمل تھا اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ:

''میں جون ۱۹۴۹ء کو مشرقی افریقہ چلا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں واپس لوٹا اور بمبئی میں سکونت اختیار کر لی اور جب سے اب تک بمبئی میں رہ رہا ہوں''

''افریقہ کا کتب خانہ وہیں چھوڑ آیا تھا جو ۹۵ فیصد انگریزی کتابوں پر مشتمل تھا یہاں آ کر از سرِ نو کتب خانے کی بنیاد ڈالی''

بحوالہ (کالی داس گپتا رضا، ظفر ادیب ص۱۵، ۱۹۸۲ء)

کالی داس گپتا رضاؔ جو شاعر، ادیب، محقق اور ماہر غالبیات کے ساتھ ساتھ ایک بڑے بیوپاری بھی تھے تاعمر اردو شعر و ادب کی آبیاری کرتے رہے۔ انہوں نے بے شمار نادر و نایاب کتابیں جمع کر کے اپنے کتب خانے میں رکھی اور مطالعہ کر کے ان سے استفادہ بھی کیا تھا۔ اردو شعر و ادب اور اردو تحقیق و تنقید کی خوش بختی کے اسے وقتاً فوقتاً بڑے ہی قابل سرپرست میسر ہوئے ہیں اور امید ہے آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہیں خدا واسطے کی اور بے لوث

محبت کرنے والے بھی اسے میسر رہے ہیں۔اردو سے خدا واسطے کی محبت کرنے والوں میں ایک اہم نام کالی داس گپتا رضؔا کا بھی ہے۔ جو پیشے سے تو بیوپاری تھے مگر دفتر میں بھی اردو کتابوں کے مطالعے میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔اردو سے انہیں والہانہ محبت تھی گویا اردو ان کا عشق تھا۔اردو سے کس درجہ محبت تھی یہ تو ان کے کاموں سے ہی ظاہر ہے۔ان کے خاندان میں اردو اور فارسی سے صرف ان کے والد ہی واقف تھے اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

''میرے دادا اردو سے تقریباً ناواقف تھے اور ان کے بھائی یعنی میرے دادا کے چھوٹے بڑے بھائی بھی اردو سے ناواقف تھے ۔معمولی شدبد انہیں ہوگی۔لیکن میرے والد اردو فارسی کے عالم تھے وہ پڑھے لکھے بھی خوب تھے۔ گورنمنٹ کرسچن کالج لاہور کے گریجویٹ تھے۔لمبی عمر پائی انہوں نے میں سمجھتا ہوں یہ اردو فارسی کی لگن مجھے وہیں سے ملی''

(کالی داس گپتا رضا، شمیم طارق، ص ۱۱، ۲۰۰۴ء)

خاندانی وراثت میں ملی تجارت کو تو رضا نے چار چاند لگا دیے تھے۔مگر باپ سے ملی وراثت میں اردو و فارسی میں اور بطور خاص اردو تحقیق کے میدان میں کافی نام کمایا ہے۔اردو کے بڑے شاعر میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ ایسے خوش بخت اور دائمی زندگی پانے والے شاعر و ادیب ہیں ۔جنہیں اپنی زندگی میں بھی شہرت اور عزت ملی اور بعد از مرگ بھی ان کی عظمت میں اضافہ ہوتا گیا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان میں ان شعراء پر بہت تحقیقی وتنقیدی کام ہوئے ہیں ۔ ہندوستان میں غالبیات پر زیادہ کام کرنے والوں میں رضا کا نام بہت اہمیت رکھتا ہے اور غالبؔ پر ان کا کام بھی اہمیت کا حامل ہے۔

کالی داس نے تقریباً ۴ درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف کی جو تحقیق ،تنقید اور تدوین پر مشتمل ہیں۔غالبیات ان کا پسندیدہ موضوع تھا اور اس موضوع پر یعنی غالبیات پر ان کی تقریباً بیس کتابیں شائع ہوئی ہیں۔اس سلسلے میں متعلقات غالبؔ، آب حیات میں ترجمہ غالبؔ، دعائے صباح، غالبیات چند عنوانات، دیوانِ غالبؔ، دیوان غالبؔ عکسی متداول تاریخی ترتیب سے، غالبؔ درون خانہ،، غالبؔ کی بعض تصانیف، پنج آہنگ میں مکاتیب غالبؔ، غالبیات شخصی اور غیر شخصی حوالے، دیوان غالبؔ کامل نسخہ گپتا رضا پا (نچواں ایڈیشن باتصویر) وغیرہ کتابیں ہیں۔غالبیات کے علاوہ اقبالؔ

چکبستؔ اور فراقؔ وغیرہ پر تحقیقی کتب شائع کی گئی ہیں۔مگر اصل میدان غالبیات ہی رہا ہے۔دیگر کتابوں میں قدسیؔ الہ آبادی اور نعت قدسیؔ، ہندوستانی مشرقی افریقہ میں،منشورات جوشؔ ملسیانی،مکتوبات جوشؔ ملسیانی چکبستؔ اور باقیات چکبستؔ ذوقؔ دہلوی معتبر کوائف،کلیات چکبستؔ اور مقالات چکبستؔ وغیرہ ہیں۔کالی داس گپتا رضاؔ کی زندگی کا بیشتر حصہ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ساری زندگی تصنیف وتالیف وتدوین اور کتابوں کی اشاعت میں گزری تو بے جانہ ہوگا۔رضاؔ کی لائبریری میں نادرونایاب کتابوں اور مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ تھا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں کس قدر کتابوں سے پیار تھا۔

مندرجہ بالا جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعارف کیا اگر سرسری تعارف بھی کیا جائے تو ایک الگ باب درکار ہوگا البتہ چند کتب کا سرسری تعارف پیش کرنے کی سعی کروں گا۔

متعلقات غالبؔ: غالبیات کے سلسلے کی پہلی کتاب ہے۔اس کتاب میں غالبؔ سے متعلق تحقیقی مضامین ہیں اور یہ ۷۴ اصفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں شامل مضامین عام دلچسپی کے نہیں ہیں۔ان مضامین سے صرف محققین غالبؔ ہی مستفید ہوسکتے ہیں۔اس کتاب میں شامل مضامین کے ذریعے کالی داس رضا نے غالبؔ سے متعلق کافی اغلاط کو دور کیا اور کئی نئے حقائق کو ظاہر کیا گیا ہے۔یہ کتاب ول پبلی کیشنز بمبئ سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

چکبستؔ اور باقیات چکبستؔ: چکبستؔ اردو کے کافی مشہور شاعر ادیب اور نقاد تھے مگر عمر نے وفا نہ کی اور محض ۴۴ برس کی عمر میں اس دنیائے فانی سے چل بسے تھے۔اس کتاب میں چکبستؔ کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے پہلے حصے میں ان کی حیات دوسرے حصے میں نثر ونظم اور تیسرے اور آخری حصے میں کتابیات اور اشاریہ اشخاص درج ہیں۔دوسوستر صفحات پر مشتمل یہ کتاب ول پبلی کیشنز بمبئ سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی تھی۔اس کے علاوہ کلیات چکبستؔ کو جو نثر ونظم پر مشتمل ہے ترتیب دے کر ساکار پبلیشرز بمبئ سے ۱۹۸۱ء میں شائع کیا تھا۔یہ کتاب ۳۹۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

غالبؔ درون خانہ: اس کتاب کے شائع ہونے سے قبل حیات غالبؔ سے متعلق کافی کتب شائع ہو چکی تھی مگر تحقیق حرف آخر نہیں ہے کالی داس گپتا کی یہ کتاب غالبؔ کی زندگی کے متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے اس کتاب میں

بھی حیات غالبؔ کی مکمل تصویر کشی نہیں کی گئی مگران سے متعلق کچھ ایسا مواد ہے جو اس سے قبل کسی کتاب میں شامل نہیں تھا۔ زیر بحث کتاب سترہ مضامین پر مشتمل ہے غالبؔ کی زندگی، خاندان، بیوی، مذہب، گھریلو مسئلے، وغیرہ عنوانات ہیں۔ جن کا غالبؔ کی ذاتی زندگی سے تعلق ہے اسی لیے اس کتاب کا نام غالب درون خانہ رکھا گیا اس کتاب کے متعلق اور اپنی تحقیق سے رضا پر اطمینان تھے اور لکھتے ہیں کہ:

> ''مجھے اپنی اس کاوش سے اطمینان تو ہے مگر میں اس وہم میں مبتلا نہیں ہوں کہ اسے حرف آخر کہہ سکوں۔ اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ خوبیوں کو (اگر ہوں) بھلے ہی دل میں سراہ کر رہ جائیں مگر خامیوں کو مجھ تک پہنچانے میں ہرگز پس وپیش نہ کریں۔ میں آپ کا ممنون ہوں گا''

(غالب درون خانہ ص۹، ۱۹۸۹)

تقریباً تین سوبیس صفحات پر مشتمل یہ کتاب ساکار پبلیشرز بمبئی سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

خاقانی ہند ذوق دہلوی: شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ اپنے عہد کے مقبول ومشہور درباری شاعر تھے۔ ذوقؔ کو عوام وخواص میں جو مقبولیت حاصل تھی وہ ان کے ہم عصر شاعروں کے حصے میں کم ہی آئی تھی۔ ذوقؔ غالبؔ کے ہم عصر تھے اور غالب پر رضاؔ نے کافی کام کیا تھا انہیں یہ محسوس ہوا کہ غالبؔ کے ہم عصروں کو بھی موضوعِ تحقیق بنایا جائے۔ لہذا ذوقؔ اور داغؔ پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا۔ خاقانی ہند ذوقؔ دہلوی کے نام سے کتاب تصنیف کی اور اس کتاب کو دو حصوں یعنی توقیت ذوقؔ میں ذوقؔ کے سوانحی اشارے اور کلام کے ماخذ، ذوقؔ کے تلامذہ کی مختصر فہرست، تذکروں میں ذوقؔ اور غالبؔ کی شاعرانہ حیثیت پر مختصر گفتگو کی ہے۔ دوسرا حصہ کلام ذوقؔ پر مشتمل ہے جسے تذکروں، دہلی اردو اخبار کے علاوہ تالیفات و غیرہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ نگارستان سخن کے علاوہ دیوان ذوقؔ نسخہ ویرانؔ سے بھی کلام شامل کیا گیا ہے۔ رضاؔ نے ذوق کے متعلق ایسے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے جن سے ذوقؔ کی شخصیت اور فن پر مزید روشنی پڑی ہے۔ ذوقؔ کے مطالعے کے سلسلے میں کافی اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں انجمن ترقی اردو ہند دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

جہانِ استاد داغؔ دہلوی: داغؔ دہلوی اردو غزل کے ایک بڑے شاعر تھے۔ غالبؔ کے ہم عصروں میں کالی داس

گپتا رضاؔ نے جہان استاد داغؔ دہلوی (داغیات اور انتخاب غزلیات) کے نام سے کتاب کی اشاعت کی تیاری میں تھے کہ رسالہ اسباق جس کے سرپرست بھی تھے کے مدیران نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس تحقیقی کام کو رسالہ اسباق کے ذریعہ سے ہی قارئین تک پہنچایا جائے۔ لہٰذا رضاؔ نے ان کی اس خواہش کو پورا کرتے ہوئے کتاب کا مسودہ مدیران کے حوالے کر دیا تھا۔ اس طرح یہ کتاب رسالہ اسباق اپریل، مئی، جون ۱۹۹۷ء کے شمارے میں چھپی تھی۔ اس کے پہلے حصے میں داغیات یعنی داغؔ کی زندگی، دلی دربار، آباؤ اجداد، داغؔ اور غالبؔ وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے حصے میں غزلیات کا انتخاب ہے۔ گلزار داغؔ، آفتاب داغؔ، مہتاب داغؔ اور یادگارِ داغؔ وغیرہ شامل ہیں۔

گپتا رضاؔ تقریباً ۲۱ سال مشرقی افریقہ میں رہے مگر وہاں انہوں نے کوئی تحقیقی کام نہ ہی سر انجام دیا اور نہ اس طرف توجہ کی وہاں صرف شعر کہتے رہے اور شعری محفلیں سجاتے رہے۔ ہندوستان لوٹے اور تحقیقی میدان میں ایسا قدم رکھا کہ جس پر اردو تحقیق بھی ناز کرتی ہے۔ وسیع مطالعہ کیا ہوا تھا اور کر بھی رہے تھے اور پھر ان کی یکے بعد دیگرے تحقیقی تصانیف منظرِ عام پر آنے لگیں ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ:۔

> ''افریقہ میں رضاؔ صاحب محض شاعر تھے ہندوستان آنے کے بعد آپ کا ادبی محقق کا روپ سامنے آیا۔ غالبؔ کے علاوہ بھی آپ کے تحقیقی مضامین کی تعداد اتنی ہے کہ ایک اوسط حجم کا مجموعہ تیار ہوسکتا ہے۔ انیسویں صدی کی ادبی تاریخ میں آپ گہری نظر رکھتے ہیں''

(متعلقات غالب، ص۱۲، ۱۹۷۸)

ڈاکٹر گیان چند جین نے جب یہ بات کہی تھی تب رضاؔ کی صرف غالبیات سے متعلق ایک عدد کتاب اور متعدد مضامین کے علاوہ دوسرے اصحاب پر بھی تحقیقی مضامین تھے مگر اس کے بعد ان کی کثیر تعداد میں تحقیقی کتب سامنے آئی تھیں۔ آخر کار ۲۰۰۱ء میں اردو کا یہ مردِ مجاہد اور اردو سے بے لوث محبت کرنے والا ۷۶ برس کی عمر پا کر اردو کی خدمات انجام دیتے ہوئے اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ ان کی وفات سے اردو ادب خاص کر اردو تحقیق اور غالبیات کو ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ رضا پر لکھی گئی کتابوں میں جہانِ گپتا رضاؔ، محقق غالبؔ کالی داس گپتا رضاؔ، نازشِ ادب کالی داس گپتا رضا، کالی داس گپتا رضا تحقیق و تالیف، کالی داس گپتا رضا شخص اور شاعر، کالی داس گپتا رضاؔ ہندوستانی ادب کے معمار وغیرہ

شامل ہیں۔ان میں سے بعض کتب ان کی زندگی میں ہی لکھی گئیں تھیں اور کچھ وفات کے بعد منظرِ عام پر آئی تھیں۔ متعدد رسالوں نے بھی آپ کی شخصیت اور فن نمبر نکالے ان میں تناظر، اسباق، اردو دنیا اور پرواز ادب وغیرہ شامل ہیں ۔جامعات نے بھی ان پر پی ایچ ڈی کی اسناد اسکالرز کو عطا کی گئیں ہیں۔

آزاد گلاٹی

آزاد گلاٹی کا نام پنجاب سے تعلق رکھنے والے اردو کے بہترین شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔آپ کا اصلی نام ایل۔ کے۔گلاٹی تھا۔مگر اردو دنیا میں آزاد گلاٹی کے نام سے جانے جاتے تھے اور اب بھی اسی نام سے مشہور ہیں۔آزاد گلاٹی کی پیدائش برطانوی پنجاب کے ضلع میانوالی کے ایک قصبہ کالا باغ میں ۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء کو ہوئی تھی۔آزاد گلاٹی اپنی پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''آج ایک بار پھر جب میں اس kaleidoscope میں دیکھنے لگا ہوں تو سب سے پہلے بے حد خوبصورت شہر کا منظر سامنے آنے لگا ہے۔دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر یہ شہر پہاڑ کے دامن میں آباد ہے اور یہ شہر ہے کالا باغ۔جہاں نہ جانے کتنے جنموں کے سفر کے بعد میری روح نے ۱۹۳۵ء میں خاکی پیکر اختیار کیا''

(پرواز ادب، آزاد گلاٹی نمبر ص ۱۲۸ نومبر دسمبر ۱۹۹۰)

جب تقسیم ہند کا سانحہ پیش آیا اس وقت آزاد گلاٹی کی عمر محض گیارہ برس تھی اور ایم بی ہائی اسکول کالا باغ میں زیرِ تعلیم تھے۔اس سانحہ سے لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ان ہی ہجرت کرنے والوں کے ہمراہ آزاد گلاٹی کا خاندان بھی ۱۹۴۷ء میں ہجرت کی تکالیف اور سختیاں برداشت کرتا ہوا ہندوستان پہنچا۔آزاد کے والد ہجرت کے وقت پاکستان میں ہی رہ گئے تھے مگر چند مہینوں کے بعد ہندوستان میں اپنے خاندان اور عزیز و اقارب میں خیر و عافیت لوٹ آئے تھے۔تقسیم کا نقشہ آزاد گلاٹی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔لکھتے ہیں کہ:۔

''تقسیم کے وقت نواب صاحب نے بھی غیر مسلم لوگوں کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام کر دیا اور وہاں وہی چند لوگ مارے گے جو ان حفاظتی دائروں سے باہر نکل گئے۔اسی شہر میں میں

نے ایک انسانی درندے کوایک معصوم شخص کا پیٹ چاک کرتے بھی دیکھا اور ایک فرض کے لئے قربانی دینے والے شخص کو بھی دیکھا ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء وہ رات بھی میرے احساس پر ثبت ہے جب بہت سے لوگوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا تھا۔نواب صاحب نے ہمارے گھر پر جو حفاظتی دستہ تعینات کررکھا تھا اس کے ایک سپاہی مولا دین نے حملہ آوروں کے سر غنہ اپنے اکلوتے بہنوئی کو گولی کا نشانہ بنا دیا تھا کہ وہ اپنے فرض کو تبھی رشتوں سے مقدس سمجھتا تھا"

(پرواز ادب،آزادگلاٹی نمبر ص ۱۲۸ نومبر دسمبر ۱۹۹۰)

ہندوستان آکر پہلے ہوشیار پور میں چند ماہ قیام کرنے کے بعد نابھہ چلے آئے اوراسی شہر کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنا لیا تھا۔نابھہ کے اسکولوں کے علاوہ بھی مختلف اسکولوں میں زیر تعلیم رہے اور ایم۔اے کی ڈگری ہوشیار پور کے ایک کالج سے حاصل کرنے کے بعد پہلی ملازمت انگریزی لیکچرر کے طور پر سرسدھار کالج لدھیانہ میں ملی تھی۔اس ملازمت کے دوران لدھیانہ میں قیام کرنے کا موقع ملا تھا۔لدھیانہ میں قیام،احباب اوراپنے ادبی سفر کے بارے میں ان الفاظ میں رقم طراز ہیں:۔

"پنجابی کے مشہور ادیب سنت سنگھ سیکھوں کے ساتھ لدھیانہ سے کالج تک اور ایک بے حد مخلص دوست پال کی صحبت یہ سبھی لدھیانے کی عطا بن کر میرے ذہن ودل میں محفوظ ہیں۔ تخلیقی سرگرمیوں کی ابتداء،خود پر اعتماد اور اپنی صلاحیتوں کا پہلی بار بھر پور احساس بھی میرے لئے اسی شہر کی فضا کا فیض ہے"

(پرواز ادب،آزادگلاٹی نمبر ص ۱۳۰ نومبر دسمبر ۱۹۹۰)

شہر نابھہ میں واپسی ہوئی اور گورنمنٹ کالج نابھہ کے شعبہ انگریزی میں لیکچرر مقرر ہوئے ترقی کرتے کرتے اسی شعبہ کے صدر کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے تھے۔شہر نابھہ میں قیام اور ملازمت کے بارے میں ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''میری ازدواجی زندگی، سرکاری ملازمت کی ابتداء، بچوں کی پیدائش، ان کی تعلیم اور سبھی کچھ تو اسی شہر میں ہوا۔ یہاں آسودگی اور سکون کے احساس نے مجھے باقاعدہ طور پر تخلیقی اور ادبی سرگرمیوں کی طرف مائل کر دیا نابھہ نے مجھے قید نہیں کیا بلکہ پرواز کے لیے پر دیئے تا کہ میں ایک آزاد پرندے کی طرح اس کے مدار سے نکل کر انجانی فضاؤں سے بشارت اور تازگی حاصل کر کے پھر یہیں آتا رہوں میری ذاتی، ادبی اور معاشی زندگی میں اسی طرح رچ بس گیا ہے کہ میرے شہرِ آرزو کا مستقبل بھی اسی سے وابستہ نظر آتا ہے''

(پرواز ادب، آزاد گلاٹی نمبر ص ۱۳۱ نومبر دسمبر ۱۹۹۰)

آزاد گلاٹی نے انگریزی ادب میں ایم۔اے کیا اور اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ انگریزی کی تعلیم و تدریس میں گزارا ہے۔مگر شاعری کے لئے اردو زبان منتخب کی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر کا ماحول اردو کا تھا۔آزاد گلاٹی نے اردو میں اپنی شناخت مشرقی پنجاب کے بہترین شاعر کے طور پر بنائی ہے۔آزاد گلاٹی کے متعدد شعری مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ان میں ''آغوشِ خیال'' ۱۹۶۴ء، ''بن باس'' ۱۹۷۱ء، ''تکون کا کرب'' ۱۹۷۳ء اور ''آبِ سراب'' ۱۹۹۵ء ہیں۔ محکمہ السنہ پنجاب نے ان کی شاعرانہ عظمت کو سراہتے ہوئے اور اعتراف کرتے ہوئے ۹۰۔۱۹۸۹ کے لیے انہیں بہترین شاعر قرار دیا تھا اور دس ہزار روپے بطور انعام بھی دیے تھے۔

آزاد گلاٹی صرف اردو کے شاعر ہی نہیں بلکہ ادیب، ناقد اور محقق بھی تھے۔مختلف زبانوں پر عبور حاصل تھا۔آزاد گلاٹی نے اپنے اظہارِ خیال کے لئے اردو، انگریزی، ہندی اور پنجابی زبانوں کو مستعمل کیا تھا۔ان زبانوں میں تحقیقی و تنقیدی مضامین بھی لکھتے تھے۔روزنامہ ٹریبیون میں انگریزی کتب کے علاوہ اردو ادیبوں اور شاعروں پر بھی مضامین لکھ کر دوسری زبانوں میں متعارف کروانے کا کام بھی کرتے رہے۔کتابوں سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔انھیں کتابوں کے مطالعے نے انہیں وسیع النظر بنایا تھا ایک انٹرویو میں ڈاکٹر طارق کفایت کے سوال کا جواب دیتے ہوئے آزاد گلاٹی نے کہا تھا کہ:۔

''میں نے حتیٰ الوسع یہ کوشش کی ہے کہ انگریزی اور ہندی میں اردو ادب کے بارے

میں خصوصاً پنجاب کے اردو ادب کے بارے میں مضامین لکھ کر اسے ان لوگوں تک متعارف کرو جو اردو نہیں جانتے ۔اس سلسلے میں میں نے کتابوں پر مفصل تبصرے لکھے ہیں ۔انگریزی میں ایسے مضامین کا ایک مجموعہ تیار ہے کب شائع ہوگا یہ نہیں کہہ سکتا''

(پرواز ادب، آزاد گلاٹی نمبر ص ۳۳ نومبر دسمبر ۱۹۹۰)

کرشن ادیب بھی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''آزاد گلاٹی اپنی صلاحیتوں کا اظہار شاعری کے علاوہ بھی مختلف اصناف میں کرتا ہے اسے کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے ۔لہذا وہ ان زبانوں میں تنقیدی مضامین لکھتا ہے ۔روز نامہ ٹربیون میں انگریزی کتب پر تبصرہ کرتا ہے ۔اردو ادیبوں اور شاعروں پر آرٹیکل لکھ کر انہیں دوسری زبانوں میں متعارف کراتا ہے'

(پرواز ادب، آزاد گلاٹی نمبر ص ۲۰-۱۹ نومبر دسمبر ۱۹۹۰)

اردو تحقیق وتنقید کی شکل میں ان کے مختلف موضوعات پر لکھے گئے مضامین اذکار اور افکار کے نام سے شائع ہوئے ہیں ۔ان دونوں کتابوں کا مختصر تعارف کرنے کی کوشش کروں گا۔

اذکار: آزاد گلاٹی کے تنقیدی و تحقیقی مضامین پر مشتمل کتاب ہے ۔اس میں میں کل چھ مضامین ہیں ۔کتاب میں شامل مضامین موضوع اور مواد کے لحاظ سے اگر چہ مختلف رنگ بلکہ یہ کہا جائے کہ چھ رنگ ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا لیکن مزاج کے اعتبار سے صرف دو ہی تحقیقی اور تنقیدی رنگ ہیں ۔اس میں شامل مضامین اردو ادب میں قومی یکجہتی اور آزادی کے بعد پنجاب کا اردو شعری ادب کافی طویل اور مفصل ہیں ۔باقی پنجاب کا کلچر اور اردو ادب، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں پنجاب کا اردو ادب، پرچھائیں ایک تجزیاتی مطالعہ اور آخری مضمون بمل کرشن اشک حیات اور شاعری مختصر مضامین ہیں ۔یہ تمام مضامین معلوماتی ہیں ان مضامین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا لکھنے والا کس قدر ادبی محقق اور ادب شناس ہوگا۔آزاد گلاٹی کی یہ کتاب جو ۱۱۴ صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۸۷ء میں طالب پریس سہارنپور سے شائع ہوئی تھی ۔

اظہار: آزاد گلاٹی کی دوسری تحقیقی وتنقیدی مضامین پر مبنی کتاب ہے ۔۱۳۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۶ء میں

ماڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔اس کتاب میں شامل مضامین کی تعداد بارہ ہے اور سبھی تحقیقی وتنقیدی نوعیت کے ہیں ان مضامین میں علاقائی ادب، مختلف اشخاص اور اصناف ادب پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔آزاد گلاٹی کی تحقیق کے بارے میں ڈاکٹر طارق کفایت اللہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''آزاد صاحب ہمارے ان شعراء میں ہیں جنہوں نے شعر گوئی کے ساتھ ساتھ تنقید وتحقیق کو بھی اپنا میدان بنایا ہے۔ان کا مطالعہ مغرب ومشرق کے ادب کا بہت گہرا ہے اور ادبی تاریخ کی ارتقاء پر بھی ان کی نظر ہے۔اس لیے انہوں نے پنجاب کے اردو زبان وادب پر مختلف زاویوں اور فاصلوں سے روشنی ڈال کر اس کی روح سے آشنائی کی اور اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگایا ہے''

(اذکار، آزاد گلاٹی ص ۸)

آزؔاد گلاٹی کی سرزمین پنجاب سے والہانہ محبت ایک یہ دلیل بھی ہے کہ وہ اردو کے دوسرے ادیبوں کی طرح جو پاکستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آنے پر ہندوستان کے مختلف شہروں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے مگر آزؔاد پاکستانی پنجاب سے ہجرت کر کے ہندوستانی پنجاب یعنی مشرقی پنجاب میں رہائش پذیر ہوئے تھے اور آخری وقت اسی حصے میں رہے۔ان کی کتابوں اور تحقیقی وتنقیدی مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پنجاب کے اردو ادب کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہوا تھا اور اپنی تحقیق کا موضوع بھی اسی خطے کے اردو ادب کو بنایا تھا۔ڈاکٹر انور سدید اردو کے تمام آزادوں یعنی جن کے نام کے ساتھ آزؔاد آیا ہے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''محمد حسین آزؔاد نے پیمبری فریضہ اپنی نظم ونثر کی بے پناہ صلاحیت سے ادا کیا۔ابوالکلام آزؔاد نے صحافت کو پیغام رسائی کا مسئلہ بنایا اور پھر اس میں سیاست کی جہت شامل کر لی۔ جگن ناتھ آزؔاد نے انسان دوستی کی شمع اقبال سے حاصل کی اور پھر اولمپک کی مشعل کی طرح ہاتھ میں لے کر ملک ملک شہر شہر گھومنے لگے۔آزاد گلاٹی نے یہ کام اردو غزل کو مئے جادو سے روشناس کرا کے سرانجام دیا اور اب نابھہ جیسے دور افتادہ شہر میں بیٹھ کر وہ اپنی شاعری

سے بڑے بڑے شہروں کے شاعروں متاثر کر رہے ہیں''

(آب سراب، آزاد گلاٹی ص۱۲، ۱۹۹۲ء)

پروفیسر آزاد گلاٹی نے انگریزی زبان وادب کے پروفیسر ہوتے ہوئے بھی اردو میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ایک انٹرویو میں جب طارق کفایت اللہ نے آزاد گلاٹی سے یہ سوال پوچھا ''کہ آپ نے انگریزی ادب میں ایم اے کیا اسی کی تعلیم وتدریس میں آپ کی عمر کا بیشتر حصہ گزرا پھر آپ نے اردو ادب بالخصوص اردو شاعری کی طرف کیوں آئے؟' تو ان کے جوابی الفاظ یہ تھے:۔

''اردو شاعری کی طرف آنے کا سوال اس لیے پیدا نہیں ہوتا کہ اردو شاعری سے میں کہیں گیا ہی کب تھا۔میرے گھر کے ماحول میں اردو ادب رچا بسا ہوا تھا اور ظاہر ہے اس ماحول کا اثر مجھ پر ہونا ہی تھا۔میں انگریزی میں بھی لکھتا رہتا ہوں لیکن سچ مانیے جو تسکین اردو میں شعر کہنے سے ملتی ہے وہ میرے تخلیقی انبساط کا بیش بہا سرمایا ہے''

(پرواز ادب، آزاد گلاٹی نمبر ص۳۲ نومبر دسمبر ۱۹۹۰)

مشرقی پنجاب کے اردو ادب نوازوں میں آزاد گلاٹی کا نام اور مقام کافی بلند ہے۔جیسے ایک روایت چلی آرہی ہے کہ اردو کی اہم شخصیات کے متعلق کوئی نہ کوئی اردو کا رسالہ خاص نمبر نکالتا رہتا ہے۔اسی طرح آزاد گلاٹی کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے بھاشا وبھاگ پٹیالہ سے شائع ہونے والے ادبی رسالے ''پرواز ادب'' نے ''آزاد گلاٹی نمبر'' نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء میں نکالا تھا۔

آزاد گلاٹی کے اردو مضامین جو پرواز ادب میں میں ۱۹۷۹ء سے ۲۰۰۴ء تک شائع ہوتے رہے ہیں ان کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے۔پنجاب میں نئی اردو غزل، دور حاضر کی غزل کے رجحانات، اردو ادب کو منشی پریم چند کی دین، پرچھائیاں ایک تجزیاتی مطالعہ، اردو ادب اور قومی یکجہتی، اردو افسانے کا ارتقائی سفر، اردو پنجاب کا مشترکہ تہذیبی ورثہ، پنجاب کا نثری ادب آزادی کے بعد، پنڈت جواہر لال نہرو اور جذباتی یکجہتی، کچھ منٹو کے بارے میں، خمار سے ملئے، دل دریا کے نسوانی کردار ایک تجزیہ، کرشن ادیب کی شعری کائنات ایک طائرانہ نظر، ڈاکٹر کیول دھیر کی کشادہ

نظری کا اظہار نامہ، مشترکہ مٹی کی مہک، اردو کہانی کے استحکام کا محافظ تخلیق کار آر ڈی شرما تاثیر وغیرہ مضامین ہیں۔ پرواز ادب کے علاوہ بھی مضامین بھی دوسرے رسائل اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہوں گے۔لیکن میری رسائی صرف اس رسالہ کے مضامین تک ہوئی ہے مذکورہ مضامین میں سے پنڈت نہرو اور گاندھی جی کے مضمون کے علاوہ تمام مضامین ادبی ہیں اور ان کا تعلق بھی پنجاب اور بالخصوص مشرقی پنجاب کے شعروادب سے ہے۔

امرت لعل عشرتؔ

ڈاکٹر عشرت کا اصلی نام امرت لعل مدھوک تھا۔عشرتؔ تخلص استعمال کرتے تھے۔ان کی ولادت ۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو لاہور میں ہوئی تھی۔گوجرانوالہ میں پلے بڑھے اور تعلیم بھی وہی سے حاصل کی ان کے آباؤ اجداد کو شاعری موسیقی اور نغمہ وغیرہ سے بے حد لگاؤ تھا۔اگر یہ کہا جائے کہ اس کے شوقین تھے تو بے جا نہ ہوگا۔امرت لعل کے والد گوردھن لعل مدھوک لاہور ہائی کورٹ میں وکیل تھے اور ان کا شمار اس وقت لاہور کے نامی گرامی وکیلوں میں ہوتا تھا۔تقسیم ہند کا سانحہ ہوا عشرت اپنے خاندان کے ساتھ لاہور سے ہجرت کر کے ہندوستان چلے آئے تھے اور ہندوستانی پنجاب میں ہی سکونت اختیار کی تھی۔عشرتؔ کو شعروشاعری اور موسیقی کا ذوق وشوق بچپن سے ہی تھا جو ہندوستان آکر بھی برقرار رہا۔ہجرت کے وقت ان کی عمر محض سترہ اٹھارہ برس تھی اس لیے ابھی تعلیم بھی مکمل نہیں ہو پائی تھی۔ہندوستان آکر عشرتؔ نے پہلے فارسی میں ایم۔اے کیا پھر اردو اور تاریخ میں اس طرح عشرت نے تین ایم اے کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز کالج لیکچرر کے طور پر کیا تھا۔ان کے بچپن سے لے کر عملی زندگی کے آغاز تک کے سفر کو ڈاکٹر طارق کفایت اللہ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ چند سطروں میں سمیٹا ہے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ڈاکٹر عشرت کی پیدائش ۲ نومبر ۱۹۲۹ کو لاہور کے نامی وکیل جناب گوردھن لعل مدھوک کے گھر ہوئی۔ابتدائی تعلیم کے مراحل لاہور میں ہی طے ہوئے پھر تقسیم ملک کے صدمے کا شکار ہو کر لاکھوں شرنارتھیوں کے ساتھ وطن عزیز کو چھوڑ کر عشرت صاحب کا خاندان بھی مشرقی پنجاب میں آبسا۔یہاں پہنچ کر انہوں نے یکے بعد دیگرے فارسی اردو اور تاریخ کے مضامین میں ایم۔اے کی اسناد حاصل کیں اور کالج لیکچرر کے طور پر اپنی عملی زندگی کا آغاز

کیا''

(مجلّہ، نثر نگاران مالیر کوٹلہ، ص ۵۸)

اس کے بعد گورنمنٹ کالج مالیر کوٹلہ کے فارسی و اردو شعبے کے صدر کی حیثیت سے بھی ذمہ داریاں نبھائیں۔عشرتؔ کو مطالعے کا بے حد شوق تھا علمی وادبی پیاس از حد درجہ کی تھی۔اردو اور فارسی زبان کی تاریخ کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا۔اپنے تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھانے کی خاطر ملازمت کے دوران ہی بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبہ اردو فارسی میں پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا اور "پنجاب میں اردو شاعری کا ارتقاء (۱۹۴۷ء تک) کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی مگر تعلیمی سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا۔گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ڈاکٹر عشرت کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے یعنی فارسی میں اعلیٰ تحقیق کے لیے ایران جانے کا موقع ملا تھا۔ایران میں عشرتؔ نے تہران یونیورسٹی سے "شعر فارسی در ہند از زمانہ پنجم تا آغاز قرن ہشتم" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا اور ڈی لٹ کی ڈگری سے سرفراز ہوئے ہوئے تھے۔ایران سے واپسی پر ڈاکٹر عشرتؔ جواب تک مالیر کوٹلہ میں ہی مقیم تھے اپنے بیوی بچوں کو لے کر اتر پردیش کے شہر وارانسی چلے گئے جہاں ۱۹۶۴ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبہ اردو فارسی وعربی زبانوں کا مشترکہ شعبہ تھا اردو کے لیکچر مقرر ہوئے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر علیم مسرور لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ایران میں تین سال مسلسل قیام کے دوران ڈاکٹر امرت لعل عشرت نے تہران یونیورسٹی سے فارسی میں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی اس کے بعد گزشتہ چار سال سے بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبہ اردو وفارسی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بنارس میں مقیم ہیں۔''

(سخنوران بنارس، امرت لعل عشرت)

جب ان شعبہ جات کی علیحدگی عمل میں آئی تو ڈاکٹر عشرت شعبہ فارسی کے ساتھ منسلک ہو گئے جہاں وہ عمر کے آخری ایام تک پروفیسر وصدر شعبہ کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ڈاکٹر عشرت کی وفات کے وقت عمر اٹھاون سال تھی۔۱۹۸۷ء میں ان پر ایک جان لیوا بیماری نے حملہ کر دیا جس کے بعد وہ جانبر نہ ہو سکے۔ابھی ملازمت سے سبکدوش بھی نہیں ہوئے تھے کہ دوران ملازمت ہی ۱۸ مئی ۱۹۸۹ء کو شہر بنارس میں آخری سانسیں لی تھیں۔

امرت لعل عشرتؔ علم وادب سے دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے شاگردوں کی بھی ہمیشہ رہنمائی کیا کرتے تھے۔ جب تک وہ مالیرکوٹلہ میں مقیم رہے تو انہوں نے مالیرکوٹلہ کی نوجوان نسل کو علم وادب کی طرف متوجہ کیا اور ان نوجوانوں کے ادبی شعور کو بیدار کرنے اور ان میں ادبی دلچسپی پیدا کرنے میں ایک اہم اور نا قابل فراموش کردار ادا کیا تھا۔ مالیرکوٹلہ میں موجود ان کے شاگرد آج بھی اپنے استاد کا نام عزت واحترام کے ساتھ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر طارق کفایت اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

''ایک استاد کی حیثیت سے ڈاکٹر عشرتؔ نے شہر کے نوجوانوں میں ادب سے دلچسپی اور ادبی شعور کی بیداری میں جو کردار ادا کیا وہ نا قابلِ فراموش ہے''

(مجلّہ، نثر نگاران مالیرکوٹلہ، ص ۵۸)

ڈاکٹر عشرت کو شکار کا بے حد شوق تھا یونیورسٹی سے واپس گھر لوٹنے پر اکثر شکار کرنے چلے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ گھر کے صحن اور چھت پر گملوں میں کھلنے والے پھولوں کی آبیاری بھی کیا کرتے تھے۔ شام کو اپنے دوستوں کے ساتھ باہر گھومنے یا سیر کرنے بھی اکثر جاتے تھے اور رات کو دیر تک مطالعہ کرنا اور تحقیقی مضامین لکھنا ان کے معمولات میں سے تھا۔ ڈاکٹر عشرت نے اردو اور فارسی ادب میں اپنی شناخت شاعر و ادیب محقق و ناقد کے طور پر بنائی تھی انہیں ادبی ذوق گویا وراثت میں ملا تھا۔ ہندوستان آنے سے قبل لاہور میں اردو کے عالموں اور اساتذہ مولانا تاجور نجیب آبادی اور مولانا شوق فتحپوری جیسی عظیم اور بلند مرتبہ ہستیوں کی شاگردگی اختیار کرنے کا موقع ملا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بہت چھوٹی عمر میں ہی تصنیفی میدان میں داخل ہوئے تھے۔ ابھی محض پندرہ سال کی عمر تھی کہ ان کے قلم سے نکلی پہلی تحریر لاہور سے نکلنے والے رسالے "بیسویں صدی" میں ۱۹۴۵ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد ان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین مختلف رسائل میں شائع ہونے شروع ہو گئے تھے۔۔ ڈاکٹر عشرت کی کتابوں میں ''بہار اردو''، اردو شاعری اور پنجاب ''ایران صدیوں کے آئینے میں''، ''سلسلہ مصحفی کے سخنوران بنارس'' اور ''مرزا غالبؔ'' ہیں۔ ان کتابوں کی نوعیت درسی، تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی ہے۔

''بہارِ اردو'' ڈاکٹر عشرتؔ کی پہلی کتاب جو درسی نوعیت کی ہے اور اسے ۱۹۵۷ء میں کالج میں تدریسی کے دوران

مرتب کیا تھا۔اس کتاب کو ہائی اسکول کے اردو طلباء کے لئے لکھا گیا تھا۔''اردو شاعری اور پنجاب'' بھی عشرت کی تصنیف کردہ کتاب ہے مگر دستیاب نہیں ہے اس لئے اس کا تعارف پیش نہیں کیا جا سکا۔لیکن قرین قیاس ہے کہ یہ کتاب انہوں نے پی ایچ ڈی کے لیے لکھے گئے مقالے''پنجاب میں اردو شاعری کا ارتقاء'' کو''اردو شاعری اور پنجاب'' کے نام سے شائع کروایا ہوگا۔

''ایران صدیوں کے آئینے میں'' ڈاکٹر عشرت کی یہ کتاب جو ایرانی تاریخ پر مبنی ہے اور ایران کی پچیس سو سالہ تاریخ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہندوستان کے فارسی ادب پڑھنے والے یا فارسی سے دلچسپی رکھنے والے تمام لوگ اس کتاب سے مستفید ہو سکتے ہیں۔سوا چار سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب تین حصوں اور تیرہ فصلوں میں منقسم ہے۔ابتدائی تین فصلیں اسلام سے قبل کی ایرانی تاریخ پر محیط ہیں۔اس کے بعد گیارہویں فصل تک مختلف ادوار میں ایران کے سیاسی و سماجی حالات کا احاطہ کیا گیا ہے۔بارہویں فصل جو ایرانِ نو کے نام سے موسوم ہے اس میں بیسویں صدی کے ایرانِ جدید کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے جس میں ایران کے مذہبی حالت،معاشرت،تجارت،زراعت اور معیشت کے علاوہ فنونِ لطیفہ،زبان و ادب پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے اور کچھ مشاہیر ادب کا مختصر تعارف بھی کیا ہے۔آخری فصل میں ایران اور ہندوستان کے آپسی نئے اور پرانے روابط پر بھی سرسری گفتگو کی ہے۔طلباء کے لئے بہت اہم کتاب ہے پہلی بار اس کتاب کو ڈاکٹر امرت لعل عشرتؔ نے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا تھا۔اس کتاب کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسی وجہ سے ۱۹۸۵ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا۔

سخنوران بنارس: ڈاکٹر عشرتؔ کی یہ کتاب ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی بنیادی طور پر یہ کتاب تذکرہ کی شکل میں ہے لیکن تذکرہ نہیں ہے۔سید احتشام حسین اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ڈاکٹر عشرت نے ناقدانہ بصیرت سے اسے تذکرہ ہونے سے بچا لیا ہے اور شعراء کے حالات کو کھوج نکالنے کے ساتھ ساتھ ان کی قدر و قیمت بھی معین کی ہے اس حیثیت سے اس کتاب کا شمار بھی ان کی علمی فتوحات میں ہوگا''

(سرورق،سخنوران بنارس،امرت لعل عشرت ۱۹۶۸)

یہ کتاب بھی علاقائی ادب پر لکھی جانے والی اہم کتابوں میں سے ایک ہے۔ایک طرح سے یہ بنارس کے اردو شعرا کی تاریخ ہے اورعشرت کی تحقیقی وتنقیدی کتاب بھی ہے۔اس کتاب میں انہوں نے بنارس کے شعرااوران کے کلام کو تحقیقی و تنقیدی زاویوں سے پرکھ کر شامل کیا ہے۔ذاکر بنارسی پیدائش ۱۸۰۶ء سے لے کر جوہر صدیقی کی پیدائش ۱۹۲۸ءتک کے ۲۷شعراءکوشامل کیا گیا ہے۔اس کتاب میں شعراءکورتبے کےاعتبار سےنہیں بلکہ تاریخی ترتیب سےشامل کیا گیا ہے۔سیداحتشام اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"ڈاکٹر امرت لال عشرت نے''سخنوران بنارس (سلسلہ مصحفی)''اردوادب کے ایک نسبتاً تاریک گوشےکوروشن کیا ہے۔اردوشاعری کی تاریخ کتنے ہی وسیع پیمانے پرلکھی جائےتمام علاقوں کا احاطہ نہیں کرسکتی۔اسی لیےمختلف اہم ادبی مرکزوں کی ادبی خدمات کا الگ الگ جائزہ لینانہ صرف دلچسپ بلکہ مفید کام ہے"

(سرورق،سخنوران بنارس،امرت لعل عشرت ۱۹۶۸)

ڈاکٹرعشرت بنیادی طور پر پنجابی تھےاور ملازمت کے سلسلے میں بنارس میں مقیم تھے۔ملازمت کے ابتدائی سالوں میں ہی انہوں نے میں نے یہ تحقیقی کام سرانجام دیا تھاڈاکٹرعشرت کے اس کام کوسراہتے ہوئے علی مسرور جوکہ بنارسی ہیں لکھتے ہیں کہ

''کیا یہ میرے لئے اورمیری ہی طرح دوسرے اہل بنارس کے لئے باعثِ پشیمانی نہیں ہے کہ وہ قرض جوایک مدت سے ہمارے ذمے چلا آرہا تھا اسے ہم نے ادا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ہم نے اردو کی بقا کی خواہش کی،شعروادب کی محفلوں میں شمعیں روشن کیں،سخن وروں کے ایک ایک لفظ پرداد تحسین کی بوچھار کی،لیکن ان مزاروں پرنہ کبھی کوئی چراغ جلایاا ورنہ فاتحہ خوانی کی جن کے دم سے آج بھی بنارس کی تخلیقی چراغاں ہے۔۔۔کوئی پشیماں ہو کہ نہ ہومیں احساسِ ندامت سے جھکا جارہا ہوں کیونکہ وہ قرض ڈاکٹرعشرت نے اپنے قلم و قرطاس اوراپنی جیب خاص سے ادا کیا ہے"

(تعارف سخنوران بنارس امرت لعل عشرت ۱۹۶۸)

ڈاکٹر عشرتؔ کی ''مرزا غالبؔ'' کے عنوان سے بھی ایک کتاب ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی تھی جو تحقیقی وتنقیدی مضامین پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر عشرتؔ نے تحقیقی میدان میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔مگر مجھے اس بات سے حیرت ہو رہی ہے ۱۹۶۸ء کے بعد تقریباً اکیس برس زندہ رہے ہیں۔اس دوران ان کی کوئی تحقیقی کتاب سامنے نہیں آئی یا ایسا بھی ہو سکتا ہے انہوں نے لکھی ہو مگر چھپی نہیں یا پھر میری رسائی ان تک نہیں ہو پائی۔

ترتیب وتدوین کے میدان میں بھی عشرتؔ نے اپنا حصہ ''کلیات سوداؔ'' کو مع مقدمہ مرتب کر کے ڈالا ہے۔مرزا محمد رفیع سوداؔ اردو اور فارسی زبان کے ایک بڑے نامور شاعر گزرے ہیں۔اردو قصیدے کا جب بھی ذکر ہوتا ہے تو ذہن میں سوداؔ کا نام آجاتا ہے۔دیوانِ سودا میں ۴۴ قصائد ہیں جو اس وقت کے حکمرانوں اور اہل بیت کی تعریف میں ہیں۔علاوہ ازیں مرثیے ،ہجویں،مثنویاں ،رباعیاں،غزلیں ،مستزاد،قطعات اور واسوخت وغیرہ ہیں۔اٹھارویں صدی کے اردو شاعروں میں سوداؔ اپنا ایک الگ ہی مقام رکھتے تھے۔کلیات سوداؔ ایک دریا کی مانند ہے جس میں مختلف النوع جواہر ہیں اور یہ کلیات متعدد جلدوں پر مشتمل ہے۔زیر بحث جلد پہلی ہے اور میری رسائی اسی تک ہو پائی ہے ڈاکٹر عشرت کی مرتبہ کلیات سوداؔ حصہ اول میں قصائد،مثنویاں اور غزلیں شامل ہیں۔اس حصہ میں قصائد کی تعداد ۴۴ ہے اور مثنویوں کی تعداد ۲۱ جبکہ اردو غزل ردیف کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہیں۔کلیاتِ سوداؔ (حصہ اول) کو رام نارائن لال سینی مادھو الہٰ آباد نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا تھا۔

ڈاکٹر نریش

ڈاکٹر نریش مشرقی پنجاب کا عصر حاضر میں اردو شعر وادب کے حوالے سے ایک اہم اور بڑا نام ہے۔ان کی پیدائش ۷ نومبر ۱۹۴۲ میں مالیر کوٹلہ پنجاب کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی تھی۔آپ کے والد کا نام دیناناتھ اپل تھا اور ایک مالدار گھرانے سے ہونے کی بدولت نریش نے عمدہ پرورش پائی تھی۔ابتدائی تعلیم سے لیکر کالج تک کی تعلیم مالیر کوٹلہ سے ہی حاصل کی اور پھر پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ سے یکے بعد دیگرے ایم۔اے ہندی اور ایم۔اے اردو میں ڈگریاں حاصل کی تھیں۔بعد ازاں اسی جامعہ کے شعبہ ہندی سے " آدھنک ہندی کویتا میں اردو تتو" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ،ڈی کی سند سے سرفراز ہوئے۔۱۹۶۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کے ایوننگ کالج میں ہندی

کے لیکچرر کے طور پر ملازمت ملی اور ترقی کرتے کرتے پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ شعبہ کی تنظیمی ذمہ داریاں بھی صدر شعبہ کے طور نبھائیں۔تدریسی کے دوران ہی پنجاب یونیورسٹی میں قائم بھائی ویر سنگھ چیئر کے صدر کے طور پر بھی کئی برس تک خدمات انجام دیتے رہے۔۲۰۰۴ء میں محکمہ تعلیم سے سبکدوش ہونے کے بعد ۲۰۰۵ سے ۲۰۰۸ء تک ساہیتہ اکیڈمی چنڈی گڑھ کے چیئرمین کے طور پر بھی ذمہ داری نبھائی۔ڈاکٹر نریش سے متعلق ان کی ویب سائٹ پر یہ جانکاری فراہم ہوئی ہے:۔

"Dr.Naresh a former professor of modern literature at Panjab University and chairman of the Chandigarh academy of letters is a polyglot poet and writer. He has authored over six dozen books in English,Urdu, Hindi and Punjabi he has received several state,national and international awards and honours for his contribution to English literature it has always been his endeavour to understand mysterious of nature and to appreciate the science of cosmic system.His vast knowledge of Indian philosophy and his personal experiences and experiment drew him to the spread of spirituality."

Source: (http//drnaresh.com/dr-naresh/)

ڈاکٹر نریش نے جب ادبی میدان میں قدم رکھا تو انہیں مالیر کوٹلہ کی سرزمین سے استاد مولانا کمال الدین کمالؔ کی صحبت میسر آئی جو ایک چلتا پھرتا تعلیمی ادارہ تھا اور جن کی صحبت اور شفقت سے ڈاکٹر نریش کی ادبی رغبت کو مزید نکھار حاصل ہوا۔ڈاکٹر نریش علمی و ادبی سرگرمیوں میں بچپن سے ہی فعال تھے اور ادبی محفلوں میں بھی برابر شرکت کیا کرتے تھے اور آج بھی ان کا نام مختلف علمی و ادبی اداروں، انجمن اردو، اردو پریشد انڈیا، اردو فورم آل انڈیا، نان مسلم رائٹرز

کانفرنس، ساہتیہ اکیڈمی چنڈی گڑھ اور آل انڈیا اردو پروگریسیو رائٹرز ایسوسی ایشن کے ساتھ بطور ذمہ دار کے جڑا ہوا ہے۔ اردو مشاعروں اور کانفرنسوں کے سلسلے میں کی قومی اور بین الاقوامی دورے بھی کرتے رہے۔ ڈاکٹر اردو زبان کے شاعر، ادیب، مورخ مترجم، ناقد اور محقق ہیں۔ ان کے ادبی سفر کا آغاز شاعری سے ہوا اور پہلا شعری ''مجموعہ غمِ فردا'' کے نام سے ۱۹۶۴ میں منظر عام پر آیا تھا اس کے بعد شعری مجموعوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۲۲ برس کی عمر میں پہلا شعری مجموعہ شائع ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے بچپن میں ہی شعر گوئی کی بہترین مشق کی اور اس عمر میں شعری مجموعہ شائع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے دیگر شعری مجموعے ''بازگشت''، ''خوشبو کا سفر''، ''زندگی اے زندگی'' اور حال ہی میں ان کا ایک مجموعہ ''لہو حیات'' منظرِ عام پر آیا ہے۔ شاعری کے علاوہ ناول نگار، افسانہ نگار، نقاد اور محقق کے طور پر ان کے قلم نے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر طارق کفایت اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ڈاکٹر نریش ایک ہمہ پہلو شخصیت کے مالک ہیں جن کے ادبی صلاحیتیں کسی ایک میدان یا کسی مخصوص اصناف تک محدود نہیں بلکہ مختلف جہات میں مختلف انداز میں ان کے ادبی مذاق نے ابلاغ کی راہ اختیار کی ہے''

(نثر نگاران مالیر کوٹلہ ص ۶۶)

ڈاکٹر نریش بسیار اور زود نویس ہیں۔ انہوں نے اردو، ہندی، انگریزی اور پنجابی میں تراجم کے علاوہ سات درجن کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ڈاکٹر نریش کی اب تک مختلف زبانوں اور اصناف ادب میں اردو کی ۲۴ ہندی میں ۲۹ پنجابی میں ۲۱ اور انگریزی میں چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ سترہ کتابوں کے ترجمے اردو ہندی- پنجابی اور انگریزی زبانوں میں کر چکے ہیں ابھی بھی ان کا قلم تخلیقی و تحقیقی اور تنقیدی سفر میں رواں دواں ہے۔ اور اپنی ادبی تخلیق کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> "میں نے اپنی زندگی سے جو کچھ بھی حاصل کیا اسے لفظوں میں باندھ کر رکھ دیا۔ کئی بار یہ الفاظ نظم ہو گئے ہیں اور کئی بار نثر۔ میں کبھی نثر یا نظم لکھنے کے ارادے سے قلم لے کر نہیں بیٹھا۔ جب تکلیف اپنے جوبن پر ہوتی ہے تو قلم برداشتہ کچھ کہہ دیتا ہوں بعد میں دیکھتا ہوں

کبھی یہ نثر ہوتی ہے اور کبھی نظم"

(غم فرداڈاکٹر نریش ص،۶، ۱۹۷)

ڈاکٹر نریش کی اس بات سے کسی حد تک مجھے اتفاق ہے کہ جو کچھ زندگی سے حاصل کیا ہے اسے نظم یا نثر کی شکل میں زیب قرطاس کیا ہے۔مگر یہ بات کہنا کہ اس ارادے سے نہیں بیٹھنا کہ نثر یا نظم لکھوں گا تو پھر ناول جیسی طویل صنف میں انہوں نے کیسے کامیابی حاصل کی ہے۔؟ ڈاکٹر نریش کی تحقیقی وتنقیدی کتابوں میں ''ادب کی پرکھ''، ''عظیم شخصیتیں''، ''عباس اور نہرو''، ''جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر''، ''تصوف تحریک اور فلسفہ'' اور ''تلاش وتحقیق'' اہم ہیں۔مندرجہ بالا کتب میں چند ایک کتب کا سرسری تعارف پیش کرنے کی سعی کروں گا۔

ادب کی پرکھ: ڈاکٹر نریش کے تحقیقی وتنقیدی مقالات پر مشتمل مجموعہ ہے ۱۴۰ سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب ماڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی تھی۔اس کتاب میں کل ۱۵ مضامین شامل ہیں۔کتاب میں شامل مضامین ادب کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہیں اور ایک چیز جو ان مضامین میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ تمام مضامین اردو ادب اور ادبی شخصیات کے متعلق ہیں۔تین مضامین پریم چند کے ناولوں میں دھرتی کی مہک، سید انشاء اور ان کی شاعری اور گھر آنگن کا شاعر جان نثار اختر ادبی شخصیات کے متعلق ہیں۔پنجابی غزل پر اردو کا اثر، ہندی بنام اردو، ہندی شاعری پر اردو کا اثر، پنجاب اور اردو نظم اور اقبال اور پنجاب یہ پانچ مضامین ایسے ہیں جن کی نوعیت تحقیقی مضامین کی ہے۔اس میں شامل چند مضامین اردو کے قوم پرستانہ کردار کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔اس طرح کے مضامین لکھ کر ڈاکٹر نریش نے بین اللسانی رابطوں کو مضبوط کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اردو کی تعلیم کا مسئلہ ایک اہم مضمون ہے جس میں اردو کی تدریس کو عام کرنے اور نظام کو بہتر بنانے کے علاوہ اس زبان کو کسی ایک مذہب کے ساتھ جوڑنے کو ایک عظیم ناانصافی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''حقیقت یہ ہے اردو اور ہندی دونوں کا تعلق کسی ایک فرقے سے ہے نہ مذہب سے ہے، نہ کلام پاک کی زبان ہے، نہ ویدوں کی یا گیتا کی زبان ہندی ہے۔ماحول کی تنگ نظری کا شکار ہو کر ہم نے ہندو اور مسلمان کے باہمی تنفر کو ہندی اور اردو کا نام دے دیا''

(ادب کی پرکھ ص ۴۸)

جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر ڈاکٹر نریش کی ہی نہیں بلکہ اردو کی ایک اہم کتاب ہے۔اس کتاب کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے ۲۰۱۷ء میں شائع کیا ہے۔ پانچ طویل مقالات پر مبنی یہ کتاب دراصل ان کے پی ایچ۔ڈی کے لیے لکھے گئے تحقیقی مقالے کا ترجمہ ہے۔ جسے خود ڈاکٹر نریش نے کیا ہے۔اس کتاب میں ڈاکٹر نریش نے ۱۹۰۰ سے لے کر ۱۹۵۰ء تک کی ہندی شاعری پر اردو کے جو اثرات پڑے ہیں ان کا مطالعہ کیا ہے اور دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ جدید ہندی شاعری پر اردو نے کیسے اور کیا کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔ان کے نزدیک ہندی کے جدید شاعر اردو کے الفاظ اپنی شاعری میں استعمال کر رہے ہیں۔اردو کے ارکان شعری علامات اور شعری روایات کے استعمال کے علاوہ جدید ہندی شاعری میں اردو کے ضمنی قصے بھی شامل ہوئے ہیں۔شامل کتاب مقالات کی تفصیل جدید ہندی شاعری کی زبان پر اردو کا اثر، جدید ہندی شاعری میں اردو کا استعمال، جدید ہندی شاعری میں اردو کی علامت اور شعری روایات کا استعمال، جدید ہندی شاعری میں اردو کے ضمنی قصے اور مختلف اصناف سخن میں اردو کے عناصر ہیں۔ ڈاکٹر نریش اردو کو ہندی کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ہندی والوں نے اردو کو نظر انداز کرنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔نظر انداز ان سے حقیقتاً کیا بھی نہیں جا سکا ہے دراصل اردو ہمارے لاشعور میں اتر چکی ہے اور ہم اندر سے اس زبان کے ساتھ جھڑ چکے ہیں''

(جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر ڈاکٹر نریش ص ۱)

ڈاکٹر نریش کی یہ بہت ہی اہم اور قابل قدر تحقیق ہے ان سے مزید ایسی تحقیقات کی امید کی جا سکتی ہے۔اردو اور ہندی کے ادیبوں اور شاعروں کو یہ تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آپ ایک دوسرے سے دور نہیں بلکہ قریب آؤ اور ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل جاؤ۔اردو اور ہندی دونوں ہندوستانی ہیں انہیں کسی ایک فرقے یا مذہب سے مت جوڑو اور ان دونوں زبانوں کے قلمکاروں کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''میرا مقصد دونوں میں سے کسی ایک زبان کی برتری ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ میری دلی

خواہش ہے کہ ہندی والے اپنے ادبی کلچر میں اردو کلچر کا ادغام کریں اور اس گنگا جمنی کلچر کو
تقویت پہنچائیں جو ہندوستانیت کی اصل پہچان ہے''

(جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر ڈاکٹر نریش اپنی بات)

یہ حقیقت بھی ہے کہ ڈاکٹر نریش دونوں زبانوں کے قلم کاروں کو قریب لانے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ بات کرتے ہوئے میں نے ایک ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے بھی سنا اور دیکھا ہے۔۸۰ سال کی عمر میں ابھی بھی بقید حیات ہیں اور اردو کے تئیں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

خالد کفایت

مشرقی پنجاب کے محبانِ اردو کی اگر بات کی جائے تو اس فہرست میں خالد کفایت کا نام بھی شامل ہے۔ان کا نام پنجاب کے اردو ادب بالخصوص مشرقی پنجاب کے اردو ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ نام خالد کفایت تھا اور تخلص بھی خالدؔ ہی اختیار کیا تھا۔خالد کفایت نے مالیر کوٹلہ کے ایک مشہور و معروف علمی گھرانے میں جنم لیا تھا یہ ایک ایسا علمی گھرانا تھا جس نے علم و ادب کے مختلف میدانوں میں اپنی منفرد پہچان بنائی ہوئی تھی۔ان کے والد کا نام ہیڈ ماسٹر کفایت اللہ تھا۔کفایت اللہ کے گھر ۱۹۴۵ء کو ایک بچے نے جنم لیا جس کا نام خالد کفایت رکھا گیا۔عمر فاروق اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''خالد ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء بروز جمعرات کو مالیر کوٹلہ کے ایک ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔آپ کے والد محترم کفایت اللہ ادب شناس شخص تھے۔انہوں نے اپنی ساری زندگی اردو ادب کی خدمت میں اور مالیر کوٹلہ کی نوجوان نسل کو ادبی و ثقافتی تعلیم دینے میں گزار دی۔ بعدازاں خالد نے بھی اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اردو ادب کی خاطر خود کو نوجوان نسل کے لئے وقف کر دیا اور تاحیات نوجوان نسل کو شعری و نثری رموز سے آشنا کرتے رہے''

(گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ حصہ نثر ص ۱۵۱)

خالد کفایت کی ابتدائی تعلیم مالیر کوٹلہ میں ہی ہوئی تھی۔اسلامیہ ہائی سکول سے میٹرک کی بعد سرکاری کالج مالیر کوٹلہ سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔دورانِ تعلیم خالد درسی کتابوں کے علاوہ بعض دوسری کتابوں کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد محترم ہیڈ ماسٹر کفایت اللہ محبّ اردو تھے اور اپنی ذاتی لائبریری میں دیگر کتابوں کے علاوہ اردو کی بھی بے شمار کتابیں تھیں۔ان کا پیشہ درس و تدریس تھا جب اسکول سے فارغ ہوتے تو لائبریری میں کتابوں کے مطالعے میں مشغول ہو جاتے تھے۔یہیں سے خالد کو درسی کتب کے علاوہ دوسری کتب پڑھنے کا شوق ہوا تھا اور اکثر اپنے والد کی لائبریری میں بیٹھتے تھے۔خالد کفایت نے گریجویشن کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی ایڈ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز مالیر کوٹلہ کے کمبوج اسلامیہ اسکول میں مدرس کی حیثیت سے کیا تھا۔خالد نہایت ہی شفیق اور مہربان استاد تھے۔ہمیشہ اپنے شاگردوں سے شفقت سے پیش آتے تھے اور طلباء کو پیش آنے والی ہر مشکل کو دور کرتے چاہے وہ تعلیمی ہو یا معاشی،غریب طلباء کو اپنے پیسوں سے کاپی،پنسل،کتاب اور دیگر ضروریات کی اشیاء خرید کر دیا کرتے تھے۔ملازمت سے سبکدوشی کے بعد بھی اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اس تدریسی سلسلے کو اپنے گھر پر ہی جاری و ساری رکھا۔ملازمت کے دوران بھی اپنی تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا۔پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو اور پنجابی یونیورسٹی بمقام پٹیالہ سے فارسی میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد پنجابی یونیورسٹی سے ایم۔فل کی ڈگری "غزلیاتِ نظیر لدھیانوی کا تنقیدی جائزہ'' کے موضوع پر حاصل کی تھی۔

خالد کفایت اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی لکھنے کی طرف مائل ہو گئے تھے اور ''رنگ میں بھنگ'' کے عنوان سے ایک کہانی بچوں کے رسالے ''کھلونا'' میں شائع ہوئی تھی۔کالج کی تعلیم کے دوران خالد کی تخلیقات کالج کے میگزین میں بھی شائع ہوتی تھیں۔خالد کا تخلیقی میدان کسی ایک صنف تک محدود نہیں تھا۔افسانہ،خاکہ،تنقید،صحافت اور تدوین و غیرہ میں طبع آزمائی کی تھی۔مگر وہ شاعری کی وجہ سے مشہور تھے۔ان کا شعری مجموعہ ''آشوبِ غم'' کے نام سے ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آیا تھا۔شاعری میں غزل گوئی کی طرف ان کا رجحان زیادہ تھا۔محمد عمر فاروق ان کی تخلیقی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''خالد نے یوں تو اردو کی کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ان کے لکھے ہوئے خاکے،افسانے

،تحقیقی مقالے اور مضامین ان کے بڑے ادیب ہونے کا بین ثبوت ہیں۔ان کی تخلیقات

میں شوخی ،حرکت وحرارت بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔لیکن جو قدرت انہیں غزل گوئی میں

حاصل تھی وہ کسی دوسری صنف میں نہ تھی ان کا اندازِ بیاں مالیر جوٹلہ کے دیگر شعرا سے

جداگانہ تھا''

(گلدستہ ادب مالیرکوٹلہ حصہ نثر ص۱۵۲)

واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ خالد کفایت کا غزل میں اپنا ایک الگ مقام ومرتبہ تھا۔تحسین فراقی بھی ان کی غزل گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''خالد کفایت کی غزل سے یہ میری پہلی ملاقات ہے آخری ملاقات ہرگز نہیں ہے۔یہ ایسی

ملاقات ہے جس کے بعد مزید ملاقاتوں کو جی چاہتا ہے۔خالد صاحب کی جن چند غزلوں

اوران سے بھی کم نظموں کو پڑھنے کا موقع ملا ان سے میرا تاثر یہ بنتا ہے کہ وہ شاعری میں

بالخصوص غزل میں تازہ کاری اور جدت طرازی کا ہنر برتنے کی ہمت حوصلہ اور صلاحیت

رکھتے ہیں اوران کا قلم حقیقت نگار اور حقیقت آثار ہے''

(آشوب غم خالد کفایت ص۱۴)

خالد کفایت بطور شاعر ہی ادبی دنیا میں جانے جاتے تھے اور ایک شعری مجموعہ بھی شائع کیا تھا۔ڈاکٹر طارق کفایت اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:۔

''خالد کفایت ایک شاعر کے طور پر ہی زیادہ معروف ہیں۔لیکن کم لوگ جانتے ہوں گے کہ

انہوں نے اپنا ادبی سفر نثر ہی سے شروع کیا تھا اور وہ اچھی نثر لکھنے پر بھی اتنی ہی قادر تھے جتنی

قدرت ان کو فن شعر پر حاصل تھی''

(نثر نگاران مالیرکوٹلہ ص۷۵)

نثر نگاری میں بطور خاکہ نگار اپنی شناخت بنائی تھی اور اہم شخصیات کے خاکے بھی لکھے تھے۔ان میں خالد حسین کا خاکہ (چوتھی سمت کا شہزادہ) کے نام سے لکھا پریم وار برٹنی کا خاکہ (پریم میں یہ بڑی کمی ہے) کے نام سے لکھا۔(نقش

جاوید) زینت اللہ جاوید کا اس کے علاوہ رفتگان نو بہار صابر، پروفیسر کرپال سنگھ بیدآر، سلامت علی ظفر اور نصیر الدین نیازی وغیرہ کے خاکے بھی تحریر کیے تھے۔

نثر و نظم کے علاوہ صحافت کے میدان میں بھی اپنی خدمات انجام دی تھیں۔کلرین جو گورنمنٹ کالج مالیر کوٹلہ کا رسالہ تھا کے حصہٗ اردو کے مدیر رہے اور تقریباً دو سال تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔اس کے بعد کئی سال تک ہفت روزہ ''صدائے اہل پنجاب'' میں کام کیا اور خاور صدیقی کے قلمی نام سے ادبی کالم بھی لکھتے رہے۔

بحیثیت محقق انہوں نے کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی البتہ ان کے چند تحقیقی مضامین اور مرتب کی گئی کتب ہیں جو تحقیقی زمرے میں آتی ہیں۔تدوین و ترتیب بھی تحقیق ہی کی ایک شاخ ہے لہٰذا اس شاخ پر انہوں نے برگ و بار لائے ہیں۔ان کی مرتب کردہ کتابوں میں ''اشتہاروں والی حویلی'' از خالد حسین ''نظیر لدھیانوی کا شعری مجموعہ'' ساز کہن''، ''منقش کھنڈر جبین'' آر پی شوخ کا شعری مجموعہ اور سعد اللہ ملک حزیں کا شعری مجموعہ'' تنکا تنکا آشیاں'' شامل ہیں۔ان کی ترتیب کردہ کتابوں میں سے صرف دو کتابوں یعنی اشتہاروں والی حویلی اور تنکا تنکا آشیاں تک راقم کی رسائی ہو سکی ہے لہٰذا ان کا مختصر تعارف تحریر کرنے کی کوشش کروں گا۔

اشتہاروں والی حویلی: خالد حسین کا تعلق جموں و کشمیر سے ہے اور اردو و پنجابی کے کافی جانے مانے کہانی کار ہیں۔خالد کفایت نے ان کے افسانوں کو ترتیب دے کر'' اشتہاروں والی حویلی'' کے نام سے شائع کیا۔اس مجموعے میں کل ۳۲ افسانے شامل ہیں،اس کے علاوہ خالد حسین کا خاکہ چوتھی سمت کا شہزادہ کے نام سے جسے خالد کفایت نے لکھا تھا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔خالد حسین کا تخلیقی رویہ کے عنوان سے ڈاکٹر زینت اللہ جاوید کا لکھا ہوا مضمون خالد حسین کی افسانہ نگاری، ڈاکٹر اسد اللہ وانی کے علاوہ خالد حسین کا لکھا ہوا مضمون میں اور میری تخلیق بھی شامل ہیں۔اس مجموعے میں تین مضامین ایک خاکہ اور ۳۲ افسانے شامل ہیں ۱۹۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب امروز کتب مالیر کوٹلہ سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

تنکا تنکا آشیاں: سعد اللہ حزیں کا تعلق ریاست جموں و کشمیر کے ضلع ادھم پور سے تھا۔اردو اور پنجابی میں شاعری کرتے تھے ۲۰۰۱ء میں انتقال ہوا تھا۔بقول خالد کفایت'' ۲۰۰۱ء کی شب کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے انہوں نے اپنی جان

جان آفریں کے سپرد کی" تو مجھے حزیںؔ کا ہی یہ شعر یاد آ گیا کہ خدا نے ان کی یہ التجا سن لی تھی۔

بوقت نزع دل میں ہو چاہ تیری

تیرا کلمہ لب پر زبانی ہو یا رب

خالد کفایت نے ان کا شعری مجموعہ ''تنکا تنکا آشیاں'' کے نام سے ترتیب دے کر امروز کتب مالیر کوٹلہ سے ۲۰۰۱ء میں ہی ان کی وفات کے بعد شائع کیا تھا۔اس مجموعے میں حمد، نعت، مناجات، نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔اس مجموعے کے بارے میں طاہر حلیم جو اس وقت ڈائریکٹر علامہ اقبال ایجوکیشن سینٹر پنجاب تھے لکھتے ہیں کہ:۔

" تنکا تنکا آشیاں میں حمد و مناجات، پاکیزہ نعتیں غزلوں اور نظموں کے پیرائے میں اخلاقی اقدار کی سر بلندی حزیںؔ کے ایمان کی پختگی اور سرورِ کونین سے والہانہ محبت کی والہانہ دلیل ہے"

(تنکا تنکا آشیاں ص ۱۴)

خالد کفایت کی ادبی خدمات سے صرف مالیر کوٹلہ کے ہی نہیں بلکہ پنجاب اور بیرون پنجاب کے اہل اردو بھی واقف ہیں۔اس بات سے انکار نہیں کہ خالد کفایت نے نظم و نثر دونوں میں اپنے قلمی جوہر دکھائے ہیں ترتیب و تدوین کے میدان میں ان سے اور توقع کی جا سکتی تھی مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور ۶۶ برس کی عمر میں ۲۰۰۶ء میں اس دنیا فانی سے چل بسے۔

انسپکٹر محمد حبیب

محمد حبیب جو مالیر کوٹلہ کے علمی و ادبی حلقوں میں انسپکٹر محمد حبیب کے نام سے جانے جاتے ہیں کی پیدائش ۱۵ اگست ۱۹۴۹ء میں مالیر کوٹلہ میں ہوئی تھی۔ان کے والد کا نام چوہدری رحم دین تھا اور والدہ کا نام کریمہ تھا۔ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی تھی۔اس کے بعد گریجویشن تک شہر مالیر کوٹلہ میں ہی زیرِ تعلیم رہے۔پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ سے ایم۔اے جغرافیہ کی ڈگری ۱۹۷۲ء میں مکمل کرنے کے بعد تلاشِ معاش میں ہی تھے کہ اسی دوران پٹیالہ میں پروفیسر فوجا سنگھ جو پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ تاریخ میں بطور پروفیسر و صدر شعبہ کی خدمات انجام دے رہے تھے سے ملاقات

ہوئی۔ان کے کہنے کے مطابق محمد حبیب نے ایم۔اے ہسٹری میں ۱۹۷۲ء میں ان ہی کے زیرسایہ داخلہ لیا۔ایم اے کے دوران ہی تلاشِ معاش ختم ہوئی اور محکمہ خوراک وسپلائز میں نوکری مل گئی مگر ایم اے ہسٹری کو ادھورا نہیں چھوڑا بلکہ پرائیویٹ طور پر ۱۹۷۴ء میں ڈگری مکمل کی۔۱۹۷۵ء میں ۲۶ سال کی عمر میں شادی بھی ہوگئی تھی۔

زمانۂ طالب علمی سے ہی انسپکٹر محمد حبیب ڈرامہ نگاری کی طرف مائل تھے۔ڈرامے پڑھنے کے علاوہ اس وقت پنجاب میں کھیلے جانے والے ڈرامے اپنے دوستوں کے ساتھ دیکھنے جایا کرتے تھے۔دوران تعلیم ہی محمد حبیب نے تقریباً ۲۰ یک بابی ڈرامے تحریر کیے تھے اور سبھی ڈرامے اسٹیج پر کھیلے بھی گئے۔اپنے ڈراموں میں محمد حبیب نے بیک گراؤنڈ آواز بھی خود ہی دی اور ہدایت کاری بھی کی۔یہ بات بھی غالباً ۱۹۷۲ء سے قبل کی ہے جب وہ کالج میں زیرتعلیم تھے۔۱۹۷۳ء میں جب ملازمت مل گئی شادی بھی ہوگئی اور مصروفیات زندگی بڑھ گئی تو اردو ادب کی صنف ڈرامہ ہی کیا بلکہ اردو سے ہی الگ ہوکر اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہوگئے۔اگر اس سے صنف سے ناطہ جوڑے رکھتے تو انسپکٹر محمد حبیب آج پنجاب کے ہی نہیں بلکہ اردو کے بڑے ڈرامہ نگاروں کی صف میں شامل ہوجاتے۔کھیل کود اور پہلوانی بھی کرتے تھے مگر ملازمت اور شادی کے بعد دیگر ذمہ داریاں اور مصروفیات ان کی ادبی دنیا کے ساتھ ساتھ کھیل کود اور اکھاڑے کی دنیا سے بھی غائب ہوگئے اور محمد حبیب ان سب سے کٹ کر رہ گئے۔اس ضمن میں ڈاکٹر اسلم حبیب یوں رقمطراز ہیں:۔

> ''اکھاڑے کی سہرابی سے لے کر قلم کی افراسیی تک محمد حبیب کے نہ جانے کتنے قصے میرے ذہن کے نہاں خانے میں آج بھی موجود ہیں۔ان کی دانشورانہ اور قائدانہ صلاحیتوں کے سبھی قائل ہیں ان کے لکھے ہوئے ڈراموں کے مکالمے کے نشے سے میں آج بھی سرشار ہوں۔انہوں نے ادب کو بہت زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا اگر لے لیتے تو آج بہت بڑے باادب ہوتے''

(گلدستہ ادب مالیرکوٹلہ،حصہ نثر،ص ۲۵)

اور یہ حقیقت ہے کہ جس شخص نے زمانہ طالب علمی اور وہ بھی کالج کے زمانے میں بیس یکبابی ڈرامے لکھے

تھے۔اگر تعلیم مکمل کرنے کے بعد سنجیدگی کے ساتھ ادب کی اس صنف سے جڑے رہتے تو یقیناً باادب ہی ہوتے۔ یہاں ادب سے مراد ادبی دنیا میں نام ومقام سے لیا گیا ہے۔محمد حبیب محکمہ خوراک وسپلائیز (پنجاب) میں ترقی کرتے کرتے انسپکٹر کے عہدے سے ۲۰۰۷ء میں سبکدوش ہوئے۔ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہ پھر سے اردو زبان سے جڑے مگر اس بار تخلیقی میدان میں نہیں بلکہ تحقیق کے میدان میں قدم رکھا اور تحقیق کی ایک شاخ ترتیب وتدوین کی طرف متوجہ ہوئے اس طرف آنے کی وجہ انسپکٹر محمد حبیب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''ایک نشست کے دوران حسب عادت بات اردو زبان وادب کے حوالے سے چل نکلی۔ تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب میں اردو زبان پر گزری داستانیں اور حکومتِ پنجاب کے رول کی وجہ سے اردو زبان کا سمٹ کر مالیرکوٹلہ تک محدود ہو جانا وغیرہ سارے موضوعات زیر بحث آئے۔بالآخر نوجوان افسانہ نگار اور شاعر برخوردار سالک جمیل براڑ نے ایک مشورہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ماشاءاللہ شہر میں اردو قلم کاروں کی ایک بڑی جماعت موجود ہے نظم ونثر کی کئی اصناف کے فنکار مل جائیں گے۔کیوں نہ سبھی حضرات سے ان کا نمونۂ فن لے کر ادبی گلدستے کی شکل میں ایک کتاب مرتب کی جائے۔اس طرح چھوٹے بڑے نئے اور پرانے قلمکاروں میں الحاق پیدا ہوجائیگا۔ برخوردار کا یہ نظریہ مجھے بہت اچھا لگا بس اسی نشست میں طے پایا کہ شہر کے سبھی اہلیان قلم کی خدمت میں ایک خط ارسال کر کے ان کی اپنی پسندیدہ کاوش دینے کی درخواست دی جائے۔''

(گلدستہ ادب مالیرکوٹلہ، حصہ نظم ص ۱۵)

انسپکٹر محمد حبیب نے تحقیق کرنی شروع کر دی اور اپنی تحقیق کا محور ومرکز صرف شہر مالیرکوٹلہ تک محدود رکھا اور اس سلسلے کا نام گلدستہ ادب مالیرکوٹلہ طے پایا۔جب اس کتاب کا مواد اکٹھا ہو گیا اور ترتیب دینے کا وقت آیا تو اس کی ضخامت بہت زیادہ تھی کہ اسے ایک جلد میں مرتب کرنا ممکن نہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ قدیم شعرائے مالیرکوٹلہ، جدید شعراء مالیرکوٹلہ اور نثر نگاران مالیرکوٹلہ کو یکجا کر کے گلدستہ ادب مالیرکوٹلہ کے نام سے

ترتیب دیا گیا ہے انسپکٹر محمد حبیب اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:۔

''جہاں تک اس شہر میں اہل ادب و اہل قلم حضرات کا تعلق ہے اس صف میں نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو وسکھ صاحبان کے علاوہ دیگر سبھی برادریوں کے لوگ بھی شامل ہیں۔اس کتاب کی زیبائش کے لیے دور قدیم سے حال تک زیادہ سے زیادہ اہل ادب کے نمونہ قلم لیے گئے ہیں۔کتاب کی ضخامت کو دیکھتے ہوئے اسے تین حصوں قدیم شعرائے مالیر کوٹلہ، جدید شعراء مالیر کوٹلہ اور نثر نگاران مالیر کوٹلہ کی شکل میں ترتیب دینے کی کوشش کی گئی اس امید سے کہ آنے والی نسلیں اپنے اکابرین کی تخلیق وتخیل سے استفادہ کر سکیں''

(گلدستہ ادب مالیر کوٹلا حصہ نثر ص۱۴)

اب ان کتابوں کا مختصر تعارف پیش ہے۔

گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ (حصہ نثر) انسپکٹر محمد حبیب نے اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اس کتاب کے پہلے حصے میں ادبی مضامین کو جو تحقیقی وتنقیدی نوعیت کے ہیں مضمون نگاروں کے مختصر تعارف کے ساتھ شامل کیے ہیں۔اس حصے میں ۲۲ مضمون نگاروں کو شامل کیا گیا ہے۔دوسرے حصے میں تاریخی وملی مضامین ہیں اس حصے میں چار مضمون نگاروں کے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔تیسرا حصہ طنز ومزاح کے لئے مختص ہے اس حصے میں چار مزاح نگاروں کے طنزیہ ومزاحیہ مضامین شامل ہیں اور آخری حصہ جو افسانہ وافسانچہ پر مشتمل ہے اس میں تقریبا ۲۰ ادیبوں کے افسانے شامل کیے گئے ہیں۔۳۴۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۱۵ء میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔

گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ (حصہ نظم) اس کتاب میں محمد حبیب نے مالیر کوٹلہ سے تعلق رکھنے والے جدید شعراء کا نمونہ کلام شامل کیا ہے۔اس کتاب میں تاریخی ترتیب کے ساتھ ۷۴ شعراء کا نمونہ کلام مختصر تعارف کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب میں شامل ابتدائی آٹھ شعراء کو تاریخ پیدائش کے اعتبار سے ترتیب نہیں دیا گیا بلکہ ان کے رتبے اور استادی کے اعتبار سے اور آخر میں خالد کفایت پیدائش ۱۹۴۲ء کو شامل کیا گیا ہے اس کی وجہ معلوم نہیں کہ انہیں آخر میں

کیوں رکھا ہے۔اس کتاب کے آخر میں شامل کتاب شعراء کی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ یہ کتاب آنے والی نسلوں اور مالیر کوٹلہ کی اردو شاعری کے حوالے سے تحقیق کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جدید شعرا کی ایک طویل فہرست تیار ہوگئی ہے۔ یہ کتاب بھی ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے ۲۰۱۵ میں شائع ہوئی تھی۔گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ (حصہ نظم قدیم شعراء) اس کتاب کی تحقیق ابھی بھی جاری ہے مالیر کوٹلہ کے تقریباً ۵۳ قدیم شعراء کا مختصر تعارف کے ساتھ نمونہ کلام کو شامل کرلیا گیا ہے۔محقق کی خواہش ہے کہ مزید کچھ قدیم شعراء کی تحقیق سامنے آجائے تو انہیں بھی شامل کر دیا جائے گا اور اس گلدستۂ ادب کی جو ایک کتاب غیر مطبوعہ ہے اسے شائع کر کے اس سلسلہ کو مکمل کیا جائے۔اس سلسلہ کتب کے متعلق ڈاکٹر انعام الرحمٰن لکھتے ہیں کہ:۔

"انسپکٹر محمد حبیب نے شہر مالیر کوٹلہ کے نامور شعراء وادباء کو ایک کینوس پر تصویر نگاری کے لیے یکجا ہی نہیں کیا بلکہ ان کی بہترین کاوشوں کو منظر عام پر لانے کی بھرپور کوشش کی ہے"

گلدستہ ادب مالیر کوٹلا حصہ نثر ص ۱۱۰)

انسپکٹر محمد حبیب کی یہ کوشش جو دو کتابوں کی صورت میں منظر عام پر آ چکی ہے۔اس میں کافی حد تک کامیاب نظر آئے ہیں۔امید ہے کہ اس کتاب کا تیسرا حصہ بھی جلد ہی منظر عام پر آ کر ادب کے طالب علموں کے لیے کئی مشکلیں آسان کرے گا۔ مالیر کوٹلہ کی ادبی شخصیات اور ان کی تخلیقات اور نمونہ کلام کو عوام تک پہنچانے کا جو سہرا محمد حبیب کے سر ہے اس سے موجودہ ادبی ماحول کو تقویت ملی ہے اور نئے لکھنے والوں کے لیے حوصلہ افزا قدم بھی ثابت ہوا ہے۔اس کتاب کو ہم تذکرہ بھی کہہ سکتے ہیں۔انسپکٹر محمد حبیب سے اردو طبقہ مزید تحقیق کا خواہاں ہے اور امید ہے کہ اس میدان میں اور بھی جوہر دکھائیں گے۔ان دنوں بھی انسپکٹر حبیب تصنیف وتالیف کے کاموں میں مشغول ہیں۔تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بھی وہ تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں اللہ ان کی عمر میں برکت کرے (آمین)

ڈاکٹر انوار احمد انصاری

انوار احمد انصاری کا نام عصر حاضر میں مشرقی پنجاب کے اردو نثر نگاروں میں شمار ہوتا ہے۔آپ بیک وقت ادیب ،ناقد اور محقق ہیں۔انوار احمد کی ولادت مالیر کوٹلہ کے ایک متوسط گھرانے میں ۲ نومبر ۱۹۶۰ میں ہوئی۔آپ کے والد کا

نام محمد یامین اور والدہ کا نام خورشیدہ بیگم ہے۔ اگر چہ ان کے گھر کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی۔ پھر بھی ان کے والد نے انہیں بہترین تعلیم دلائی تھی۔ ابتدائی تعلیم سے بی۔اے تک کی تعلیم مالیر کوٹلہ سے ہی حاصل کی تھی اور اس کے بعد معاشیات میں ایم۔اے کی ڈگری کی تکمیل کے فوراً بعد محکمہ ڈاک وتار میں ملازمت مل گئی تھی۔ جس کی انوار احمد کو اشد ضرورت تھی اس طرح انوار احمد انصاری کی عملی زندگی کا آغاز ہوا اور گھر کی کل آمدنی میں اپنا حصہ ڈالا۔

ڈاکٹر انصاری نے صرف غربت میں ہی نہیں بلکہ ملازمت ملنے کے بعد جب معقول تنخواہ ملنے لگی تھی تب بھی تعلیم جاری رکھی اور ملازمت ملنے سے قبل غربت کو اور نوکری ملنے کے بعد ملازمت کو تعلیمی سلسلے میں رخنہ نہیں ڈالنے دیا۔ ایم۔اے اردو کے بعد پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے ڈاکٹر زینت اللہ جاوید کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری "پنجاب کا طنزیہ ومزاحیہ نثری ادب" کے موضوع پر ۱۹۹۳ء میں ۳۲ سال کی عمر میں حاصل کی تھی۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پی ایچ ڈی کے بعد بھی فارسی میں ایم اے کیا اس طرح ڈاکٹر انوار احمد انصاری نے معاشیات، اردو اور فارسی میں ایم اے کی ڈگریاں اور اردو میں پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر طارق کفایت اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

> "ڈاکٹر انوار احمد انصاری ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی منزل ستاروں سے بھی اگلے جہان میں قرار دیتے ہیں اور اس تک پہنچنے کے لئے پورے عزم وارادے اور محنت وریاضت سے کوشاں ہوتے ہیں"

(نثر نگاران مالیر کوٹلہ ص ۱۱۰)

اکثر و بیشتر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف ملازمت کی حصولیابی تک تعلیم کو محدود کر دیتے ہیں۔ لیکن انوار احمد انصاری ایسے لوگوں میں سے نہیں ہیں انہوں نے ملازمت کے بعد بھی اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ اگر چہ ان تعلیمی ڈگریوں سے ان کو ملازمت میں ترقی نہیں مل سکتی تھی کیونکہ ان کے ڈیپارٹمنٹ کو ان تعلیمی ڈگریوں سے کوئی واسطہ نہیں تھا اور یہ بات انوار احمد بھی بخوبی جانتے تھے۔ انوار انصاری نے صرف تعلیمی پیاس بجھانے کی خاطر اس سلسلے کو جاری رکھا تھا۔

ڈاکٹر انوار احمد انصاری کے ادبی سفر کی شروعات طالب علمی کے زمانے سے ہی ہوگئی تھی اور ان پہلی تخلیقی کاوش جو

ایک افسانے کی شکل میں تھی ۱۹۸۰ء میں بیس برس کی عمر میں گورنمنٹ کالج میگزین میں شائع ہوئی تھی۔اردو کی مشہور و مقبول ترین صنف غزل میں بھی طبع آزمائی کی مگر کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ڈاکٹر انوار کے نثری نمونے افسانے کی شکل میں مختلف اخبارات اور رسائل کی زینت بنتے رہے ہیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ان رسالوں اور اخباروں میں پاسبان، تعمیر ہریانہ، جمنا تٹ اور پرواز ادب اور ہند سماچار وغیرہ شامل ہیں۔انوار احمد نے اپنی تخلیقات کا موضوع متوسط طبقہ کے لوگوں کی زندگی کے بعض مسائل کو بنایا اس کے علاوہ ان کے افسانوں میں اصلاح کا عنصر نمایاں ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر طارق کفایت اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

"متوسط طبقہ کی مصروف پریشان اور تناؤ سے بھری زندگی ان کے بیشتر افسانوں کا موضوع بنی ہے معاشی اور معاشرتی ناہمواریوں کے تناظر میں شہرت کی خواہش ضروریات زندگی کے نام پر بے لگام مادہ پرستانہ دوڑ بے اطمینانی اور تشنگی کا خیر مختتم احساس جدید تہذیب کے نام پر جنسی زدگی وہ عناصر ہیں جنہوں نے ہندوستانی معاشرے کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔یہی تشویش ان کے افسانوں سے عیاں ہے۔اصلاح پسندی اور جذبہ تعمیر گویا پھوٹ پڑ رہا ہے"

(نثر نگاران مالیر کوٹلہ ص ۱۰۱-۱۰۲)

ڈاکٹر انوار احمد انصاری کی نثری نگارشات میں افسانے طنزیہ و مزاحیہ مضامین اور تحقیق و تنقید شامل ہیں۔ان کا افسانوی مجموعہ ''ہتھیار'' کے نام سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا تھا۔اس مجموعے میں ۲۳ افسانے شامل ہیں ان کے طنز و مزاحیہ مضامین کا ایک مجموعہ ''ادیب وغریب'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔اس مجموعے میں ایک شخصی خاکہ اور اٹھارہ مضامین شامل ہیں۔اس مجموعے میں شامل مضامین مفلسی سب بہار کھوتی ہے، قرض کا فیشن، ادیب وغریب، ماسٹر پلس، ٹی وی یا ٹی بی، عورت کا فیشن، زمانہ ویڈیو کلچر کا، عادت سے مجبور وغیرہ ہیں اس میں شامل شخصی خاکہ پیکر گل افشانی کے عنوان سے ہے جس میں اپنے ایک استاد کا نقشہ نہایت عقیدت و احترام سے کھینچا ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد انصاری کی طنزیہ و مزاحیہ تنقید کا آغاز پی ایچ۔ڈی کے دوران ہوا تھا۔پی ایچ ڈی میں ان کا موضوع بھی اردو کی اسی صنف پر تھا اور مقالے کا موضوع "پنجاب کا طنزیہ و مزاحیہ نثری ادب" تھا۔انوار احمد نے اسے

تین ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلا باب اردو نثر میں طنز ومزاح ہے۔اس باب میں اردو نثر میں طنز ومزاح کی تاریخ اور آغاز وارتقاء پر بحث کرتے ہوئے اس صنف کے مختلف ادوار اور مراحل کا ذکر بھی کیا ہے۔دوسرا باب پنجاب کا طنزیہ ومزاحیہ نثری ادب ہے اس کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ انوار احمد انصاری نے اردو کے نثری طنزیہ ومزاحیہ ادب میں پنجاب کا جو حصہ ہے اسے مفصل بیان کیا ہوگا اور ایسا ہی ہے۔تیسرے باب میں پنجاب کے طنز ومزاح نگاروں کو شامل کرکے تفصیلی ذکر کیا ہے۔اس حصے میں فلک پیما، پطرس بخاری، امتیاز علی تاج، شوکت تھانوی، شفیق الرحمٰن، کنھیا لال کپور، فکر تونسوی وغیرہ کو شامل کیا گیا ہے۔اس میں انوار احمد کا انداز تحقیقی تنقیدی اور توضیحی ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد انصاری کی تحقیقی کتاب ''پنجاب کا طنزیہ ومزاحیہ نثری ادب'' کے عنوان سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آئی تھی۔یہ کتاب ان کے پی ایچ ڈی کے لیے لکھے گئے مقالے کی تلخیص ہے۔اس سے غیر ضروری مواد کو نکال کر صرف ۱۲۸ صفحات میں مکمل تھیسس کی تلخیص کو محدود کرکے قاری کو طوالت کی زحمت سے بچا لیا ہے۔ڈاکٹر انوار احمد کے تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ ''نذر وقدر'' کے عنوان سے ۲۰۰۹ء میں منظر عام پر آیا۔اس مجموعے میں پچیس مضامین شامل کیے گئے ہیں۔اس مجموعے میں شامل مضامین کو شعراء وادباء کے کسی ایک ادبی پہلو کو بنیاد بنا کر ہی تحریر کیا گیا ہے۔ان مضامین میں عزیز بگھروی اور مختار ٹونکی کے علاوہ تمام شخصیات کا تعلق پنجاب سے ہے اور ان میں سے بھی دس کا تعلق مالیر کوٹلہ سے ہے۔ڈاکٹر انوار احمد انصاری نے اپنی تحقیق وتنقید کا موضوع صرف پنجاب کے اردو ادب کو ہی بنایا اور پنجاب کے اردو ادب کو فروغ دینے میں ایک اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔اس مجموعے میں شامل مضامین کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اردو ادب میں مشرقی پنجاب پر تحقیق کرنے والا ان مضامین سے استفادہ کرسکتا ہے۔ڈاکٹر انصاری کے مختلف کتابوں پر کیے گئے تبصرے ''تفہیم وتوازن'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ڈاکٹر انوار احمد انصاری اس وقت ساٹھ سال کی عمر پا چکے ہیں اور مالیر کوٹلہ میں مقیم ہیں امید ہے کہ ڈاکٹر انصاری پنجاب کے اردو ادب بالخصوص تحقیق وتنقید کے میدان میں آئندہ مزید اضافہ کریں گے۔

ڈاکٹر محمد اسلم

محمد اسلم کی پیدائش مشرقی پنجاب کے ادبی شہر مالیر کوٹلہ میں ۱۵ اپریل ۱۹۷۱ء میں محمد رفیق کے گھر میں ہوئی تھی۔

مالیرکوٹلہ کے مختلف اسکولوں سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بی اے کی ڈگری مالیرکوٹلہ کے سرکاری کالج سے حاصل کی تھی۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی اردو اور عربی سے ایم۔اے اردو کی ڈگری کے علاوہ فارسی میں بھی ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی اردو و عربی سے "مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی صحافت" کے موضوع پر ڈاکٹر محمد جمیل کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی سند بھی حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر محمد اسلم درس و تدریس کے پیشے سے منسلک نہیں ہیں۔ وہ دیگر مصروفیات سے تصنیف و تحقیق کے لیے مستقل وقت نکالتے ہیں اور اپنے قلم کو رواں دواں رکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمد اسلم بیک وقت مصنف بھی ہیں اور مرتب بھی۔ تصنیف و تالیف میں ان کا میدان درسی کتب کے علاوہ تحقیق اور تنقید ہے۔ ڈاکٹر محمد اسلم کی تخلیقات کا ذخیرہ درسی، تحقیقی اور تنقیدی کتابوں پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر اسلم کی ایک درجن کے قریب کتابیں ہیں جن میں دو درسی اور باقی دس تحقیقی و تنقیدی ہیں۔ ان میں سے چار کتابوں کے مرتب بھی ہیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم کے تحقیقی و تنقیدی سفر کا آغاز ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے دوران ہوا اور ۲۰۱۱ء میں ان کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی تکمیل کے فوراً بعد کتابیں منظر عام پر آنے لگی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً نو سال کے عرصے میں ۱۱ کتب منظر عام پر آ گئی ہیں اور ایک زیر طبع بھی ہے۔ تحقیق و تنقید میں ان کا میدان مشرقی پنجاب اور متحدہ پنجاب کی اردو صحافت ہے۔ ان کی تمام تحقیقی کتب صحافت پر ہی مبنی ہیں ان کی درسی کتب میں اردو ادب ۲۰۱۲ء اور قواعد اردو ۲۰۱۳ء ہیں۔ تحقیقی کتب میں جو مرتب کی ہیں سفینۂ عبداللہ مالیری ۲۰۱۲ء، مشرقی پنجاب کا ادبی منظر نامہ ۲۰۱۵، نئی نسل کا نمائندہ افسانہ نگار سالک جمیل براڑ ۲۰۱۵ء چراغ جلتا رہا شعری مجموعہ از اختر علی اختر ۲۰۱۵ء ہیں۔ تصنیف کی گئی کتب میں مشترکہ پنجاب کے اردو اخبارات ۲۰۱۵ء، مشترکہ پنجاب کے اردو صحافی ۲۰۱۶ء، ادبی صحافت کے اولین نقوش ۲۰۱۶ ء، پنجاب کا صحافتی سفر ۲۰۱۶ء، تاریخ اردو صحافت پنجاب ۲۰۱۹ء، اور زیر طبع مشترکہ پنجاب کے اردو رسائل ہیں۔ ان کی تحقیق و تنقید اور تصنیف و تالیف کے متعلق سالک جمیل براڑ لکھتے ہیں کہ:۔

> "ڈاکٹر محمد اسلم پچھلی ایک دہائی سے اردو تنقید و تحقیق سے وابستہ ہیں وہ کئی کتابوں کے خالق ہیں اس کے علاوہ انہوں نے کئی نصابی و ادبی کتابیں مرتب کی ہیں"

(تاریخ اردو صحافت پنجاب ص ۴۰۶، 2019)

بلاشبہ ڈاکٹر محمد اسلم پچھلی ایک دہائی سے تحقیق و تنقید کے میدان میں میں کافی محنت اور لگن سے کام کر کے مشرقی پنجاب کے محققین میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ان کی تحقیقی کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

مشترکہ پنجاب کے اردو اخبارات: ڈاکٹر محمد اسلم کی یہ کتاب ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں محمد اسلم نے مشترکہ یعنی متحدہ پنجاب سے شائع ہونے والے تمام اردو اخبارات کو مختصر تعارف کے ساتھ گویا ایک لڑی میں موتی کے مانند پرو دیا ہے۔ اس کتاب میں کل اخبارات کی تعداد ۲۰۵ ہے اور اکثر و بیشتر ناپید بھی ہو چکے ہیں۔ ان اخبارات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ اس کتاب میں شامل کیا ہے اور شاملِ کتاب اخبارات کے متعلق بعض معلومات بھی فراہم کی ہیں جیسے سن و جائے اشاعت اور مدیران وغیرہ۔ کتاب کے مطالعے کے بعد یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محقق نے اس کتاب کے لئے مواد اکٹھا کرنے میں حد درجہ محنت کی ہوگی اور مشکل مراحل کو بھی عبور کیا ہے کیونکہ اس میں شامل اخبارات میں سے چند ایسے ہیں جنہیں ناپید ہوئے کئی کئی دہائیاں گذر چکی ہیں۔ اس سلسلے میں خود ہی لکھتے ہیں کہ:۔

> "اس سلسلے میں جب میں نے تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت مجھے اس بات کا بالکل بھی علم نہیں تھا کہ یہ کام اتنا مشکل اور محنت طلب ہوگا۔ اس تحقیق کے دوران مجھے جہاں تلخ تجربات ہوئے وہیں خوشگوار مواقع بھی فراہم ہوئے۔ اس سفر میں جہاں مجھے کچھ لوگوں کے گھروں کے بے شمار چکر لگانے پر بھی کچھ حاصل نہیں ہوا وہیں کچھ مہربانوں نے دیر ہی سے سہی لیکن مجھے اپنی قیمتی اثاثے میں سے چند اخبارات دے کر مالا مال کر دیا۔''

(مشترکہ پنجاب کے اردو اخبارات ص ۱۶)

ڈاکٹر رحمان اختر اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

> "یہ کتاب اردو صحافت کے تعلق سے ایک اضافہ بھی ہے اور معلومات کا سرچشمہ بھی جہاں یہ

مقام باعث مسرت ہے وہاں ڈاکٹر اسلم کی یہ کاوش اردو صحافت کا روشن باب ہے

(مشترکہ پنجاب کے اردو اخبارات ص۱۴)

مشترکہ پنجاب کے اردو صحافی ڈاکٹر اسلم کی دوسری تحقیقی وتنقیدی کتاب ہے جو ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے ۲۰۱۶ ء میں شائع ہوئی ہے۔اس کتاب میں متحدہ پنجاب کے ۳۳ صحافیوں کا مختصر تعارف کے ساتھ ان کی صحافتی خدمات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔اسے مشترکہ پنجاب کے صحافیوں کا تذکرہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی کتاب میں اور ایک ہی خطے کے ۳۵ صحافیوں کا اختصار کے ساتھ ذکر ملتا ہے۔تمام صحافیوں کو تاریخ پیدائش کے اعتبار سے کتاب میں ترتیب دیا گیا ہے۔کتاب مختصر مگر جامع ،اہم اور معلوماتی ہے۔

ادبی صحافت کے اولین نقوش:ڈاکٹر محمد اسلم کی تیسری تحقیقی کتاب ہے جو نو مضامین پر مشتمل ہے۔ان مضامین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ محقق نے کتنی محنت اور تحقیقی میدان کی خاک چھاننے کے بعد ان مضامین کو سپرد قلم کیا ہے۔صحافت،اخباری صحافت،ادبی صحافت،اشاعتی ادبی صحافت،ریڈیائی ادبی صحافت وغیرہ مضامین میں صحافت کے تعارف اور قسموں کے علاوہ ایک طویل مضمون اردو اخبارات میں ادبی صحافت کے آغاز وارتقاء پر بھی مفصل بحث کی گئی ہے۔اس کتاب کے متعلق ڈاکٹر روبینہ لکھتی ہیں کہ:۔

> "ڈاکٹر محمد اسلم تنقید کے میدان میں گو نو وارد ہیں مگر تواتر کے ساتھ ان کی تصانیف کی اشاعت اس شخصیت میں پنہاں کامیاب ناقد اور محقق کے روشن مستقبل کی دلیل ہے۔ادبی صحافت کے اولین نقوش کا مسودہ پڑھنے کے بعد یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ موصوف اوپری خس وخاشاک ہٹا کر گہرائیوں سے سچے موتی ڈھونڈنے کے ہنر سے واقف ہیں"

(ادبی صحافت کے اولین نقوش ص۹)

یہ کتاب بھی ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے ۲۰۱۶ عیسوی میں شائع ہوئی تھی۔

مشرقی پنجاب کا صحافتی سفر ڈاکٹر محمد اسلم کی اس کتاب میں صرف مشرقی پنجاب کی صحافت کو ہی موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔ پہلے اس کتاب میں پنجاب میں اردو صحافت کے آغاز وارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر مشرقی پنجاب سے شائع

ہونے والے اردو اخبارات جن میں روز نامے، سہ روزہ اخبار، ہفتہ وار اخبار اور پندرہ روزہ اخبار کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کے بعد مشرقی پنجاب کے اردو رسائل جن میں ماہنامہ دو ماہی، سہ ماہی، سالانہ مجلّہ، اور سالانہ کتابی سلسلہ شامل ہیں۔اس کتاب کے آخری حصے میں مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے بارہ صحافیوں کے مختصر تعارف کے ساتھ ان کے صحافتی کارناموں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی دوسری کتابوں کی طرح ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے ۲۰۱۶ ء میں شائع ہوئی۔

تاریخ اردو صحافت پنجاب: پنجاب کی صحافت پر مبنی تاریخی کتاب ۲۰۱۹ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔ان کی مندرجہ بالا تمام صحافتی کتب کا تقریباً کچھ حصہ اس میں شامل ہے۔مشرقی پنجاب کے ناقد و افسانہ نگار محمد بشیر مالیر کوٹلوی نے محمد اسلم کے بارے میں لکھا تھا کہ:۔

> "محمد اسلم نوجوان قلمکار ہیں ان کی محنتوں اور سچی تحقیق کا رنگ مشترکہ پنجاب کے اردو صحافی میں آپ کو صاف نظر آئے گا اس کتاب میں آپ کو پنجاب اور اردو صحافت کے ایسے ایسے گراں قدر اور معتبر صحافیوں کے اذکار ملیں گے جن کو وقت نے فراموش کر دیا۔میری دعا ہے کہ ڈاکٹر اسلم پنجاب اردو صحافت کی تاریخ مرتب کریں ان سے ہماری بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔"

(مشرقی پنجاب کا صحافتی سفر ص ۹)

محمد بشیر مالیر کوٹلوی نے غالباً یہ بات ۲۰۱۶ میں کہی تھی اور ڈاکٹر محمد اسلم نے ۲۰۱۹ء میں ان کی بات پوری کر دی اور" تاریخ اردو صحافت پنجاب" جیسی اہم کتاب مرتب کر کے شائع کی ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم نے بلاشبہ بہت ہی اہم اور عمدہ تحقیقی کارنامے انجام دیے ہیں مگر ان کی تحقیق کا میدان صرف پنجاب کی صحافت تک محدود ہے۔اب ان کو چاہئے کہ صحافت کے میدان کے ساتھ ساتھ ادبی اشخاص یا اصناف کو بھی موضوع تحقیق بنائیں تحقیق کے میدان میں میں محمد اسلم پختہ ہو چکے ہیں وہ کسی بھی موضوع پر قلم کو اٹھا سکتے ہیں۔لہذا انہیں دوسری اصناف پر بھی قلم اٹھا کر صحافت کی طرح قابل قدر کارنامہ انجام دینے چاہئے۔ڈاکٹر روبینہ لکھتی ہیں کہ:۔

"ڈاکٹر محمد اسلم کے انداز تحقیق و تنقید کو دیکھتے ہوئے میں انہیں مشورہ ضرور دوں گی کہ یہ
میدان بہت وسیع ہے خود کو صحافت کے گوشے تک محدود نہ رکھیں بلکہ دیگر اصناف ادب کے
بارے میں بھی طبع آزمائی کریں تو یہ اردو زبان و ادب کے لیے بے حد مفید ہوگا"

(ادبی صحافت کے اولین نقوش ص ۱۱)

میرا بھی انہیں یہی مشورہ ہے کہ تحقیق ایک وسیع میدان ہی نہیں بلکہ بحر بیکراں ہے اس لئے صحافت کے ساتھ ساتھ دیگر ادبی گوشوں پر بھی تحقیق کریں۔ جس تیزی اور رفتار کے ساتھ تحقیقی میدان میں ڈاکٹر اسلم بڑھ رہے ہیں امید ہے کہ مستقبل میں بھی یہ رفتار کم نہ ہوگی اور اس سفر کو جاری و ساری رکھیں گے۔

ڈاکٹر سلیم زبیری

ڈاکٹر سلیم زبیری بیک وقت شاعر، نقاد، محقق اور مدرس ہیں۔ سلیم زبیری نے مالیرکوٹلہ کی نوجوان نسل کے نمائندہ شاعر کے طور پر اپنی پہچان بنائی ہے۔ ان کی پیدائش مالیرکوٹلہ سے میلوں دور اتر پردیش کے ضلع سہارنپور میں یکم ستمبر ۱۹۷۷ء کو ہوئی تھی۔ والد کا نام اقبال زبیری ہے جو ان کی پیدائش کے بعد سہارنپور سے ہجرت کر کے مالیرکوٹلہ شہر میں آ بسے اور زبیری کی تعلیم بھی اسی شہر میں ہوئی ہے۔ میٹرک تک کی تعلیم اسلامیہ سینئر سیکنڈری اسکول مالیرکوٹلہ سے حاصل کی ہے۔ بعد ازاں بی۔اے اور ایم۔اے اردو گورنمنٹ کالج مالیرکوٹلہ سے کی تھی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی۔ایڈ کی ڈگری ۲۰۰۲ء میں حاصل کی اس کے بعد ایم اے فارسی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے ۲۰۰۴ء میں پرائیویٹ طور پر کی تھی۔

ڈاکٹریٹ کی ڈگری ڈاکٹر زینت اللہ جاوید کی نگرانی میں ''پنجاب میں اردو غزل کے پچاس سال ۱۹۵۱ تا ۲۰۰۰ء'' کے موضوع پر ۲۰۰۸ء میں مکمل کی۔ عملی زندگی کی شروعات ناردرن ریجنل لینگویج سینٹر پٹیالہ میں بطور جز وقتی اردو لیکچرر کے طور پر ہوئی تھی اور چار سال تک اس ادارے میں اردو کی تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول جمال پورہ میں اردو کے مدرس مقرر ہوئے اور آج بھی اسی سکول میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم زبیری کے ادبی سفر کا آغاز ایک شاعر کے طور پر ہوا تھا۔ ابتداء میں خالد کفایت کی شاگردی اختیار کی اور

ان کی وفات کے بعد ڈاکٹر اسلم حبیب سے رشتہ تلمذ میں منسلک ہو گئے۔ڈاکٹر سلیم زبیری پنجاب میں منعقد ہونے والے مختلف مشاعروں میں شرکت کر کے اپنی شاعری سے سامعین کو محظوظ کرتے رہتے ہیں ۔ڈاکٹر زبیری کو ادبی خدمات کے اعتراف میں لالہ جگت نرائن ایوارڈ سے بھی نوازا جا چکا ہے۔شہر ندا کے نام سے ان کا شعری مجموعہ زیر ترتیب ہے امید ہے جلد ہی منظر عام پر آ جائے گا۔شاعری کے علاوہ تحقیق وتنقید کے میدان میں بھی اپنے قلمی جوہر دکھا رہے ہیں۔ان کے تحقیقی وتنقیدی مضامین وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مختلف رسائل واخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صدیقی لکھتے ہیں کہ

> "ڈاکٹر سلیم زبیری نئی نسل کے ان جواں سال قلمکاروں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی محنت شاقہ، ذاتی کاوشوں اور دلچسپی سے اردو دنیا اور خصوصاً مالیر کوٹلہ (پنجاب) کے ادبی منظر نامے میں اپنی الگ شناخت بنائی ہے اور ادب کی مختلف جہتوں میں نئے امکانات تلاش کرنے کی سعی کی ہے"

(آزادی کے بعد پنجاب میں اردو غزل سلیم زبیری ص ۹)

ڈاکٹر سلیم زبیری کی اردو زبان وادب سے گہری دلچسپی کے ثبوت کا مظہر ان کا ہندوستان کے مختلف علاقوں میں منعقد اردو سیمیناروں اور اکیڈمی پروگراموں میں شرکت کرنا ہے۔متعدد بار ای۔ ٹی وی اردو کے پروگراموں میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ان کے تحقیقی وتنقیدی مضامین کے علاوہ دو تحقیقی وتنقیدی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔جن کی بدولت ڈاکٹر سلیم زبیری مشرقی پنجاب کے اردو محققین کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔تنقیدی زاویے اور آزادی کے بعد پنجاب میں اردو غزل ان کی تحقیقی کتب ہیں۔ان کی کتب کا مختصر تعارف بھی پیش کیا جاتا ہے۔

تنقیدی زاویے: سلیم زبیری کی پہلی تحقیقی وتنقیدی کتاب ہے جو گیارہ مضامین پر مشتمل ہے۔ان کی تحقیق وتنقید کا محور ومرکز مالیر کوٹلہ کے دوسرے محققین کی طرح پنجاب تک ہی محدود ہے۔جو کہ پنجاب کے اردو ادب کے لیے خوش آئند قدم ہے۔ یہ کتاب اس لیے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں شامل مضامین کا تعلق پنجاب کے اردو ادب سے ہے۔ان مضامین میں عصر حاضر اور کچھ رفتگان ادیب وشعراء کو موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔۱۰۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ان مضامین کے مطالعے سے ان کے تحقیقی وتنقیدی معیار کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آزادی کے بعد پنجاب میں اردوغزل: ڈاکٹر سلیم زبیری کی دوسری تحقیقی کتاب ہے دراصل یہ کتاب ڈاکٹر سلیم زبیری کے پی ایچ ڈی کے لیے لکھے گئے مقالے بعنوان ''اردوغزل کے پچاس سال ۱۹۵۱ تا ۲۰۰۰ء'' کی مطبوعہ شکل ہے ۔ڈاکٹر زبیری نے اسے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملنے کے چار سال بعد ''آزادی کے بعد پنجاب میں اردوغزل'' کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔اس میں متحدہ پنجاب کے ادبی ماحول کا جائزہ لیا گیا ہے اور ساتھ ہی آزادی کے بعد پنجاب میں اردوغزل، اردوغزل میں پنجابی کلچر، اردو کی چند تحریکات اور پنجاب میں اردوغزل کے مستقبل پر بھی بحث کی ہے۔اس کتاب میں تقریباً ڈھائی سو شعرا کا ذکر بھی ملتا ہے۔اس کتاب سے متعلق ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صدیقی لکھتے ہیں:

"آزادی کے بعد پنجاب میں اردوغزل کے موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو یقیناً پنجاب کی شعری تاریخ میں اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔اردو دنیا میں اس کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور ڈاکٹر سلیم زبیری مستقبل میں اس سے بھی بہتر کام کریں گے"

(آزادی کے بعد پنجاب میں اردوغزل ڈاکٹر سلیم زبیری ص۱۲)

ڈاکٹر سلیم زبیری تحقیقی وتنقیدی میدان میں ۲۰۱۱ء کے بعد کچھ سست رفتار نظر آرہے ہیں اس کی وجہ شاید ان کی ملازمت ہے۔کتاب تو کوئی منظر عام پر نہیں آئی البتہ چند مضامین آئے ہوں گے۔

ڈاکٹر انعام الرحمٰن

ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے مالیرکوٹلہ کی نئی نسل کے اردو محققین کی صف میں اپنی ایک اہم جگہ بنالی ہے۔انعام الرحمٰن کی پیدائش ۵ مارچ ۱۹۸۱ء مالیرکوٹلہ کے ایک ادبی گھرانے میں ہوئی تھی۔ان کے والد کا نام ڈاکٹر محمد رفیع ہے جو مالیرکوٹلہ کی ادبی علمی اور عملی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہیں۔انعام الرحمٰن نے ابتدائی تعلیم مالیرکوٹلہ سے ہی حاصل کی تھی۔دسویں جماعت کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پی ایس ای بی موہالی سے ۱۹۹۷ء میں پاس کیا

تھا۔گریجویشن کی ڈگری سرکاری کالج مالیر کوٹلہ سے حاصل کی تھی۔مزید تعلیم کے لئے ان کے والد محمد رفیع کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا اردو میں ایم۔اے کرے مگر انعام الرحمٰن کی خواہش قانون کی تعلیم حاصل کرنا تھی لہذا ایل۔ایل۔بی کی ڈگری کیلئے پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ قانون میں ۲۰۰۲ء میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۶ء میں ڈگری مکمل کرنے کے فوراً بعد اپنے والد کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ایم۔اے اردو میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۸ء میں ڈگری مکمل کی مزید تعلیمی سلسلے کو بڑھانے کے لئے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ اردو میں داخلہ لیا اور ۲۰۱۴ء میں پنجاب میں "اردو ڈرامہ کی روایت" کے موضوع پر ڈاکٹر ناشر نقوی کی نگرانی میں مقالہ مکمل کرکے ڈگری سے سرفراز ہوئے۔بعد ازاں اسی یونیورسٹی سے ایم۔اے ایجوکیشن کی ڈگری ۲۰۱۹ء میں حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر انعام الرحمٰن دوران تعلیم کئی اعزازات سے نوازے گئے ہیں۔زمانہ طالب علمی سے ہی ادبی و علمی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اس کے علاوہ این۔سی۔سی اور این ایس۔ایس سرٹیفکیٹ حاصل کیے ہیں۔ریاستی اور قومی سطح کے سیمیناروں میں شرکت بھی کی اور مقالے بھی پیش کرتے رہے اسکول اور کالج کی سطح پر بچوں کے مقابلوں میں کئی بار بطور جج بننے کا موقع بھی ملا۔ان کا ادبی تحقیق کی طرف رجحان ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے دوران ہوا اور دوران ریسرچ کئی تحقیقی مقالے لکھے اور رسائل میں شائع بھی کرتے رہے ان میں ایک اہم پرچہ "ریڈیو اور ٹیلی ویژن ڈرامہ" جوادب تحقیق مرتبین (ڈاکٹر رحمان اختر اور محمد اشرف) میں شائع ہوا۔ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملنے کے بعد ان کی تحقیقی سرگرمیوں میں تیزی آئی

ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے دو تحقیقی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تقریباً چار مرتب کی ہیں۔اس طرح کل ان کی چھ تحقیقی کتب اور متعدد مضامین بھی ہیں۔

ان کی تحقیقی کتب میں میرے دادا استاد سید کوثر علی شاہد جعفری (تصنیف)، شہر ندا میں اجنبی (ترتیب) تازہ پانی کنکنا (ترتیب)، سوکھ چلی دل کی ندیا (ترتیب)، پنجاب میں اردو ڈرامے کی روایت (تصنیف) اور دل کے رنگ ہزار (ترتیب) ہیں۔

ڈاکٹر انعام الرحمٰن کی چند تحقیقی کتب کا مختصر تعارف پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

میرے دادا استاد سید کوثر علی شاہد جعفری: مالیر کوٹلہ کے سماجی اور ادبی حلقے میں کسی تعارف کا محتاج نہیں تھے اور مالیر کوٹلہ کی ایک عظیم شخصیت و شاعر تھے۔ سید کوثر علی کی حیات و خدمات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنا کر کتاب کی شکل میں کوثر کو اردو دنیا سے متعارف کرایا ہے۔ اس کتاب میں سید کوثر علی کی حیات شخصیت اور شعری رتبہ وغیرہ پر ایک طویل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی غزلیں اور نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ حصہ غزل میں جو غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ وہ غزلیں ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۵ء کے دوران لکھی گئی تھیں۔ اس دور میں کوثر نے دو تخلص استعمال کیے کبھی زاہد اور کبھی شاہد اور مولانا کمال الدین کمال سے اصلاح لیتے رہے ہیں۔ حصّہ نظم جو کوثر کی نظموں پر مشتمل ہے۔ اس میں شامل نظمیں کوثر کی اپنی زندگی کے ۲۱ سے ۲۴ سال کی عمر میں لکھیں اور انعام الرحمٰن نے اس کتاب میں شامل کی ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں چند قطعات و رباعیات بھی شامل کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

شہر ندا میں اجنبی: پنجاب میں اردو شاعری اور ڈرامہ نگاری میں ڈاکٹر محمد رفیع کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ان کے ۶۰ سے زائد ڈرامے اور متعدد شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ شہر ندا میں اجنبی محمد رفیع کا شعری مجموعہ ہے جو غزلیات پر مشتمل ہے اسے ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے مرتّب کر کے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے شعری مجموعات کو انعام الرحمٰن نے مرتب کیا ہے۔ جن میں تازہ پانی کنکنا (دوہوں کا مجموعہ) سوکھ چلی دل کی ندیاں (غزلیات کا مجموعہ) اور دل کے رنگ ہزار بھی (غزلیات کا مجموعہ) ہے

پنجاب میں اردو ڈرامے کی روایت ڈاکٹر انعام الرحمٰن کا پی۔ ایچ ڈی کے لیے لکھے گئے مقالے کی کتابی شکل ہے۔ اس کتاب کو انعام الرحمٰن نے چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلے باب میں ڈراما اور اردو ڈراما، اس میں ڈرامے کی تعریف اور آغاز و ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرا باب پنجاب میں اردو ڈرامہ ہے، تیسرا باب اردو ڈرامے میں پنجابیت، تقسیم وطن کے بعد پنجاب میں اردو ڈرامہ، پنجم باب پنجاب میں اردو کے نامور ڈرامہ نگار کے اور آخری باب پنجاب میں اردو ڈرامے کی موجودہ صورت حال ہے۔ ۵۷۵ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب پنجاب میں اردو ڈرامے کے حوالے سے ایک اہم اور مفید کتاب ہے۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس سے ۲۰۱۹ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔

ڈاکٹر انعام الرحمٰن اپنے تحقیقی و تنقیدی مقالے جو وقتاً فوقتاً مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں

انھیں کتابی شکل میں ترتیب دینے کی تیاری کر رہے ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی یہ مضامین بھی کتابی شکل میں شائع ہو کر منظر عام پر آئیں گے۔ڈاکٹر انعام الرحمٰن تحقیقی کاموں میں کافی فعال نظر آ رہے ہیں۔امید ہے کہ ان کی رفتار میں کمی نہیں آئے گی اور مستقبل میں پنجاب کے اردو محققین میں ایک اہم نام ڈاکٹر انعام الرحمٰن کا بھی ہوگا۔

مشرقی پنجاب کے اردو محققین کے اس سرسری جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خطے میں اردو تحقیق نے کافی حد تک ترقی کی ہے۔اردو تحقیق میں قابلِ قدر اضافے ہوئے ہیں اور ان گنت تحقیقی مقالات بھی منظرِ عام پر آئے ہیں۔مشرقی پنجاب کے محققین نے زیادہ تر پنجاب اور بالخصوص مشرقی پنجاب کے اردو ادب کو ہی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔اس علاقے میں عصر حاضر تک دشتِ تحقیق کی منزل بڑی ہی دلکش رہی ہے تو اس کی اگلی منزل ایک گلزار نہ سہی ایک مرغزار تو ہوگئی اور ہونی بھی چاہئے۔مجھے امید ہی نہیں بلکہ اعتمادِ کامل ہے کہ مشرقی پنجاب کے محققین نہ صرف اس خطہ کے اردو ادب بلکہ دنیائے ادب کو تمام خس و خاشاک سے پاک صاف اور ہر گوشہ تاریک کو علم کی روشنی سے منور کریں گے۔

”علم سکھاؤ اور سختی نہ کرو۔ جس سے علم سیکھو اس کی عزت کرو“

(حدیث)

مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق

۱۔پنجابی یونیورسٹی (پٹیالہ)

۲۔پنجاب یونیورسٹی (چنڈی گڑھ)

۳۔گرونانک دیو یونیورسٹی (امرتسر)

مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق پر خامہ فرسائی کرنے سے قبل ہندوستان کی جامعات میں اردو تحقیق کا آغاز کب ہوا اور پہلے پی ایچ۔ڈی یا ڈی لٹ کون ہیں چند سطور میں واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔اردو ادب سے متعلق پہلی پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ہندوستانی جامعات سے نہیں بلکہ سات سمندر پار یورپ سے عطا ہوئی تھی۔ یہ ڈگری سید عبداللطیف جن کا تعلق شعبہ انگریزی سے تھا ۱۹۲۴ء میں کنگز کالج انگلستان کے شعبہ انگریزی سے حاصل کی تھی۔ بعض محققین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوستانی جامعات میں اردو سے متعلق پہلی پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ (۱۸۹۹۔۱۹۸۴) نے کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۹۳۱ء میں حاصل کی تھی اور ان کی تحقیق کا موضوع "جدید اردو شاعری کی خصوصیات اور رجحانات" تھا مگر یہاں ایک تضاد ہے کہ موہن سنگھ دیوانہ جو ایم۔اے انگریزی مضمون میں تھے انہوں نے پی ایچ۔ ڈی اردو میں کیسے کی تھی۔ رام لال ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا موضوع[۴] "Characteristics and tendencies of modern Urdu poetry 1867-1920"

(یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق، سید معین الرحمٰن، ص ۲۲، ۱۹۸۹ء)

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ اپنی پی ایچ۔ڈی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۳۱ء میں جدید اردو شاعری پر مقالہ لکھا اور کلکتہ یونیورسٹی سے ڈگری پائی۔ مجھ سے پہلے ڈاکٹر عبداللطیف صاحب لندن سے ''اردو پر انگریزی کے اثرات'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈگری لائے تھے''

(دیباچہ، سفینہ، ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، ۱۹۷۰ء)

عبدالقادر سروری اپنی کتاب ''جدید اردو شاعری'' کے دیباچے میں ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کے مقالے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مگر دیری سے یہ فائدہ ہوا کہ اس دوران میں ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کا مقالہ ''ماڈرن اردو

پوئٹری'' شائع ہو گیا''

(جدید اردو شاعری، عبدالقادر سروری، ص ۷)

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوآنہ کے اس مقالے سے انہوں نے کئی حوالے نقل کیے ہیں اور حواشی و کتابیات میں ''ماڈرن اردو پوئٹری'' ہی لکھا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اگر ان کا مقالہ اردو میں لکھا ہوتا تو سروری مقالے کا نام انگریزی میں کیوں لکھتے۔ سروری کی کتاب ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوآنہ نے انگریزی میں ایم اے کیا تھا اور ان کی تحقیق کا موضوع تو اردو کے متعلق ہے مگر عنوان انگریزی میں (ماڈرن اردو پوئٹری) ہے اور جس کلکتہ یونیورسٹی سے ان کو اردو میں ملی پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کو بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ اس یونیورسٹی میں شعبہ اردو کا قیام ۱۹۳۲ء میں عمل میں لایا گیا تھا۔ جب کہ موہن سنگھ دیوانہ کو ۱۹۳۱ء میں ڈگری ملی تھی۔۔ میری تحقیق کے مطابق موہن سنگھ دیوانہ اردو کے پہلے پی ایچ۔ ڈی نہیں ہیں بلکہ اردو سے متعلق ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند جین کے مطابق اردو کا پی ایچ۔ ڈی۔ کس کو کہا جائے لکھتے ہیں کہ

''میرا خیال ہے کہ اردو کا پی ایچ۔ ڈی۔ صرف وہ کہلا سکتا ہے جو ایم۔ اے اردو کر کے شعبہ اردو سے پی ایچ۔ ڈی لے''

(یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق، سید معین الرحمٰن، صفحہ ۱۸)

مندرجہ بالا اقتباسات سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر موہن سنگھ دیوآنہ کو اردو شعبہ سے پی ایچ ڈی کی سند ملی ہے تو بلاشبہ ہندوستانی جامعات میں اردو کے پہلے پی ایچ۔ ڈی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہندوستانی جامعات میں اردو میں پہلی پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کا اعزاز ڈاکٹر رفیق حسین کو حاصل ہے ان کا موضوع ''اردو غزل اور اس کی نشو و نما ۱۸۵۷ء تک'' تھا یہ ڈگری شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی سے ۱۹۴۲ء میں تفویض کی گئی تھی۔ ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ

"ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اردو کے پہلے ڈاکٹر، سید رفیق حسین ہیں"

(یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق، سید معین الرحمٰن، ص ۳۱)

ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق کا آغاز تو ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ ہو گیا تھا۔لیکن تب جو مقالات لکھے جاتے تھے وہ پی۔ایچ ڈی کے لیےنہیں بلکہ ایم۔اے کے دوران لکھے جاتے تھے۔اردو تحقیق کا پہلا مقالہ مولوی عبدالحق کی نگرانی میں شیخ چاند نے سودا پر ۱۹۳۲ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں جمع کیا۔اس کے بعد اس مقالے کو کتابی شکل میں ۱۹۳۶ء میں شائع کیا گیا تھا۔یہ کتاب شخصیات پر لکھی جانے والی کتابوں میں کافی اہم ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ

> ''آزادی سے قبل لکھی جانے والی کتابوں میں نہایت اہم شیخ چاند مرحوم کی کتاب ''سودا
> ''ہے۔جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔یہ کتاب جدید تحقیقی مقالوں کے انداز پر لکھی گئی ہے اور
> اسی نے بعد میں لکھے جانے والوں کے لیے مثال کا کام دیا''

(پاکستان اور ہندوستان میں اردو تحقیق وتدوین،مرتبہ رؤف پاریکھ،ص ۳۱)

ہندوستان کی کس جامعہ نے پہلے پی ایچ ڈی کا آغاز کیا اس سوال کے جواب میں اگر ہم مقالے کی تکمیل کو مدنظر رکھیں تو اس کا سہرا الہ آباد یونیورسٹی کے سر ہے۔جہاں سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ۱۹۴۲ء میں سید رفیق حسین کو ملی تھی اور ان کا یونیورسٹی میں داخلہ کب ہوا تھا نہیں معلوم۔مگر دوسری طرف ابواللیث صدیقی نے "لکھنؤ کا دبستان شاعری" کے موضوع پر ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔اس موضوع پر ۱۹۳۸ء میں انہوں نے کام کی شروعات کی تھی اور تقریباً پانچ سال کے عرصہ میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا۔اس کے بعد آزادی تک اردو کے ان محققین کا شمار انگلیوں پر کیا جا سکتا ہے جنہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لی ہیں۔ان میں ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ''دہلی کا دبستانِ شاعری'' کے موضوع پر ۱۹۴۴ء میں ڈگری حاصل کی تھی۔ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی ۱۹۴۴ء،ڈاکٹر مسعود حسین خان ۱۹۴۵ء،ڈاکٹر جگت نارائن ہیکر وال نے لکھنؤ یونیورسٹی سے پریم چند کے موضوع پر ڈگری حاصل کی،ڈاکٹر عبادت یار خان بریلوی،ڈاکٹر محمد حسن بلگرامی اور ڈاکٹر گیان چند جین وغیرہ ہیں۔ہندوستانی جامعات میں پی ایچ ڈی کا آغاز الہ آباد یونیورسٹی اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہوا تھا۔الہ آباد یونیورسٹی نے ڈگری پہلے تفویض کی اور اسی جامعہ سے اردو کی پہلی ڈی لٹ کی ڈگری بھی مکمل ہوئی تھی۔یہ ڈگری سید اعجاز حسین نے ۱۹۴۶ء میں

''مذہب اور شاعری'' کے موضوع پر حاصل کی تھی۔

آزادی کے بعد ڈگری یافتہ محققین کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش اس حوالے سے لکھتی ہیں کہ:

''آزادی کے بعد ہندو پاک میں ادبی تحقیق کو اتنا فروغ حاصل ہوا ہے کہ اسے تحقیق کا زریں دور کہا جا سکتا ہے۔گزشتہ تیس پینتیس سالوں میں درسگاہیں تحقیق کا مرکز بن گئی ہیں''

(پاکستان اور ہندوستان میں اردو تحقیق و تدوین، مرتبہ رؤف پاریکھ، ص ۲۲۳)

ہندوستان میں تقریباً پندرہ سے زیادہ ریاستوں اور یونین ٹیری ٹریز کی جامعات میں اردو میں پی ایچ ڈی کروائی جا رہی ہے۔ ان میں اُتر پردیش، آندھرا پردیش، اُرناچل پردیش، بہار، پنجاب، جموں و کشمیر، تمل ناڈو، جارکھنڈ، چنڈی گڑھ، دہلی، راجستھان، کرناٹک، کیرالا، مدھیہ پردیش اور مہاراشٹرا وغیرہ شامل ہیں۔ ہندوستانی جامعات میں اردو تحقیق کے آغار پر سرسری نظر کے بعد میں اپنے موضوع مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

مشرقی پنجاب میں تقریباً تیس یونیورسٹیاں ہیں مگر صرف تین جامعات میں شعبہ اردو قائم کیا گیا ہے جو کہ کل جامعات کا صرف دس فیصد حصہ ہے اور ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ ان میں اردو کی تدریس کے علاوہ تحقیقی کام بھی سرانجام دیے جا رہے ہیں۔مشرقی پنجاب کی ہر ایک جامعہ میں چاہے وہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری اردو کی تعلیم لازمی ہونی چاہیے تھی یا کم سے کم پچاس فیصد یونیورسٹیوں میں اردو کا شعبہ ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اردو کبھی یہاں پر بھی رائج ہوا کرتی تھی اور ایک لمبے عرصے تک اسے اس خطے کی سرکاری زبان کا درجہ بھی حاصل رہا ہے۔مشرقی پنجاب کی جن تین جامعات میں اردو کا تحقیقی کام ہو رہا ہے ان میں پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ اور گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر شامل ہیں۔ان تینوں جامعات میں سے سب سے زیادہ تحقیقی کام پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں ہوا ہے۔علاوہ ازیں دیش بھگت یونیورسٹی گوبند گڑھ نے بھی سال رواں سے تحقیقی کام شروع کرایا ہے جہاں ڈاکٹر سالک جمیل براڑ بطورِ پروفیسر کام کر رہے ہیں۔

مشرقی پنجاب کے ضلع پٹیالہ میں موجود پنجابی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ہوئے یا ہو رہے تحقیقی کام پر خامہ فرسائی

سے قبل ضروری سمجھتا ہوں کہ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ اردو کے قیام کی تاریخ کا سرسری ذکر کروں۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کا قیام ۱۹۶۲ء میں عمل میں لایا گیا اس یونیورسٹی کو قائم کرنے کا مقصد پنجابی زبان وادب اور تہذیب کو فروغ دینا تھا اور یہ اس مقصد کو بخوبی انجام بھی دے رہی ہے۔ اس یونیورسٹی میں فارسی اردو اور عربی شعبے کا قیام ۱۹۶۷ء میں عمل میں آیا تھا اور پہلا صدرِ شعبہ بننے کا اعزاز کرپال سنگھ بیدآر کو حاصل ہے جو اپنے زمانے کا مشہور اردو و فارسی شاعر تھے۔ اس شعبے کے قیام کے متعلق ڈاکٹر محمد جمیل لکھتے ہیں کہ:۔

> ''پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں زبان وادب کے نام پر قائم کیے گئے دیگر شعبہ جات کی طرح
> شعبۂ فارسی، اردو عربی بھی ہے جو ۱۹۶۷ء میں وجود میں آیا۔ فارسی زبان وادب کا پنجابی سے
> گہرا تعلق ہونے کی بنا پر یہ شعبہ قائم کیا گیا تھا''

(مشمولہ ادب تحقیق ڈاکٹر، رحمٰن اختر ص ۱۵)

اس شعبے میں ایم۔اے اردو و فارسی ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ کورس کی شروعات شعبہ کے قیام کے ساتھ ساتھ ہی عمل میں آئی مگر تحقیقی کام کی شروعات تقریباً ۱۹۷۲ء سے ہوئی تھی۔ اس شعبہ سے ایم۔فل کی اولین ڈگری حاصل کرنے کا شرف ڈاکٹر ذاکر حسین نقوی کو ہے۔ اس شعبے سے اردو اور فارسی میں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں تفویض ہوئی ہیں۔ میرا موضوع محض اردو تحقیق تک محدود ہے لہذا میں فارسی ادب سے متعلق کی گئی تحقیق کو شامل نہیں کروں گا۔ اس شعبہ کے پرفیسر صاحبان اوران کی زیرِ نگرانی کی گئی تحقیق کا ذکر تاریخی اعتبار سے کروں گا۔

کرپال سنگھ بیدآر، پروفیسر گلونت سنگھ، ڈاکٹر ذاکر حسین نقوی، پروفیسر امرونت سنگھ، ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، ڈاکٹر طارق کفایت اللہ، پروفیسر محمد جمیل، ڈاکٹر ناشر نقوی، ڈاکٹر روبینہ اور ڈاکٹر رحمٰن اختر وغیرہ۔

کرپال سنگھ بیدآر

اردو کے مقبول و مشہور سکھ شاعر کرپال سنگھ بیدآر کا شمار بیسویں صدی کے اہم شعراء میں کیا جاتا ہے۔ سردار کرپال سنگھ نام تھا اور تخلص بیدآر استعمال کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۱۶ء میں ننکانہ صاحب (متحدہ پنجاب) کے ایک معزز اور تعلیم یافتہ گھرانے میں ہوئی تھی۔ دستورِ زمانہ کے مطابق ابتدائی تعلیم عربی و فارسی میں حاصل کی تھی۔ بچپن سے ہی

انتہائی ذہین تھے ہر امتحان میں ہمیشہ اوّل آتے رہے۔ فارسی و اردو ادبیات میں ایم۔اے کیا اور کئی برس تک سکھ نیشنل کالج لاہور میں تدریسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ڈاکٹر محمد جمیل نے ان کی ذہانت، متانت اور جذبے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

> ''دورِ طالب علمی میں یونیورسٹی سے وظائف حاصل کئے۔ ایم۔اے فارسی درجہ اول میں پاس کی۔ سکھ نیشنل کالج میں اردو و فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ کچھ مدت کے لئے روز نامہ شمشیرِ ہند کے ایڈیٹر بھی رہے۔ اسی دوران ایک نظم لکھی جو حکومت کے خلاف سرکشی اور بغاوت کا ترانہ بن کر ابھری۔ دورِ طالب علمی میں ایک مثالی طالب علم بن کر رہے۔ بہتر سے بہتر بننے کی امنگ ہر وقت ستائے جا رہی تھی''

(کلیاتِ بیدآر، ص۱۴)

کرپال سنگھ بیدآر زمانہ طالب علمی سے ہی شاعری کی طرف مائل ہوگئے تھے اور ابتداء میں اخگر فیروز پوری اور میلا رام وفاؔ کی شاگردی اختیار کی پھر علامہ تاجورؔ نجیب آبادی کی شاگردی میں گئے تھے۔ ہندوستان کی آزادی تک کرپال سنگھ پاکستان میں مقیم تھے مگر تقسیم کے سانحہ کے بعد ہندوستان چلے آئے اور پنجاب کے ضلع پٹیالہ میں سکونت اختیار کی۔ مختلف محکموں میں نوکری کرنے کے بعد پنجابی یونیورسٹی میں لیکچرر کے طور پر تقرری ہوئی تھی۔ میلا رام وفاؔ جو بیدآر کی شاعری کے استاد تھے نے بیدآر کو شاعر اعظم کا خطاب دیا تھا۔ مشرقی پنجاب سرکار نے بھی ۱۹۶۵ء میں بیدآر کو خصوصی اعزاز اور شاعرِ اعظم کے خطاب سے نوازا تھا۔

۱۹۶۷ء میں بیدآر نے پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی، اردو عربی کے صدر کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا اور تقریباً ۱۹۷۷ء تک صدر شعبہ کی ذمہ داری نبھاتے رہے اور اسی سال اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ کرپال سنگھ بیدآر کے بارے میں جگدیش مہتہ درد لکھتے ہیں کہ:۔

> ''آپ کی ولادت ۱۹۱۴عیسوی میں کھنگر نالا تحصیل ننکانہ صاحب کے سردار خوشحال سنگھ کے ہاں ہوئی۔ ایم۔اے کرنے کے بعد سکھ نیشنل کالج لاہور میں پروفیسر رہے اور تقسیم تک اسی

ادارے سے منسلک رہے۔اس کے بعد مقام پٹیالہ میں قیام فرمایا، پپسو میں ڈپٹی کسٹوڈین رہے۔اچانک بیمار ہو جانے کی وجہ سے پانچ سال تک حیات وموت کا شکار رہے۔صحت یابی کے بعد ضلع پریشد پٹیالہ کے سکریٹری مقرر ہوئے۔بعدازاں پنجابی یونیورسٹی میں فارسی ادبیات کے پروفیسر مقرر ہوئے آپ شمس العلماء حضرت علامہ تاجور نجیب آبادی کے مایہ ناز شاگرد رشید ہیں۔پنجاب سرکار نے آپ کو شاعر اعظم کا خطاب دے کر آپ کے جوہر شناس ہونے کا ثبوت دیا۔آپ کا شمار ہندو پاک کے صف اول کے شعرا میں ہوتا ہے''

(اردو کے نان مسلم شعرا اور ادیب، جگدیش مہتہ درد، ص۱۲۲، ۱۹۸۱)

اس حوالے سے بیدآر کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے جگدیش مہتہ کے علاوہ ڈاکٹر ناشر نقوی اور دیگر لوگوں نے ۱۹۱۴ء کے بجائے ۱۹۱۶ء پیدائش بتائی ہے۔باقی تمام حالات واقعات ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں ماسوائے تاریخ ولادت کے ۱۹۱۶ء کے ساتھ سب کا اتفاق لہذا کرپال سنگھ کی تاریخ ولادت ۱۹۱۶ء ہی درست ہے۔

کرپال سنگھ بیدآر نے اردو تحقیق اور تنقید کے میدان میں کوئی خاص توجہ نہیں دی اور نہ ہی کوئی کارنامہ انجام دیا۔البتہ ان کا ایک شعری مجموعہ جو اردو فارسی شاعری پر مشتمل ہے اور''صفیرِ خیال'' کے نام سے منظر عام پر آیا تھا۔اسے ڈاکٹر محمد جمیل نے مرتب کر کے'' کلیاتِ بیدآر'' کے نام سے شائع کیا ہے۔پروفیسر محمد جمیل ان کے کلام کے بارے میں یہ تاریخی الفاظ لکھے ہیں:۔

''بیدآر کے کلام میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو ایک اچھے شاعر میں ہونی چاہئیے بیدآر فانی ہیں لیکن ان کا کلام لافانی ہے۔''

(کلیات بیدار، مرتب پروفیسر محمد جمیل، ص۱۸)

پروفیسر بیدآر کو اس مقالے میں شامل کرنے کا مقصد بحیثیت محقق نہیں بلکہ شعبۂ فارسی اردو سے ان کی وابستگی ہے۔پروفیسر بیدآر جب تک اس شعبہ کے ساتھ منسلک رہے اس شعبہ میں صرف ایک ایم۔فل کے لئے تحقیقی مقالہ لکھا گیا جبکہ درس وتدریس کا کام باقاعدگی کے ساتھ جاری رہا۔

پروفیسر گلونت سنگھ

پروفیسر بیدآر کے بعد پروفیسر گلونت سنگھ نے اس شعبے کے سربراہ کے طور پر ذمہ داری سنبھالی اور شعبہ کے صدر مقرر ہوئے۔ پروفیسر گلونت سنگھ کا جنم ۱۹۲۵ء میں دولت پورہ نامی ایک چھوٹے سے گاؤں جو پنجاب کے ضلع موگا میں واقع ہے میں ہوا۔ آپ کا تعلق ایک نہایت ہی غریب خاندان سے تھا۔ اسکولی تعلیم وظیفہ پا کر مکمل کی اور ایم۔ اے فارسی زبان وادب میں پہلی ڈویژن کے ساتھ لاہور سے پاس کی تھی۔ ایم اے فارسی کے علاوہ گیانی اور ایم اے پنجابی کی ڈگری بھی حاصل کی تھی۔ فارسی کی طرف ان کا رجحان کب اور کیسے ہوا؟ سبھاش پر یہار کو روزنامہ ''دی ٹریبیون'' کے لئے ایک انٹرویو میں انہوں نے بتایا کہ:۔

"Afriend of my grandfather often used to say brother there is no education without persian he repeated the sentense so many times that it got stuck in my mind . Soon I, borrowed Shaikh Saadi's Gulistaan and Bustaan from the father of one of my friends and read them.Really I left mesmerised by the beauty of thought and language.This was the start of my life-long passion with persian"

ترجمہ

"میرے دادا کا ایک دوست اکثر کہا کرتا تھا کہ فارسی کے بغیر کوئی تعلیم ہی نہیں ہے۔ یہ جملہ وہ بار بار دہرایا کرتا تھا اور یہ چیز میرے ذہن میں بیٹھ گئی۔ بہت جلد ہی میں نے اپنے ایک دوست کے والد سے شیخ سعدی کی گلستان اور بوستان لیں اور انہیں پڑھا انہیں پڑھنے کے بعد میں واقع اس زبان کی فکر وسوچ اور خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا یہ فارسی زبان وادب سے میرے زندگی بھر کے لئے شوق کا آغاز تھا"

Source:http//mtribuneindia.com/2000/2000/223/windows/mains.3htm

اسی سے متاثر ہو کر گلونت سنگھ نے فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی اور فارسی میں ایم۔اے بھی کیا تھا۔ گلونت سنگھ کو پہلی ملازمت خالصہ کالج امرتسر میں بطور فارسی لیکچر ملی مگر تقسیمِ ملک کے بعد فارسی کے طالب علموں میں کمی آ گئی تھی اور پنجابی کو لازمی مضمون کے طور پر متعارف کروایا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ گلونت سنگھ کو گیانی اور ایم اے پنجابی بھی پاس کرنی پڑی تھی۔

پروفیسر تیجا سنگھ جب مہندرا کالج پٹیالہ کے پرنسپل مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنے کالج میں پنجابی کو متعارف کرایا اور انہی کی خواہش پر گلونت سنگھ نے مہیندرا کالج میں بطور پنجابی لیکچر عہدہ سنبھالا مگر اس کالج کی نوکری سے جلد ہی مستعفی ہو گئے تھے۔اس کے کچھ عرصہ بعد پھر سے درس وتدریس کی طرف لوٹے اور گورنمنٹ کالج لدھیانہ میں ۱۴ سال تدریسی خدمات انجام دی تھیں۔اس دوران انہوں نے کافی مطالعہ بھی کیا تھا۔کچھ عرصہ کے لئے پروفیسر گلونت پنجابی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی اردو وعربی کے صدر بھی رہے تھے۔پروفیسر گلونت سنگھ کی محکمہ تعلیم سے سبکدوشی کے بعد یونیورسٹی کی طرف سے انہیں لائف فیلوشپ دی گئی تھی۔یونیورسٹی میں ہی انہوں نے اپنے فلیٹ میں ۸ دسمبر ۲۰۰۰ء میں آخری سانس لی تھی۔

پروفیسر گلونت سنگھ کا تعلق فارسی زبان وادب سے تھا انہوں نے فارسی کی کئی کتابوں کے تراجم بھی کیے اور پنجابی فارسی لغت کو بھی مرتب کیا تھا۔ پروفیسر گلونت سنگھ کے شعبے سے منسلک ہوتے ہی اردو وفارسی میں تحقیقی کام کی شروعات ہوگئی تھی۔انہوں نے چار مقالہ نگاروں کی سرپرستی کی تھی۔ان کی زیر نگرانی ایک مقالہ ایم۔فل کے لیے جبکہ تین مقالے پی ایچ۔ڈی کے لیے لکھے گئے ہیں۔ پروفیسر گلونت سنگھ کی نگرانی میں لکھے گے مقالاجات کی فہرست ذیل میں ہے۔

مقالات برائے ایم۔فل

شمار	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	ذاکر حسین نقوی	نل دمن فیضی کا تنقیدی مطالعہ	پروفیسر گلونت سنگھ	۱۹۷۴

مقالات برائے پی ایچ۔ڈی

شمار	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل

۱	شیخ زینت اللہ	تلوک چند محروم شخصیت اور شاعری	پروفیسر گلونت سنگھ	۱۹۷۹
۲	ذاکر حسین نقوی	انسانی شخصیت کا تصور مثنوی رومی کی روشنی میں	پروفیسر گلونت سنگھ	۱۹۸۱
۳	شیخ زینت اللہ جاوید	غزلیات کی بنا پر نظیری کے تخلیقی شعور کا تجزیہ	پروفیسر گلونت سنگھ	۱۹۸۳

ڈاکٹر ذاکر حسین نقوی

اس کارواں کا تیسرا نام ذاکر حسین نقوی کا ہے۔ پروفیسر گلونت سنگھ کے بعد صدر شعبہ کی ذمہ داری سنبھالی ڈاکٹر ذاکر بنیادی طور پر فارسی کے ماہر تھے۔ درس و تدریس کے علاوہ ان کی وجہ شہرت فارسی کے بڑے شاعر مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی پر ان کا تحقیقی کام تھا۔مثنوی رومی پر کافی تحقیقی کام کرنے کے علاوہ بھی دیگر کئی موضوعات پر مضامین لکھے تھے۔علم عروض میں بھی غیر معمولی شناسائی رکھتے تھے۔ان کی کتاب کا نام ''انسانی شخصیات کا تصور مثنوی مولانا روم کی روشنی میں'' ہے۔ڈاکٹر ذاکر حسین نے کئی تحقیقی منصوبوں میں بھی حصہ لیا تھا اور اپنے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا تھا۔انہی میں سے پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے ایک ساتھی نربھے سنگھ کی کتاب ''فلاسفی آف سکھ ازم ریالٹی اینڈ اٹس مینی فیسٹیشنز''میں اسلام سے جڑے موضوعات پر مشورہ دینا بھی شامل ہے۔

ذاکر حسین نے ایم۔اے فارسی کے بعد پی ایچ۔ڈی۔کی ڈگری "نل ودمن فیضی کا تنقیدی مطالعہ" کے موضوع پر پروفیسر گلونت سنگھ کی نگرانی میں۱۹۷۴ء میں حاصل کی تھی۔بعدازاں اسی یونیورسٹی کے شعبہ سے پروفیسر گلونت سنگھ ہی کی نگرانی میں'' انسانی شخصیت کا تصور مولانا روم کی روشنی میں'' کے موضوع پر ۱۹۸۱ء میں ڈگری حاصل کی اور پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی، اردو و عربی سے فارسی ادب میں پہلے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے ریسرچ اسکالر کا اعزاز حاصل کیا۔ پروفیسر محمد جمیل ان کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

> "اس کاروانِ تحقیق کا پہلا نام مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین نقوی کا ہے مرحوم کا تحقیقی موضوع انسانی شخصیت کا تصور اور مثنوی مولانا روم کی روشنی میں تھا جس میں موصوف نے شخصیت کا مفہوم مختلف مفکروں مثلاً ولیم جیمز اور وڈز ورتھ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مختلف نظریات اور مختلف مذاہب کی روشنی میں دلائل سے بات کی ہے"

(ادب تحقیق، ص ۱۵)

ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اسی شعبہ سے وابستہ ہوکر تدریسی خدمات انجام دینے لگے ان کی زیر نگرانی دو ریسرچ اسکالروں نے اردو میں ایم۔فل کی ڈگری مکمل کی تھیں۔ابھی مزید تحقیقی کام کرا سکتے تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور صدر شعبہ کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے ۱۹۹۲ء میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔مرحوم ذاکر نقوی کے بعد ڈین لینگویجز نے ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۵ء تک اس شعبہ کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری نبھائی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نقوی کی نگرانی میں لکھے گئے مقالات برائے ایم۔فل

شمار	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	عبدالرشید	سجاد ظہیر کی ناول نگاری لندن کی ایک رات کے حوالے سے	ڈاکٹر ذاکر حسین نقوی	۱۹۸۶
۲	رحمت اللہ خان	جوش ملسیانی حیات وخدمات	ڈاکٹر ذاکر حسین نقوی	۱۹۸۷

پروفیسر امرونت سنگھ بنیادی طور پر فارسی کے پروفیسر تھے اور اس شعبے کے ساتھ بھی منسلک رہے۔انہوں نے تصنیفاتِ گویا کا تجزیاتی مطالعہ کے عنوان سے پروفیسر دیوان سنگھ کی نگرانی میں شعبہ فارسی واردو گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر سے ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری فارسی ادب میں حاصل کی تھی۔ان کی نگرانی میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا گیا تھا۔

مقالات برائے برائے پی ایچ۔ڈی

شمار	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	محمد جمیل	عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری	پروفیسر امرونت سنگھ	۱۹۹۰ء

ڈاکٹر طارق کفایت اللہ

اس کے بعد ڈاکٹر طارق کفایت اللہ نے صدر شعبہ کی ذمہ داری سنبھالی۔ہیڈ ماسٹر محمد کفایت اللہ کا شمار ان شخصیات میں کیا جاتا ہے جنہوں نے اردو ادب کے فروغ کے لیے اور مالیر کوٹلہ کی نوجوان نسل کی تعلیم وتربیت کے لئے ہدیہ مکتوبی سے زیادہ عملی صورت میں ساری عمر وقف کر دی تھی۔آج اگر مالیر کوٹلہ کے لوگ پڑھے لکھے ہیں تو وہ ہیڈ ماسٹر کفایت اللہ

ہی کی وجہ سے ہیں۔ ہیڈ ماسٹر کفایت اللہ کے گھر ایک بچے نے ۱۹۵۰ء میں جنم لیا اس کا نام طارق کفایت اللہ رکھا گیا تھا۔ جو بعد میں ڈاکٹر طارق کفایت اللہ کے نام سے مشہور ہوئے ہیں۔ طارق کفایت اللہ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر بی اے تک کی تعلیم مالیرکوٹلہ میں ہی حاصل کی تھی۔ مالیرکوٹلہ کے مدرسہ اہل حدیث میں کچھ عرصہ پڑھاتے رہے اور بعد میں بھاشا وبھاگ پنجاب جو کہ پٹیالہ میں ہے ملازمت مل گئی۔ ملازمت کے دوران ہی پنجابی یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو اور ایم اے فارسی کے امتحانات پاس کیے۔ ان کا یہ تعلیمی سلسلہ یہیں نہیں رکا بلکہ اسی یونیورسٹی سے ایم۔فل ''گرامی جالندھری: شخصیت اور فن'' کے موضوع پر حاصل کرنے کے بعد ۱۹۹۱ء میں لیکچرر مقرر ہوئے اور پی ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری ''پنجاب کے برگزیدہ فارسی غزل شعراء'' کے موضوع پر ۱۹۹۳ء میں حاصل کی۔ ۲۰۰۲ء میں اسی شعبہ میں لیکچر سے ترقی کر کے ریڈر ہوئے اور ۲۰۰۵ء سے ۲۰۰۷ء تک صدر شعبہ کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز مالیرکوٹلہ جو اسی شعبے کا ایک حصہ ہے کا صدر مقرر کیا اور ۲۰۱۰ء میں اسی شعبے سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹ فروری ۲۰۱۲ء کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

ڈاکٹر طارق کفایت اللہ کے ادبی سفر کا آغاز ۱۹۶۸ء میں ہوا۔ اردو ادب میں ڈاکٹر طارق کا میدان نثر ہی رہا ہے ۔۱۹۸۷ء میں ان کی ایک کتاب ''ملک شعراء ملک الشعراء گرامی جالندھری'' شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ ان کے ان گنت تحقیقی مضامین بھی شائع ہوئے ہیں اور لگ بھگ ۸۰ سے زیادہ کتابوں پر تبصرے بھی کیے ہیں۔ ان کے مضامین اور تبصروں کو اگر مرتب کیا جائے تو یہ بھی کئی جلدوں میں شائع سکتے ہیں۔ ان مضامین اور تبصروں کے علاوہ ہندی، اردو اور پنجابی زبانوں کے تراجم بھی ان کی ادبی خدمات میں شامل ہیں۔

ڈاکٹر طارق کفایت اللہ کی ایک کتاب پنجابی زبان میں بعنواں ''مالیرکوٹلہ دی اردو ساہت نو دین'' ہے۔ اس کتاب کو پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ نے شائع کیا تھا اور یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانس اسٹڈیز مالیرکوٹلہ سے شائع ہونے والا سالانہ مجلّہ ''نثر نگاران مالیرکوٹلہ شخصیت اور فن نمبر'' ۲۰۰۸ -۲۰۰۹ء ڈاکٹر طارق کفایت اللہ نے مرتب کیا تھا جو تحقیقی وتنقیدی نوعیت کا ہے۔ اس میں کم وبیش مالیرکوٹلہ کے ۳۶ قدیم وجدید نثر نگاروں کے مختصر سوانحی تعارف کے ساتھ ان کی تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر طارق کفایت اللہ کی

نگرانی میں ایک ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی

شمار	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱۱	محمد انور	بشریٰ اعجاز شخصیت اور ادبی خدمات کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر طارق کفایت اللہ	۲۰۱۰

ڈاکٹر زینت اللہ جاوید

ڈاکٹر زینت اللہ جاوید کا نام ہندوستان کے اردو حلقے کے لئے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ بیک وقت ناقد، محقق، خوش فکر و صاحب طرز سخنور بھی اور ایک ذہین و فرض شناس معلم بھی ہیں۔ زینت اللہ جاوید کی پیدائش ۱۱ ستمبر ۱۹۴۶ء میں مہاراشٹر میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ناگپور چلے گئے۔ جہاں سے انہوں نے پہلے ایم اے اردو پھر ایم اے فارسی میں کیا۔ زینت اللہ جاوید نے مستقل ملازمت ملنے سے قبل سرکاری کالج اورنگ آباد، مرکزی حکومت کے ادارہ لسانیات CIIL ہماچل پردیش اور گورنمنٹ آف انڈیا کے ناردرن ریجنل سینٹر پٹیالہ میں بھی اردو کے لیکچرر رہے۔ بعدازاں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی، اردو و عربی میں آ گئے۔ اسی شعبہ میں ۱۹۷۹ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری پروفیسر گلونت سنگھ کی نگرانی میں ''تلوک چند محروم کی شخصیت اور شاعری'' کے موضوع پر حاصل کی تھی اس سلسلے میں خود لکھتے ہیں کہ:۔

> "یہ تنقیدی کاوش تلوک چند محروم شخصیت اور فن دراصل اس تحقیقی مقالے کی تصحیح شدہ کتابی صورت ہے جو اب سے ۱۲ سال قبل ۱۹۷۹ء میں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں پروفیسر گلونت سنگھ (صدر شعبہ) کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے داخل کیا گیا تھا"

(تلوک چند محروم شخصیت اور فن، ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، ص ۱۸، ۱۹۹۷ء)

اس کے بعد پروفیسر گلونت سنگھ کی نگرانی میں فارسی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری ''غزلیات کی بنا پر نظیری کے تخلیقی شعور کا تجزیہ'' کے موضوع پر ۱۹۸۳ء میں ڈگری حاصل کی تھی۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے پہلے اردو میں اور پھر فارسی میں پی ایچ۔ڈی۔ کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔ ۱۹۹۰ء میں نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز مالیر کوٹلہ میں

ریڈر مقرر ہوئے تھے۔ ۲۰۰۶ء میں اسی انسٹی ٹیوٹ میں پروفیسر اور صدر شعبہ کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے سبکدوش ہوئے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ناگپور مہاراشٹر واپس چلے گئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی ڈاکٹر طارق کفایت اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ڈاکٹر جاوید گو مالیر کوٹلہ میں پیدا نہیں ہوئے تاہم ایک طویل عرصہ سے حتی کہ یہاں باقاعدہ قیام سے بھی پہلے وہ اس شہر کی ادبی سرگرمیوں میں فعال طور پر شامل رہے اور مالیر کوٹلہ کا کوئی بھی تذکرہ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کہا جا سکتا"

(مجلّہ، نثر نگاران مالیر کوٹلہ، طارق کفایت اللہ، ص۲۷)

ڈاکٹر شیخ زینت اللہ جاوید تحقیق و تنقید کے میدان میں کافی فعال نظر آتے ہیں۔ ان کی تحقیقی و تنقیدی کتابیں ''نئی اردو شاعری ایک تجزیاتی مطالعہ''، ''شعری رویے''، ''اردو میں انشائیہ کا مقام''، ''نظیری کا تخلیقی شعور'' اور ''تلوک چند محروم شخصیت اور فن'' کو ادبی حلقوں میں کافی شہرت ملی ہے۔ جس سے جاوید کا علمی و ادبی قد کافی بلند ہوا ہے۔

نئی اردو شاعری ایک تجزیاتی مطالعہ زینت اللہ جاوید کی پہلی ادبی کاوش ہے۔ جو ۱۹۷۰ء میں امیج پبلیکیشنز اورنگ آباد سے شائع ہوئی تھی۔ جاوید شیخ نے نئی شاعری کو سمجھنے کے لیے اس کتاب میں نے ''نئی شاعری سے پہلے'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں نئی شاعری کیا ہے کہ عنوان سے مضمون لکھ نئی شاعری کو واضح کیا ہے۔ نئی شاعری میں ذات کے کرب کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا ہے۔ عہد حاضر میں میر کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آل احمد سرور اور جدیدیت کے علاوہ ڈاکٹر محمد حسن اور جدیدیت کے نام سے بھی مضمون اس کتاب میں شامل ہیں۔ شیخ زینت اللہ جاوید کے بارے میں عصمت جاوید لکھتے ہیں کہ:۔

"زینت اللہ جاوید ابھی نوجوان ہیں اور اس کم عمری میں ان کے مطالعے کی ہمہ گیری و وسعت اور نظر کی گہرائی لائق داد ہے ایک نقاد کی حیثیت سے ان کے روشن مستقبل کی ضامن بھی، جس زمانے میں وہ شعبہ اردو، فارسی گورنمنٹ کالج اورنگ آباد میں اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے معمور تھے۔ مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا میں ان کی

جانفشانی ،خلوص،علمی ذوق وشوق سے کافی متاثر تھا۔ان کے تنقیدی مضامین بڑی تیزی
سے مختلف جرائد میں شائع ہونے لگے۔اس تیز رفتاری کا ثبوت زیر نظر کتاب ہے"

(پیش لفظ،نئی اردو شاعری،زینت اللہ جاوید،۱۹۷۷ء)

شعری رویے: ڈاکٹر شیخ زینت اللہ جاوید کی یہ دوسری کتاب جو ۱۹۸۸ء میں امیج پبلی کیشنز مہاراشٹر سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی اس کتاب کا پہلا حصہ چھ مضامین پر مشتمل ہے۔نئی شاعری میں مذہبی روایت کی تجدید،عمیق حنفی کی شاعری،کمار پاشی کی شاعری،محمد علوی کی شاعری،صادق کی شاعری میں وجدانی نقطہ نظر، خالد کی شاعری میں مذہبی فکر۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں ادب میں اجتماعی شعور،ساحر لدھیانوی ایک مطالعہ، یگانہ پنجاب زار علامی، زرد پتوں کا شاعر نو بہار صابر، دشت صدا کا شاعر آزاد گلاٹی اور فوق انا کا شاعر مہیش پٹیالوی وغیرہ مضامین میں شامل ہیں۔اس کتاب کے دوسرے حصے میں شامل تمام شعراء کا تعلق پنجاب سے ہی ہے مگر یہ ایک مستقل باب کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ انفرادی طور پر شامل کتاب شاعروں کے شعری رویوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

نظیری کا تخلیقی شعور: ڈاکٹر زینت اللہ کی تیسری کتاب ہے۔جو ۱۹۹۰ء امیج پبلی کیشنز مہاراشٹر سے شائع ہوئی تھی ۔اصل میں اس کتاب کا موضوع فارسی ادب سے ہے مگر اس کی زبان اردو ہے۔یہ کتاب ان کی پی ایچ۔ڈی کی ڈگری لیے لکھے گئے مقالے کی چند تبدیلیوں کے ساتھ کتابی شکل ہے۔اس کے بارے میں خود رقمطراز ہیں:۔

"ہم نے اس مقالہ میں غزلیات کی بنا پر نظیری کے تخلیقی شعور کا تجزیہ پیش کیا ہے اور اس کے
ذہنی میلانات و رجحانات نیز اس کے تخلیقی شعور کے فنکارانہ ابلاغ پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ
مقالہ ۱۹۸۳ء میں مکمل ہو کر پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ پنجاب میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے
داخل کیا گیا تھا۔لیکن اس کی اشاعت تاخیر سے کی جا رہی ہے"

(نظیری کا تخلیقی شعور ص ۷)

تلوک چند محروم شخصیت اور فن شیخ زینت اللہ جاوید کی چوتھی کتاب ہے جو ۱۹۷۷ء میں میں محروم لٹریری سوسائٹی نئی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب پی ایچ ڈی کے لئے لکھے گئے تھیسس کی تصحیح شدہ شکل ہے۔اس کتاب کو دو حصوں اور

پانچ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں دو باب ہیں جن میں اس وقت کی سیاسی حالات، سماجی اصطلاحات اور ادبی ماحول کے علاوہ حالات زندگی اور شخصیت و کردار کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کتاب کے دوسرے حصے میں تین ابواب شامل ہیں جو محروم کی نظم نگاری، غزل گوئی اور رباعیات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا پیش لفظ محروم کے فرزند پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے لکھا ہے

۲۰۰۲ء میں پروفیسر جاوید کی مرتب کردہ کتاب عزیز بگھروی فن اور شخصیت شائع ہوئی تھی۔اس کے علاوہ نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ مالیر کوٹلہ کے سالانہ مجلّہ کا ایک خصوصی شمارہ ''جدید شعرائے مالیر کوٹلہ'' بھی ترتیب دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر زینت اللہ جاوید کی تخلیقی صلاحیتوں کا زیادہ تر اظہار تحقیق وتنقید کے میدان میں ہوا ہے۔زیر بحث تصانیف کے علاوہ اردو اور فارسی ادب کے مختلف موضوعات پر ان کے مضامین ومقالات ہندوستان کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوئے ہیں۔کافی کتابوں پر تعارفی اور تقریظی نوٹ بھی لکھے ہیں۔ڈاکٹر جاوید کی نگرانی میں ایک ریسرچ اسکالر نے فارسی ادب میں ایم۔فل کے لئے مقالہ لکھا جبکہ تین اسکالرز نے اردو میں ایم۔فل کے لئے تحقیقی مقالے لکھے اور پی ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لئے سات تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں۔ ان کی نگرانی میں لکھے گئے مقالات کی فہرست ذیل میں دی گئی ہے۔

مقالات برائے ایم۔فل

شمار	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	خالد کفایت اللہ	غزلیاتِ نظیر لدھیانوی کا تنقیدی جائزہ	شیخ زینت اللہ	۱۹۹۱
۲	ایوب خان	آزادی کے بعد پنجاب کے اردو افسانہ نگار	شیخ زینت اللہ	۱۹۹۲
۳	محمد لیاقت	منٹو کے شاہکار افسانے: تحقیق وتجزیہ	شیخ زینت اللہ	۱۹۹۳

مقالات برائے پی ایچ۔ڈی

شمار	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
	محمد رفیع	شعرائے مالیر کوٹلہ کی ادبی دین	شیخ زینت اللہ	۱۹۹۰

اودھ نارائن پاٹھک	سدرشن: شخصیت، فن اور افسانہ	شیخ زینت اللہ	۱۹۹۰
انوار احمد انصاری	پنجاب میں طنز و مزاح کا نثری ادب	شیخ زینت اللہ	۱۹۹۲
روبینہ شبنم	پروین شاکر کا شعری کارنامہ	شیخ زینت اللہ	۲۰۰۲

پروفیسر ڈاکٹر محمد جمیل

مشرقی پنجاب کے اردو زبان و ادب کا تذکرہ جب اکیسویں صدی کے حوالے سے ہمارے سامنے آتا ہے تو اس میں چند اہم ناموں میں سے ایک اہم اور بڑا نام ڈاکٹر محمد جمیل کا بھی ہے۔ڈاکٹر محمد جمیل کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے مشرقی پنجاب کے اردو و فارسی زبان و ادب کے تحقیقی و تنقیدی میدان میں اپنی ایک الگ شناخت بنائی ہوئی ہے۔ بطورِ مدرس اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے ان کی نگارشات یونیورسٹی سطح کے نصابوں میں شامل ہیں۔اردو کے محقق کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیک وقت دو تین زبانوں پر دسترس رکھتا ہوڈاکٹر محمد جمیل اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں انہیں پنجابی ،اردو ،فارسی ،عربی ،ہندی اور انگریزی زبانوں پر دسترس کے علاوہ قواعد کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا ہوا ہے۔شعر شاعری میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور اکثر و بیشتر مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں ۔اردو شاعری میں صنفِ نعت ان کو مرغوب ہے اور اسے اپنے لیے توشۂ آخرت سمجھتے ہیں۔ان کی نعت کے چند اشعار بطورِ نمونہ۔

خدا کے سامنے جس نے جھکا دی ہے جبیں میری
اسی کی رحمتوں سے زندگی اب ہے حسیں میری

وہ نقشہ جم گیا ہے دل میں اب تو ذاتِ اقدس کا
تصور میں وہ رہتے ہیں نگاہیں ہوں کہیں مری

دعا ہے زندگی میری دیارِ پاک میں گزرے
جہاں ہیں سرورِ عالمؐ بنے تربت وہیں میری

ڈاکٹر محمد جمیل ایک داخلی شخصیت کے مالک ہیں جس میں مہارت، جسارت،اعتماد،اعتقاد،مرغوبیت اور بصیرت نظر آتی ہے۔ پروفیسر موصوف بڑی باغ و بہار طبیعت والے ہیں۔ان کی خارجی صورت پر نظر ڈالیں تو باطنی صورت سے

بالکل جدا نہیں ہے۔میانہ قد، گورا رنگ،سفید لمبی ریش،سر پر ٹوپی،صوفیانہ چال ڈھال،چہرے پر ہر لمحہ تر و تازگی،ہمیشہ خوش کلامی،نورانی چہرہ،باتوں اور لہجے سے موہ لینے اور متاثر کرنے والا ذہن،رہن سہن اور خورد و نوش کا اپنا الگ ذوق وشوق،خوشحال زندگی بسر کرنے کے فن سے واقف،اپنے احباب و اقارب میں ہر دل عزیز،اپنے شاگردوں اور عزیزوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے پیش آنا اور ہر علی نعمت کے ساتھ الحمدللہ کہنا یہ بہت ہی متاثر کن ہے۔ان کے دنیاوی سفر کی شروعات شہرِ مالیرکوٹلہ سے ہوئی۔ڈاکٹر محمد جمیل کے آج تک کے اس سفر پر اختصار کے ساتھ خامہ فرسائی کرنے سے قبل لازمی سمجھتا ہوں کہ شہرِ مالیرکوٹلہ کا مختصر سا تعارف آپ احباب کے ساتھ ساجھا کروں۔

شہر مالیرکوٹلہ مشرقی پنجاب کے ضلع سنگرور کی ایک تحصیل ہے۔جو زیادہ تر مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔یہ شہر اپنی تاریخی ،مذہبی اور ثقافتی قدروں کی باعث شہرت رکھتا تھا اور آج بھی یہ شہرت برقرار ہے بلکہ اس کی اس شہرت میں علمی وادبی اقدار کا مزید اضافہ ہی ہوا ہے کمی نہیں آئی۔ڈاکٹر طارق کفایت اللہ مالیرکوٹلہ کے اس ادب نواز اور ادبی شہر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ’’مالیرکوٹلہ ایک مردم خیز شہر ہے۔جس کے فرزندوں نے علوم وفنون اور صنعت وحرفت کے میدانون میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔علوم وفنون کے ضمن میں ایک میدان ادب کا بھی ہے،اس میں اہل مالیرکوٹلہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔نتیجتاً یہ شہر تابندہ ادبی روایات کا امین رہا ہے۔مشاعروں کی تاریخ میں مالیرکوٹلہ کے مشاعروں کا ایک اپنا منفرد مقام رہا ہے۔جانِ مشاعرہ کہی جانے والی صنفِ غزل کے علاوہ نثر ونظم کی دوسری اصناف میں بھی مالیرکوٹلہ کے شعراء وادباء کے نہ مٹنے والے نقوشِ پا ثبت نظر آتے ہیں‘‘

(نثر نگارانِ مالیرکوٹلہ ص ۹)

ڈاکٹر محمد جمیل کی پیدائش ۵ دسمبر ۱۹۵۸ء کو شہر مالیرکوٹلہ کے محلّہ بھبسی میں ہوئی تھی۔ان کے والد کا نام محمد دین ہے جن کا تعلق زراعت سے ہے۔مگر ڈاکٹر محمد جمیل کی تعلیم کے سلسلے میں انہوں نے تمام اخراجات اٹھائے اور محمد جمیل سے ڈاکٹر محمد جمیل بنانے میں کامیاب ہوئے۔ڈاکٹر محمد جمیل نے گریجویشن تک کی تعلیم مالیرکوٹلہ سے ہی حاصل کی تھی۔اس کے

بعد پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی، اردو وعربی سے یکے بعد دیگرے اردو اور فارسی میں ایم اے کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔اسی شعبہ سے عربی میں سرٹیفکیٹ کورس بھی کیا۔مزید تعلیمی پیاس کو بجھانے کی خاطر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے داخلہ لیا اور ڈاکٹر امرونت سنگھ کی نگرانی میں ''عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری'' کے موضوع پر ۱۹۹۱ء میں مقالہ مکمل کر کے ڈگری مکمل کی تھی۔

ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی تکمیل کے فوراً بعد ان کو ملازمت مل گئی اور نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز مالیر کوٹلہ میں بطور لیکچرر ان کی ملازمت کا آغاز ہوا تھا۔جہاں ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰٦ء تک تدریسی اور صدر شعبہ خدمات انجام دیتے رہے اس کے بعد ڈاکٹر محمد جمیل کا تبادلہ بطور ریڈر پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی، اردو وعربی میں ہو گیا تھا۔دسمبر ۲۰۱۸ء میں پروفیسر وصدر شعبہ کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے سبکدوش ہوئے ہیں۔ڈاکٹر محمد جمیل ۲۷ سال تک محکمہ تعلیم پنجابی یونیورسٹی سے وابستہ رہے ہیں۔سبکدوشی کے بعد آج بھی درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔ڈاکٹر محمد جمیل کی نگرانی میں ۱۴ مقالہ نگاروں کو ڈگریاں تفویض ہو چکی ہیں جبکہ ۱۵ اسکالران کی نگرانی میں تاہنوز اپنے مقالات مقالے قلمبند کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد جمیل نے پنجاب کے اردو ادب میں اپنی شناخت مدرس، مترجم، مصنف، محقق اور نقاد کے طور پر بنائی ہوئی ہے۔ڈاکٹر موصوف کے تحقیقی وتنقیدی سفر کا آغاز ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے دوران ہی ہوا تھا۔ڈگری کے دوران انہوں نے صرف تحقیقی وتنقیدی مضامین ہی لکھے جو رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے اور اس کے بعد مضامین لکھنے کا یہ سلسلہ ابھی بھی جاری وساری ہے۔ان کے تقریباً ۴۰ مضامین ومقالات قومی وبین الاقوامی رسائل وجرائد کی زینت بن چکے ہیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر طارق کفایت اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

> ''جمیل صاحب کے مضامین جو ہند سماچار، خاتون مشرق، پرواز ادب وغیرہ میں شائع ہوئے ہیں۔ان میں معاشرتی وادبی ہر دو نوع کے موضوعات شامل ہیں مثلاً دام بنائے کام انشائیہ نما مضمون ہے جس میں 'کہ زر بھی ہے اس جہاں میں قاضی الحاجات' کے نظریہ کو ادبی انداز میں پیش کیا گیا ہے''

(نثر نگارانِ مالیر کوٹلہ،ص ۱۰۶)

ڈاکٹر محمد جمیل کی ادبی خدمات، درسی کتب، تحقیقی وتنقیدی اور تراجم پر مشتمل ہیں۔ان کی درسی کتب میں معاونِ اردو ۲۰۰۴ء، آسان اردو ۲۰۰۸ء اور دستورِ فارسی ۲۰۲۰ء شامل ہیں۔ تحقیقی وتنقیدی کتب میں قدیم شعرائے مالیر کوٹلہ ۱۹۹۹ء ،ادبستانِ پنجاب ۲۰۰۸ء، اردو فارسی اور پنجاب ۲۰۱۷ء، کلیاتِ بیدآر ۲۰۱۸ء، معمارانِ فارسی ادب ۲۰۱۸ء، فارسی غزل گویانِ پنجاب ۲۰۲۰ء وغیرہ ہیں ۔دینی کتب میں نماز ۱۹۹۸ء، عازمینِ حج ۲۰۰۳ء اور اسلام وچ عورت دا استھان ۲۰۱۳ء (بزبانِ پنجابی) ہیں ۔ڈاکٹر موصوف کی مرتب کی گئی کتب میں ادیب وغریب ۲۰۰۷ء، زندگی کی تلاش ۲۰۰۸ء، نظر وقدر ۲۰۰۸ء، تفہیم وتوازن ۲۰۰۸ء اور ہتھیار (کہانیوں کا مجموعہ)۲۰۰۴ء ہیں۔ان کے تراجم میں قرآن پاک کا ترجمہ (بزبان پنجابی)۲۰۱۳ء، تعلیم الاسلام ۲۰۰۶ء ، کتر ناں توں بنی عورت ۲۰۰۶ء حکایاتِ صحابہ ۲۰۰۶ء ،مسنون دعائیں ۲۰۱۰ء، فضائل نماز، اور صوفیانہ ادبی روایت ۲۰۱۶ء وغیرہ ہیں۔ڈاکٹر محمد جمیل کی ادبی خدمات کے صلے میں حکومتِ پنجاب کی جانب سے اسٹیٹ ایوارڈ (۲۰۱۲) سے بھی نوازا جا چکا ہے۔

مندرجہ بالا کتب کی فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر محمد جمیل تصنیف وتالیف، تحقیق وتنقید اور تراجم کرنے میں کس قدر مشغول رہے اور آج بھی ہمہ تن مصروف ہیں۔

ڈاکٹر محمد جمیل کی خدمات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کے لئے ایک طویل باب کی ضرورت ہوگی یہاں مقالے میں ان کی خدمات کا تجزیہ ممکن نہیں ہے۔ہاں مگر ان کی چند تحقیقی کتب کا تاریخی ترتیب کے ساتھ مختصر تعارف کروں گا۔

’قدیم شعرائے مالیر کوٹلہ: سرزمین مالیر کوٹلہ اردو شعر وادب کے فروغ کے لئے ہمیشہ سے بہت ہی ذرخیز ثابت ہوئی ہے۔اردو کے ان گنت شعراء وادباء نے اس خطہ میں جنم لیا ہے ۔ڈاکٹر محمد جمیل نے ان شعراء کی خدمات کے اعتراف میں ’قدیم شعرائے مالیر کوٹلہ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی۔اس کتاب میں مالیر کوٹلہ سے تعلق رکھنے والے اردو کے ۲۲ قدیم شعراء کا مختصر سوانح کے ساتھ ان کے کلام کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ یہ مالیر کوٹلہ کے اردو شعراء کے حوالے بہت ہی اہم کتاب ہے۔آج تک مشرقی پنجاب کی شاعری کے حوالے سے جتنے بھی تحقیقی کام اکیسویں صدی میں انجام دئے گئے ہیں سب نے اس کتاب کو حوالے کے طور پر استعال کیا ہے۔ڈاکٹر محمد جمیل نے ۱۹۹۹ء میں اس

کتاب کوشائع کر کے شاعری کے حوالے سے تحقیق کرنے والوں کی کافی مشکلیں آسان کر دی ہیں۔اس کتاب میں تمام شعراء کو تاریخِ پیدائش کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ڈاکٹر محمد جمیل اس کتاب کے بارے ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''تاریخ مالیر کوٹلہ پر غائر نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ سرزمینِ مالیر کوٹلہ میں اچھی خاصی تعداد ایسے شعراء وادباء کی رہی ہے جنھوں نے بوستانِ زبان وادب کو اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا۔یہ کتاب جو آپ کے پیشِ نظر ہے اس خیال اور کاوش کا اعتراف ہے تاکہ فکر ونظر کے یہ جواہر پارے جو عہد ماضی کا حصہ بن چکے ہیں از سرنو اپنی آب وتاب سے دنیائے ادب کو روشن کر سکیں اور ان سے تحقیق وتنقید کا نیا باب کھل سکے''

(پیش لفظ،قدیم شعرائے مالیر کوٹلہ)

اردو، فارسی اور پنجاب: سرزمین پنجاب کا اردو اور فارسی سے گہرا تعلق تھا اور اب بھی ہے۔ڈاکٹر محمد جمیل اس رشتے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔:

''یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اردو و فارسی کا رشتہ پنجاب کے ساتھ لازم وملزوم ہے جب تک پنجاب رہے گا اردو و فارسی قایم ودائم رہے گی۔یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اردو و فارسی کو پنجاب سے علیحدہ کرنا محال ہے''

(اردو فارسی اور پنجاب،ص ۸)

ڈاکٹر محمد جمیل کی اس مرتب کردہ کتاب میں پندرہ مضامین شامل ہیں جو اردو فارسی اور پنجاب کے حوالے سے ہیں ۔شامل کتاب مضامین پنجاب میں اردو غزل،اردو نظم،اردو ناول اور افسانے کے متعلق ہیں ۔فارسی مثنوی نگاری،نثر نگاری اور صحافت کے متعلق ہیں ۔ یہ کتاب گویا اردو و فارسی کا ایک گلدستہ ہے اور اسی اعتبار سے نام کا بھی بہترین انتخاب کیا ہے۔اردو فارسی اور پنجاب ۲۲۸ صفحات پر مشتمل کتاب ہے اور ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس نئی دہلی سے ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

کلیاتِ بیدار: کرپال سنگھ بیدآر اردو وفارسی کے شاعر تھے اور شعبہ فارسی اردو وعربی پنجابی یونیورسٹی کے پہلے پروفیسر وصدر بھی تھے۔ ان کے اردو و فارسی کلام کو کلیاتِ بیدآر کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ کلیات بیدآر کی نظمیات، رباعیات، غزلیات، منتخبات، طنزیات اور نادر فارسی کلام پر مشتمل ہے۔ اس کلیات کے آغاز میں کرپال سنگھ بیدآر کی مختصر سوانح بھی تحریر کی گئی ہے۔ بیدآر جنھوں نے مشرقی پنجاب میں اردو وفارسی شاعری کی روایت کو زندہ رکھا ان کے کلام کو زندہ رکھنا متاخرین کا فرض بنتا تھا۔ اسی فرض کو نبھاتے ہوئے ڈاکٹر محمد جمیل نے کلیاتِ بیدآر کو مرتب کر کے گریٹ بک کنٹریکٹر سے ۲۰۱۸ء میں شائع کیا ہے۔ اس کلیات کے پہلے ایڈیشن کی تعداد ۵۰۰ ہے۔ جو ڈاکٹر محمد جمیل نے ملک کی اکثر و بیشتر لائبریوں تک پہنچائیں تا کہ ملک کے تمام اردو قارئین بیدآر کی بیدار کرنے والی شاعری سے محظوظ ہوسکیں۔

ڈاکٹر محمد جمیل ابھی بھی تحقیقی وتنقیدی کاموں میں مشغول ہیں۔ اس وقت ڈاکٹر موصوف پنجاب کے ایک نا قابلِ فراموش شاعر رتن پنڈوری جس کو فراموش کر دیا گیا تھا کے کلام کو مرتب کر رہے ہیں اور امید ہے کہ یہ کلیات بھی جلد منظر عام پر آ کر اردو شاعری کے دلدادگان کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اردو تحقیق بالخصوص پنجاب کی اردو تحقیق کو ان سے بہت سی امیدیں ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کو صحت کی تندرستی اور عمر میں برکت دے اور اپنے قلم سے اردو کے ذخائر میں اضافہ کرتے رہیں۔ (آمین)

ڈاکٹر محمد جمیل کی نگرانی میں قلمبند کیے گئے اور کیے جا رہے مقالات کی فہرست ذیل میں ہے۔

نمبر	محقق	موضوع	نگران کار	سال تکمیل
۱	نازنین	گوپال متل کی ادبی خدمات تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۰ء
۲	محمد اسلم	مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی صحافت	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۱ء
۳	کہکشاں فلک	پنجاب کی خواتین افسانہ نگار: تفہیم وتجزیہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۷ء
۴	لبنیٰ	ہندوستانی پنجاب کے اعزاز یافتہ شعراء حیات اور خدمات	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۷ء
۵	محمد سلیمان حجام	جموں وکشمیر میں اردو ناول کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۸ء

٦	محمد امین نجار	اردو میں سکھ نثر نگاروں کی ادبی خدمات	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۹ء
٦	تبسم بانو شاہ	اردو میں پنجابی سے درآمد ناولوں کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۹ء
۸	مدثر رشید راتھر	جموں وکشمیر میں اردو افسانہ نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۹ء
۹	روحی سلطان	اردو میں کربلائی نثر کے اہم شہ پاروں کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۹ء
۱۰	محمد سالک جمیل	مشرقی پنجاب میں ادب اطفال کی روایت تحقیقی وتنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۲۰
۱۱	محمد عرفان	مشرقی پنجاب میں اردو کی درس وتدریس	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۹ء
۱۲	منظور احمد	اردو کے مطبوعہ انٹرویوز کا ادبی مطالعہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۲۱
۱۳	محمد الطاف ملک	کرپال سنگھ بیدآر کی شاعری کا اہم معاصرین کے ساتھ تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۲۱
۱۴	محمد فاروق	۱۹۸۰ کے بعد ہندوستان کے مشاہیر افسانچہ نگار: تفہیم وتجزیہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۲۱
۱۵	اقبال احمد	مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق: ایک مطالعہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۲۱
۱۶	پرویز احمد پالا	ادبیات فارسی میں وادیٔ کشمیر کے غیر مسلم قلمکاروں کا حصہ	ڈاکٹر محمد جمیل	۲۰۱۳
۱۷	محمد حنیف	۱۹۸۰ کے بعد مشرقی پنجاب کے اہم افسانہ نگار ایک تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر محمد جمیل	جاری

ڈاکٹر ناشر نقوی

ڈاکٹر ناشر نقوی کا جنم نہ تو پنجاب میں ہوا، نہ ہجرت کر کے پنجاب میں آئے اور نہ ہی تعلیمی سلسلے میں پنجاب میں وارد ہوئے۔ بلکہ وہ تو تلاشِ معاش کی خاطر پنجاب میں وارد ہوئے اور تقریباً تین دہائیاں اسی سرزمین پر گزارنے کے بعد ۲۰۱۶ء میں اپنے وطن لوٹ گئے۔ ناشؔر نقوی کا اصل نام سید ناشر حسین نقوی اور ناشر تخلص ہے۔ ناشؔر ادبی دنیا میں ناشؔر نقوی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی ولادت پنجاب سے دور دراز ریاست اتر پردیش کے ضلع امروہہ میں ہوئی تھی۔ ان کے والد کا نام سید ناظر حسین بھی شاعر تھے اور تخلص ناظؔر تھا۔ ناشؔر کے دادا کا شمار اس عہد کے امروہہ سے تعلق رکھنے والے اہم علماء میں ہوتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ناشؔر کا جنم ایک علمی وادبی گھرانے میں ہوا تھا۔ ابتدائی تعلیم

امروہہ میں ہی حاصل کرنے کے بعد گریجویشن روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے اور دبیر ادب اور دبیر فاضل کی ڈگریاں علیگڑھ اردو بورڈ سے حاصل کی تھیں۔اس کے بعد روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو میں کیا۔تلاشِ معاش کی غرض سے اتر پردیش کو الوداع کہا اور دہلی چلے آئے۔کچھ عرصہ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے وابستہ رہے۔اسی دوران جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی سے ماس میڈیا میں ڈپلوما کیا۔ناشؔر نقوی کو شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا اس کی وجہ ان کے گھر کا ادبی و شعری ماحول تھا۔ان کی شاعری کا باقاعدہ آغاز سترہ برس کی عمر میں ہو گیا تھا۔مہدی نظمؔی کے زیرِ سایہ پہلا مرثیہ لکھا جس کا عنوان ''تشنگی'' ہے۔ناشؔر روزگار کے سلسلے میں دہلی یونیورسٹی اور جواہر لعل یونیورسٹی سے بھی منسلک رہے۔دہلی میں قیام کے دوران انہیں اردو کی ممتاز ہستیوں سے قریب ہونے کا موقع ملا۔ان ہی ممتاز ہستیوں میں سے ایک پروفیسر جاوید وشیسٹ بھی تھے۔ناشؔر ان کے کہنے پر ہریانہ اردو اکیڈمی سے وابستہ ہوئے جہاں انہیں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کا جو موقع ملا اور اس کا خوب فائدہ اٹھایا۔دورانِ ملازمت ہی پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ سے ''اردو کے سکھ شعراء'' کے موضوع پر ۱۹۹۴ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملنے کے فوراً بعد ناشر نقوی کو بطور لیکچرر پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی،اردو و عربی میں ملازمت مل گئی تھی۔اس شعبہ میں تدریسی و تنظیمی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۰۱۶ء میں سبکدوش ہوئے اور واپس اپنے وطن امروہہ لوٹ گئے۔

ناشؔر نقوی شاعر ناقد،محقق،ادیب،مدرس،صحافی اور ناظم بھی ہیں۔ناشر نقوی نے نثر و نظم دونوں میں قابلِ قدر کارنامے انجام دیے ہیں۔ناشر نقوی کا ادبی ذخیرہ درسی،تحقیقی،تنقیدی،نثری اور شعری مجموعوں پر مشتمل ہے۔ان کی کتب کا ذخیرہ درسی و ادبی کتب پر مشتمل ہے۔یہاں صرف ان کی تحقیقی و تنقیدی کتابیں شامل کر کے ان کا مختصر تعارف پیش ہے۔ان تحقیقی و تنقیدی کتب میں تحریکِ آزادی میں اردو کا حصّہ،حالؔی اور سرزمینِ حالؔی،مہدی نظمؔی فن اور شخصیت،صدائے صوفی،ادبی جائزے،اردو پنجاب اور سکھ شعراء،پنجاب اور اردو افسا،زیارتوں کا سفر اور صوفیانہ ادبی روایت وغیرہ شامل ہیں۔

تحریکِ آزادی میں اردو کا حصّہ: یہ ناشر کی مرتب کی ہوئی کتاب ہے۔جو ۱۹۸۸ء میں ہریانہ اردو اکیڈمی سے شائع ہوئی۔۱۹۸۸ء میں ہریانہ میں ایک دوروزہ قومی سیمینار ''تحریکِ آزادی میں اردو زبان کا حصّہ'' کے عنوان سے

منعقد ہوا تھا۔اس میں ملک کے بڑے بڑے ادیبوں نے مقالے پڑھے تھے۔جنہیں ہریانہ اردو اکیڈمی نے مرتب کرا کے شائع کیا تھا۔اس کتاب میں صرف پندرہ ہی مقالات شائع ہوئے تھے جبکہ مقالہ نگاروں کی تعداد کافی تھی۔اس مجموعے میں سیمینار میں پڑھے گئے سبھی مقالات شامل نہ ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے ناشرنقوی لکھتے ہیں کہ:۔

''یوں تو ہم نے سیمینار میں شریک سب ہی مقالہ نگاروں کو بار بار یاددہانی کے خطوط لکھے کہ وہ اپنے مقالے برائے اشاعت اکادمی کو ارسال فرما دیں۔لیکن کچھ مقالہ نگاروں نے ہماری درخواست پر توجہ نہیں فرمائی جس کی وجہ سے ان کے مقالے شامل اشاعت نہیں ہو پائے ہم ان مقالہ نگاروں کو بھی الزام نہیں دیں گے۔ممکن ہے کہ ہمارے ہی خلوص میں کوئی کوتاہی رہی ہوگی''

(تحریک آزادی میں اردو کا حصّہ،ص۱۴)

اس مجموعے میں شامل تمام مقالات کافی اہم ہیں۔تحریک آزادی اور اردو کے حوالے سے تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے کافی مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

مہدی نظمی فن اور شخصیت: مہدی نظمی اردو ادب کے حوالے سے بیسویں صدی کا اہم نام ہے۔جس کو نثر و نظم دونوں پر یکساں ملکہ حاصل تھا۔موصوف بیسویں صدی کے ایک ایسے شاعر تھے جس نے شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی ہی نہیں کی بلکہ اسے معراج کمال تک پہنچا دیا تھا۔شاعری میں مسدس،مرثیہ،نظم،مثنوی قصیدہ اور غزل کے علاوہ منظوم ریڈیائی فیچر بھی لکھے تھے۔انہوں نے نثر میں بھی قابل،قدر کارنامے انجام دیے ہیں۔زیر بحث کتاب جو تقریباً بیس مضامین پر مشتمل ہے کو ناشرنقوی نے مرتب کیا اور مہدی نظمی میموریل سوسائٹی نے ۱۹۸۸ء میں مہدی نظمی کی وفات کے ایک سال بعد یعنی ان کی پہلی برسی پر شائع کیا تھا۔یہ کتاب مہدی نظمی کے فن پر مکمل روشنی ڈالنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ایک تو یہ مستقل کتاب نہیں ہے مضامین ہیں۔دوسرے مہدی نظمی کی شخصیت ہی کئی جلدوں کی متقاضی ہے فن تو بعد کی بات ہے۔البتہ اس میں کمیاں ضرور ہیں لیکن ان کی وفات کے بعد پہلی کتاب ہے نامکمل تو ہے ہی مگر ایک اچھی کوشش کی ہے اور معلوماتی بھی ہے۔

حالؔی اور سرزمینِ حالؔی: اردو ادب میں حالؔی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ان کی شخصیت اور فن پر اردو میں بیشمار کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ اردو کے مختلف رسائل اور جرائد نے ان کے خاص نمبر بھی شائع کیے ہیں۔ اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ہریانہ اردو اکیڈمی نے ۱۹۸۹ء میں اپنے سہ ماہی ادبی رسالے ''جمنا تٹ'' میں بعنوان ''حالؔی اور سرزمین حالؔی'' شمارہ نکالا تھا۔ یہ شمارہ کافی مقبول ہوا اور اس کی مانگ ہونے لگی۔ اسی مقبولیت اور اس کی مانگ کے پیشِ نظر ڈاکٹر ناشر نے اس رسالے میں شامل مضامین کے علاوہ چند اور مضامین شامل کر کے اسے ۱۹۹۲ء ترتیب دے کر کتابی شکل میں ہریانہ اردو اکیڈمی سے شائع کیا تھا۔ اس مجموعے میں کل اکیس مضامین شامل ہیں جو حالؔی کی شخصیت اور فن کے متعلق ہیں۔ تمام مضامیں کافی اہم اور معلوماتی ہیں۔

مندرجہ بالا کتب میں ناشر نقوی کی حیثیت صرف مرتب کی ہے۔ ان کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے قبل اپنی کوئی تحقیقی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ ہاں مگر پی ایچ۔ ڈی اور درس و تدریس سے وابستگی کے بعد ان کی تحقیقی و ادبی سرگرمیاں تیز ہوگئیں تھی۔ ان کا اردو تحقیق میں ایک اہم کارنامہ ان کی تحقیقی کتاب ''اردو پنجاب اور سکھ شعراء'' ہے۔ یہ دراصل ان کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے لکھے گئے تحقیقی مقالے کی کتابی شکل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے پبلیکیشن بیورو سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب سے قبل اور بعد میں اردو کے سکھ شعراء پر کوئی مکمل اور مبسوط کتاب نہیں لکھی گئی۔ کافی تلاش و تحقیق کے بعد ناشر نقوی نے اس کتاب کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ یہ کتاب چار ابواب اور ایک اختتامیہ پر مشمل ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں اردو اور پنجاب کے رشتے کو تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ دوسرے باب میں پنجاب اور اردو شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔ تیسرا باب جس میں اردو کے سکھ شعراء کو تلاش و تحقیق کے بعد قدیم، عبوری اور موجودہ دور کے سکھ شعراء پر مختصر سی بحث کی ہے۔ چوتھا اور آخری باب کافی اہم بھی ہے اور طویل بھی۔ اس میں ناشر نے اردو کے ۷۰ سکھ شعراء کو شامل کر کے ان کی مختصر سوانح اور کالم پر تجزیہ بھی کیا ہے۔ یہ بہت ہی اہم کتاب ہے۔

ڈاکٹر ناشر نقوی نے تقریباً ۲۵ برس تک پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی، اردو و عربی میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ اس دوران خود بھی تحقیقی خدمات انجام دیتے رہے اور ۱۱ ریسرچ اسکالروں کو اپنی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے تحقیقی مقالات بھی قلمبند کروائے ہیں۔ ان مقالات کی فہرست ذیل میں ہے۔

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	رحمٰن اختر	اردو اور پنجابی ناولوں میں پنجاب کی ثقافتی اور ادبی نمائندگی	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۰۱
۲	شہناز	دبستان داغ اور پنجاب کے شعراء: ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۰۶ء
۳	ندیم احمد	پنجاب میں اردو تنقید نگاری کا ارتقاء	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۰۸ء
۴	شبنم حیات	سردار انجم شخصیت اور شاعری: تفہیم و تجزیہ	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۱۱ء
۵	محمد شفیق تھند	اردو کی ادبی تحریکات اور پنجاب: تفہیم و تجزیہ	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۱۰۴ء
۶	انعام الرحمٰن	پنجاب میں اردو ڈرامے کی روایت: ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۱۴ء
۷	عابدہ رفعت	پنجاب میں اردو مرثیہ: تفہیم و تجزیہ	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۱۵ء
۸	محمد اشرف	پنجاب میں صوفیانہ اردو شاعری کا فکری نظام: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۱۵ء
۹	جتیندر پال	اردو کی جدید شعری اصناف کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۲۰ء
۱۰	برکت علی نجار	اردو نظم میں منظر نگاری تحقیقی اور تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۲۰ء
۱۱	سید حسن عباس	بابا گرونانک سے اردو شعراء کی عقیدت	ڈاکٹر ناشر نقوی	۲۰۱۹ء

ڈاکٹر روبینہ شبنم

مشرقی پنجاب کے اردو ادب میں خواتین قلمکاروں کی تعداد نہ کے برابر ہے۔عصرِ حاضر میں خواتین کے حوالے سے اس خطے کے صرف دو تین نام ہی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ان میں سے ایک اہم نام ڈاکٹر روبینہ شبنم کا ہے۔ڈاکٹر روبینہ شبنم کی ولادت ۸ مئی ۱۹۷۱ء میں پنجاب کے ایک شہر مالیر کوٹلہ میں ہوئی تھی۔دسویں جماعت تک کی تعلیم مدرستہ البنات مالیر کوٹلہ سے حاصل کی تھی۔اس کے بعد تعلیم کو پرائیویٹ طور پر جاری رکھا اور ساتھ ہی درس و تدریس کا پیشہ اپنایا۔بی۔اے ۱۹۹۲ء میں اور ایم۔اے ۱۹۹۴ء میں کرنے کے بعد اسلامیہ گرلز ہائی اسکول قلعہ رحمت گڑھ میں بطور ہیڈ ماسٹر کے فرائض انجام دیتی رہیں۔اسی دوران ایم۔اے فارسی کا امتحان بھی پاس کیا اور پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے ڈاکٹر زینت اللہ جاوید کی نگرانی میں ۲۰۰۲ء میں ''پروین شاکر کا شعری کارنامہ'' کے عنوان پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل

کی تھی۔ڈگری کی تکمیل کے ساتھ ہی سرکاری نوکری مل گئی اور بطور لیکچرر نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز میں تقرری ہوگئی۔آج بھی اسی انسٹی ٹیوٹ میں بطور ہیڈ خدمات انجام دے رہی ہیں۔

ڈاکٹر روبینہ نے اپنے ادبی سفر کا آغاز شاعری سے کیا ہے۔شروع شروع میں صرف پنجابی میں ہی شعر کہتی تھیں اور پنجابی شاعر نور محمد سے اصلاح لیتی رہیں۔بعدازاں محمد شاعر اسلم حبیبؔ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اردو میں شعر گوئی کی طرف مائل ہوئیں۔اب اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہتی ہیں۔ان کا ایک شعری مجموعہ ''تعلقات کا برزخ'' کے عنوان سے ۲۰۰۶ء میں منظر عام پر آیا۔شاعری کے علاوہ تحقیق وتنقید کے میدان میں بھی انہوں نے اپنے قلمی جوہر دکھائے ہیں۔موصوفہ کا تحقیقی وتنقیدی صلاحیتوں کا آغاز ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے دوران ہوا۔ان کا پہلا تحقیقی و تنقیدی کارنامہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے لکھا گیا مقالہ بعنوان ''پروین شاکی کا شعری کارنامہ'' جو پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔اس میں موصوفہ کی سوانحی حالات کے علاوہ ان کے شعری مجموعوں کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔ان کا ادبی ذخیرۂ کتب ایک شعری مجموعہ، تحقیقی وتنقیدی کتب کے علاوہ تراجم پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر روبینہ کی تحقیقی وتنقیدی کتب میں ''اردوغزل کی ماہِ تمام: پروین شاکر''، پروین شاکر کی نظمیہ شاعری،تنقیدی مطالعے،بشریٰ اعجاز کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ،قوسِ قزح (مرتب) اور پروین شاکر کی حیات اور کارنامے وغیرہ ہیں۔ان کی چند کتب کا تعارف اختصار کے ساتھ کرنے کی سعی کروں گا۔

اردوغزل کی ماہ تمام پروین شاکر: پروین شاکر اردو کی ایک نامور شاعرہ تھیں۔ان کا جنم ۱۹۵۲ء میں پاکستان میں ہوا تھا۔بچپن ہی سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوگئیں تھیں اور بہت جلد پاکستان کے اردو شعراء میں اپنا ایک منفرد مقام بنا لیا تھا۔مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۴۲ سال کی عمر میں کار حادثے میں اس دنیا سے رخصت ہوگئی تھیں۔ان کی صرف ۴۲ سال کی عمر میں پانچ شعری مجموعے منظر عام پر آ گئے تھے۔ان کی وفات کے آٹھ سال بعد ڈاکٹر روبینہ نے ان کی شاعری کو موضوع بنا کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی تھی۔اور ۲۰۰۴ء میں پروین شاکر کی دسویں برسی پر ڈاکٹر روبینہ نے بھارت آفسیٹ دہلی سے یہ کتاب شائع کی تھی۔ڈاکٹر روبینہ کی یہ پہلی تحقیقی کاوش جو تین ابواب پر مشتمل ہے اس کے پہلے باب میں شاعرہ کی حالات زندگی پر گفتگو کی ہے۔دوسرے باب میں پاکستان میں پروین شاکر کے چند ہمعصر شعراء کی

شاعری کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ تیسرا باب کافی اہم بھی ہے اور طویل بھی جس میں پروین شاکر کے تمام شعری مجموعوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

ان کی دوسری تنقیدی کتاب پروین شاکر کی نظمیہ شاعری ہے۔ یہ کتاب بھی تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب اردو شاعرات کے رویے کے عنوان سے ہے جو تعارفی نوعیت کا ہے۔ دوسرے باب میں پروین شاکر کی تمام نظموں کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ تیسرا باب ماحصل ہے جسے باب تو نہیں کہنا چاہیے البتہ مصنفہ نے اسے باب ہی لکھا ہے۔ بشریٰ اعجاز کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ کے نام سے بھی ان کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ جس میں بشریٰ اعجاز کے سوانحی حالات کے علاوہ ان کے افسانوں کا تنقیدی تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ بشریٰ اعجاز پاکستان کی ایک مشہور شاعرہ، ادیبہ اور کالم نویس ہیں۔ شاعری کے علاوہ اردو کے افسانوی مجموعے بھی ان سے یادگار ہیں۔ ان کا جنم ۱۹۵۹ء میں سرگودھا پاکستانی پنجاب میں ہوا۔ بشریٰ اعجاز آج کل روزنامہ ''نئی بات'' کے ساتھ منسلک ہیں اور ادب تخلیق کرنے میں بھی مشغول ہیں۔

ڈاکٹر روبینہ شبنم نے اپنی تنقید و تحقیق کا موضوع زیادہ تر خواتین قلمکاروں کو ہی بنایا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب تنقیدی مطالعے کے عنوان سے بھی شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب مضامین پر مشتمل ہے اور مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں۔ شامل کتاب مضامین کے متعلق ڈاکٹر روبینہ لکھتی ہیں کہ:۔

> ''پیشِ نظر کتاب میں آٹھ مضامین ہیں۔ جن میں پانچ ادبی شخصیات کی ادبی تخلیقات کو زیرِ بحث لاتے ہوئے میں نے ان کی ادبی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اردو شاعرات کے شعری رویے پر لکھنا کچھ اس لئے ضروری تھا کہ ہمارے ادب میں شاعرات کو وہ ادبی مقام عطا نہیں کیا گیا جس کی وہ حقدار ہیں۔

(تنقیدی مطالعے ص ۷)

ڈاکٹر روبینہ شبنم اس وقت تدریسی فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ ریسرچ اسکالرس کو اپنی نگرانی میں تحقیقی مقالے بھی قلمبند کروا رہی ہیں۔ ان کی نگرانی میں ۶ مقالے قلمبند کیے جا چکے ہیں جبکہ ۵ ابھی بھی زیرِ تحقیق ہیں۔ ان کی

سرپرستی میں لکھے گئے اور لکھے جارہے مقالات کی فہرست ذیل میں ہے۔

فہرست مقالات برائے پی ایچ۔ڈی۔ شعبہ اردو پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سن ۲۰۰۰ تا حال۔

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
ا	طارق احمد نیگرو	جدید اردو نثر کی معمار کتب کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۲۱
۲	امتیاز احمد علی	جموں کشمیر میں اردو کی ادبی خدمات کا جائزہ	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۲۰
۳	شوکت احمد ملک	آزادی کے بعد اردو نثر میں طنز و مزاح	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۱۹ء
۴	عابد علی خان	اردو نثر نگاری میں مالیر کوٹلہ کی ادبی خدمات	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۱۹
۵	عمرانہ خاتون	اردو رباعی اور انسانی ارتقاء تفہیم و تجزیہ	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۱۸
۶	نسیم اختر	آزادی کے بعد اردو کی پنجابی شاعرات	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۱۸ء
۷	جگ موہن سنگھ	وحشی سعید حیات اور تخلیقات کا معاصرین کے ساتھ تقابلی جائزہ	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۲۱
۸	گلاب سنگھ	تقسیم ہند کے حوالے سے اردو کے نمائندہ فکشن نگاروں کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۲۱
۹	مہر النساء زیدی	فیض احمد فیض ایک صدی پر محیط شاعر (افہام و تفہیم)	ڈاکٹر روبینہ	۲۰۱۸ء
۱۰	شاوید میر	اردو میں سیرت نگاری کا مطالعہ ادب کے آئینے میں	ڈاکٹر روبینہ	زیر تحقیق
۱۱	شمیمہ	نواب صادقہ سحر اور دلیپ کور ٹیوانہ کی فکشن نگاری کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر روبینہ	زیر تحقیق
۱۲	زرینہ	------	ڈاکٹر روبینہ	انرولڈ

ڈاکٹر رحمان اختر

عصر حاضر کے مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے اردو محققین اور ناقدین میں ایک اہم نام ڈاکٹر رحمان اختر کا بھی ہے۔ان کا تعلق پنجاب کے ادبی اور ادب نواز شہر مالیر کوٹلہ سے ہے۔اسی شہر میں ڈاکٹر رحمان کی ولادت جناب محمد سلیمان کے گھر ۲۵ جون ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔انہوں نے دسویں جماعت تک کی تعلیم پنجاب بورڈ سے حاصل کرنے کے

بعد پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے پہلے بی۔اے اور بی۔اے آنرز (اردو) کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔بعدازاں یکے بعد دیگرے ایم۔اے (اردو) اور ایم۔اے (پنجابی) کرنے کے بعد ان دونوں ہی مضامین میں نیٹ (NET) بھی کیا ہے۔ڈاکٹریٹ کی ڈگری پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی، اردو عربی سے ڈاکٹر ناشر نقوی کی نگرانی میں ''اردو اور پنجابی ناولوں میں پنجاب کی ثقافتی اور ادبی نمائندگی'' کے موضوع پر ۲۰۰۱ء میں حاصل کی ہے۔ڈگری ملنے کے فوراً بعد اسی شعبہ میں ۲۰۰۳-۲۰۰۲ء میں جز وقتی لیکچرر کے طور پر کام کرنے کے علاوہ سرکاری کالج مالیر کوٹلہ میں گیسٹ فیکلٹی کے طور پر تقریباً پانچ سال تک پڑھاتے رہے۔اس کے بعد اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر شعبہ فارسی، اردو و عربی، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں تقرری ہوئی جہاں اس وقت شعبے کی تدریسی اور تنظیمی ذمہ داریاں بطور ہیڈ انچارج کے نبھا رہے ہیں۔

ڈاکٹر رحمان اختر بیک وقت مدرس، محقق، ناقد اور لغت نویس ہیں۔ان کے تخلیقی سفر کا آغاز تحقیقی و تنقیدی مضامین سے ہوا ہے۔ان کی پہلی کتاب ۱۹۹۸ء میں ''اصنافِ ادب اور پنجاب کے نمائندہ قلمکار'' شائع ہوئی جو دس مضامین پر مشتمل ہے اور تمام مضامین تحقیقی و تنقیدی نوعیت کے ہیں۔ان میں سے چند اشخاص ادب کی کسی مخصوص جہت سے متعلق ہیں شامل کتاب اشخاص میں کرشن ادیب، جگر جالندھری، بلونت سنگھ، رتن سنگھ اور راجندر سنگھ بیدی ہیں۔ان پانچوں کا شمار اردو ادب کے بلند پایہ قلم کاروں میں ہوتا ہے۔اصنافِ ادب میں مرثیہ، نظم، اور طنز و مزاح کو پنجاب کے حوالے سے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔دو مضامین پنجاب کے ادب اور کلچر کے حوالے سے بھی رقم کیے گئے ہیں۔ان مضامین کے مطالعے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے دوران ہی لکھا ہوگا۔ڈاکٹر رحمان اختر کی دوسری تحقیقی کتاب ''پنجاب کی نمائندگی اردو پنجابی ناول میں'' ہے ۲۰۰۶ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب اصل میں موصوف کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے لکھے گئے مقالے کی مطبوعہ شکل ہے۔اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلے باب میں قوم، کلچر، نمائندگی وغیرہ الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معنوں پر بحث کے علاوہ ان کی حیثیت متعین کرنے کے لیے مغربی و مشرقی مفکرین کے نظریات بھی پیش کئے ہیں۔ دوسرے باب میں اردو ناول میں قوم اور کلچر کے تصور پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد پنجاب سے تعلق رکھنے والے دو ناول نگاروں، راجندر سنگھ بیدی کا (ایک چادر

میلی سی)اور رتن سنگھ کا (راوی پار) دونوں کا ایک ایک ناول لے کر پنجاب کی تہذیب وثقافت وکلچر کے عناصر کی تلاش کی گئی ہے۔تیسرے باب میں پنجابی کے دو ناول نگاروں کے ایک ایک ناول گردیال سنگھ کے ناول (پرسا) اور افضل احسن رندھاوا کے ناول (دوآبہ) دونوں کا پنجاب کے کلچر کے حوالے سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ چوتھا اور آخری باب دوسرے اور تیسرے باب میں شامل ناولوں کا تنقیدی مطالعہ ہے۔اس تقابلی مطالعے سے تضاد کے بجائے مصنف نے مماثلت کے پہلوابھار کر سامنے لائے ہیں۔ڈاکٹر محمد اقبال ڈاکٹر رحمان اختر کی اس تحقیق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''رحمان اختر نے اپنی تحقیق کو اردو ادب تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ پنجابی زبان کے ناولوں کا بھی احاطہ کیا ہے اور ثقافتی مطالعہ کی بنیاد پر کئی اہم نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے''

(پنجاب کی نمائندگی اردو پنجابی ناول میں، ص)

ڈاکٹر رحمان اختر کی تیسری کتاب ''ادب پنجاب'' کے نام سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب ۱۲ تحقیقی وتنقیدی مضامین اور ایک نظم ''ارض مالیر کوٹلہ'' پر مشتمل ہے۔اس مجموعے میں شامل تقریباً تمام مضامین پنجاب کے اردو ادب کے حوالے سے ہیں اور ان مضامین میں بیشتر ادبی شخصیات سے متعلق ہیں۔شخصیات کے علاوہ اردو اور سکھ مذہب ،ادب اور ثقافت،شہرِ اردو اور ریاست مالیر کوٹلہ اور اردو صحافت اور پنجاب غرضیکہ پنجاب کے حوالے سے اردو کے تمام گوشوں کو چھونے کی کوشش کی گئی ہے اس تصنیف سے متعلق رحمان اختر لکھتے ہیں کہ:۔

''پنجاب اور اردو کے حوالے سے بہت کچھ تحریر کیا جا چکا ہے اور ہو رہا ہے لیکن جتنا بھی لکھا جائے وہ تھوڑا ہے آج بھی اردو زبان ان پیروں فقیروں کی اس زمین پر محبت واخوت آپسی رواداری اور ہم آہنگی کے پھول کھلا رہی ہے۔انہیں روحانی روایتوں کے عصری دور میں معنویت کو پیش کرتے ہوئے موجودہ ادبی ورثہ کو اس تصنیف میں قارئین کے پیش نظر لانے کی ادنی سی کوشش کی گئی ہے''

(ادب پنجاب ص۱۰)

ڈاکٹر رحمٰن اختر کا ایک اہم تحقیقی کام رسالہ ''پرواز ادب'' کی اشاریہ سازی کا ہے۔ پروازِ ادب بھاشا وبھاگ

پٹیالہ (پنجاب) سے شائع ہونے والا ادبی رسالہ ہے۔ڈاکٹر اختر نے اس رسالہ کی ابتداء یعنی ۱۹۷۹ء سے لے کر ۲۰۱۴ء تک کا اشاریہ تیار کیا ہے۔حالانکہ یہ کام بہت ہی مشکل اور محنت طلب تھا مگر ڈاکٹر رحمان نے اپنی دیگر مصروفیات سے وقت نکال کر اس کام کو احسن طریقے سے انجام دیا ہے۔ڈاکٹر رحمان اختر نے اردو اور پنجابی کی لغت بھی تیار کی ہے۔جو موصوف نے شائع کی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ جو کتابیں ڈاکٹر رحمان اختر نے مرتب کی ہیں ۔ان میں ''ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کی اردو شاعری'' جسے پنجابی یونیورسٹی کے اشاعتی ادارے نے شائع کیا ہے .''سناٹوں کی آوازیں'' جو کلبوشن پرواز انبالوی کا شعری مجموعہ ہے اسے بھی مرتب کر کے شائع کیا ہے۔''اردو فارسی اور سکھ مذہب'' کے علاوہ ''ادب تحقیق'' ڈاکٹر رحمان اختر کی ہی مرتب کردہ کتابیں ہیں۔جنہیں تخلیق کار پبلشرز نئی دہلی سے ۲۰۱۳ئمیں شائع کیا،ادب تحقیق میں بیس مقالے ہیں جو تحقیقی وتنقیدی نوعیت کے ہیں ۔اس کتاب میں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی اردو عربی کے اساتذہ اور ریسرچ اسکالر کے تحقیقی وتنقیدی مضامین پر مشتمل ہیں۔ڈاکٹر رحمان اختر نے مذکورہ بالا تحقیقی وتنقیدی نوعیت کی کتابوں کے علاوہ ان کے اردو کی کتابوں کے پنجابی میں تراجم بھی کیے ہیں۔ان کی چند کتابیں زیر طباعت بھی ہیں۔

ڈاکٹر رحمان اختر اس وقت شعبہ ہذا کے ہیڈ انچارج کے طور پر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں اور تحقیقی کاموں میں بھی ہمہ تن مصروفِ عمل ہیں۔ان کی مندرجہ بالا کتب سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس قدر تحقیقی کاموں میں فعال نظر آرہے ہیں۔ڈاکٹر رحمان اختر جس کام کی ٹھان لیتے ہیں اسے ہر ممکن سعی سے پورا اور مکمل کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ڈاکٹر محمد رفیع ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

> ''آج کے دور میں بھی جبکہ نوجوانوں کی اکثریت محنت سے گریزاں ہیں عزیزی رحمان نے پنجابی اور اردو کی مشترکہ تہذیب کے تخلیقی فکر کے مختلف زاویے دریافت کر کے نہ صرف تحقیق کے لیے نئی راہیں ہموار کی ہیں بلکہ غور وفکر کی نئے دریچے بھی کھولے ہیں''

(سرورق پنجاب کی نمائندگی اردو پنجابی ناول میں)

ویرپال کور ڈپٹی ڈائریکٹر بھاشا وبھاگ پٹیالہ ڈاکٹر رحمان کے متعلق لکھتی ہیں کہ:۔

''میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ڈاکٹر رحمان کسی کام کا خواب دیکھتے ہیں تو اسے تعبیر آشنا کرنے کی ہر ممکنہ سعی بھی کرتے ہیں''

(اشاریہ پرواز ادب ص٦)

ڈاکٹر رحمان اختر کی نگرانی میں لکھے گئے اور لکھے جا رہے مقالات کی فہرست ذیل میں ہے

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
١	غلام رسول بٹ	مشرقی پنجاب میں اردو نظم آزادی کے بعد	ڈاکٹر رحمٰن اختر	٢٠١٩ء
٢	مہناز کوثر	اردو میں مطبوعہ مکتوب نگاری: فن اور روایت۔ادبی اور تاریخی مطالعہ	ڈاکٹر رحمٰن اختر	٢٠١٨ء
٣	محمد شمس الحسن خان	احمد رضا خان کی صوفیانہ نثری تصنیفات کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر رحمٰن اختر	٢٠١٩ء
٤	نازیہ کوثر	پنجاب میں اردو خودنوشت نگاری: تاریخی وفنی مطالعہ	ڈاکٹر رحمٰن اختر	٢٠١٨ء
٥	وحید احمد ڈار	مشرقی پنجاب میں اردو سفر نامہ نگاری: تاریخی وتنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر رحمٰن اختر	٢٠١٩ء
٦	سمیرا خانم	ہریانہ کے اہم شعراء کی شعری خدمات کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر رحمٰن اختر	زیر تحقیق
٧	شبیر احمد	قراۃ العین حیدر کے خاکوں کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر رحمٰن اختر	زیر تحقیق
٨	طالب	--------------	ڈاکٹر رحمٰن اختر	زیر تحقیق
٩	عرفان آمین گنائی	ڈاکٹر نریش اور حامدی کشمیری کے ناولوں میں سماجی شعور	ڈاکٹر رحمٰن اختر	زیر تحقیق

اس شعبہ میں تحقیق کا جتنا بھی کام ہوا ہے اس میں پہلے نمبر پر اصنافِ ادب ہے چاہے وہ نثر ہو یا نظم۔اس کے بعد ادبی شخصیات اور مشاہیرِ ادب کا نمبر ہے، مراکزِ علم و ادب پر بھی مقالے لکھے گئے ہیں۔ یہ مقالے تحقیقی ہی نہیں بلکہ تنقیدی شعور بھی ان مقالوں میں بھرپور ہے۔اس شعبہ میں مختلف پروفیسر صاحبان کی نگرانی میں کم وبیش ٦٠ سے زیادہ تحقیقی مقالات قلمبند کروائے جا چکے ہیں اور تقریباً ١٦ مقالہ زیرِ تحقیق ہیں۔سبھی مقالات معیاری اور اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

جہاں تک شعبہ اردو پنجابی یونیورسٹی میں اردو تحقیق کا تعلق ہے۔اس کا آغاز اگرچہ کچھ خاص نہیں تھا اور تحقیقی کام

کافی سست رفتاری سے ہو رہے تھے مگر اکیسویں صدی میں قدم رکھتے ہی اس میدان میں کافی تیزی آئی۔ اس تحقیقی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شعبہ میں اردو تحقیق کا مستقبل درخشندہ اور تابناک ہوگا۔ جامعہ کے اس شعبہ میں پروفیسروں کی سبکدوشی کے بعد پچھلے کئی سالوں سے ان کی جگہ کوئی نئی تقرری عمل میں نہیں لائی جا رہی ہے جو کہ ایک تشویشناک بات ہے۔ اس وقت شعبہ میں ایک مستقل پروفیسر اور تین گیسٹ فیکلٹی پروفیسر ہیں۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ریسرچ اسکالروں کی تعداد میں کمی آئی ہے۔

پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ

مشرقی پنجاب کی دوسری اہم جامعہ پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ ہے، جو بنیادی طور پر ۱۴ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو لاہور میں قائم کی گئی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں بھارت کی تقسیم کے بعد یونیورسٹی کو ہندوستانی پنجاب اور پاکستانی پنجاب کے لئے تقسیم کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں اس یونیورسٹی کے قیام کے بعد تقریباً ایک دہائی تک اس کا اپنا کیمپس نہیں تھا اور اس کا انتظامی دفتر سولن (ہماچل پردیش) میں تھا۔ جبکہ تعلیمی ادارے ہوشیار پور، جالندھر، امرتسر اور دہلی میں قائم تھے۔ ۱۹۵۶ء کے بعد اس یونیورسٹی کو مستقل طور پر چنڈی گڑھ منتقل کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۶۶ء میں اس ریاست کی دوبارہ تقسیم سے قبل تک پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت کافی کالج پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش اور چنڈی گڑھ میں تھے اور ساتھ ہی اس کے صوبائی مرکز روہتک، شملہ اور جالندھر میں بھی تھے۔ موجودہ پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ کا رقبہ ۵۵۰ ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ وسیع و عریض کیمپس اپنی مثال آپ ہے۔ آزادی سے پہلے شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور کا ایک اہم شعبہ ہوا کرتا تھا مگر پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ کے قیام کے تقریباً تین دہائیوں کے بعد شعبہ اردو کو ۱۹۷۶ء میں قائم کیا گیا۔ ۱۹۹۱ء میں ایم۔اے اردو کی کلاسز شروع کی گئی تھیں۔ اس شعبہ نے پہلی پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ۱۹۸۷ء میں ایوارڈ کی تھی اور اس کے قیام سے تا حال اردو زبان و ادب کے مختلف موضوعات پر ریسرچ اسکالرز نے مقالات قلمبند کر کے ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ اس جامعہ میں پنجاب کی دوسری جامعات کے مقابلے میں سن ۲۰۰۰ء کے بعد اردو میں تحقیقی کام کم ہوا ہے۔ شعبہ اردو کے پہلے صدر ہونے کا اعزاز ڈاکٹر ہارون ایوب کو حاصل ہے۔ اور پہلی پی ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری 'اردو ناول آزادی کے بعد' کے موضوع پر سوہن سنگھ نے ڈاکٹر ہارون ایوب کی نگرانی میں مکمل کی تھی۔

پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے جن پروفیسر صاحبان کی وابستگی رہی یا ہے۔ان پروفیسر صاحبان میں ڈاکٹر ہارون ایوب،ڈاکٹر محمد شکیل خان،ڈاکٹر ریحانہ پروین،ڈاکٹر مدھوکر آریہ اور ڈاکٹر علی عباس وغیرہ شامل ہیں۔ان کی تحقیقی خدمات کا سرسری ذکر فرداً فرداً کرنے کی سعی کرونگا۔

ڈاکٹر ہارون ایوب

ڈاکٹر ہارون ایوب کا جنم چنڈی گڑھ سے دور ریاست مدھیہ پردیش کے شہر بھوپال میں ۱۱ اپریل ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ابتدائی تعلیم جہانگیریہ اسکول بھوپال سے حاصل کی تھی۔بی۔اے کی ڈگری سیفیہ کالج سے حاصل کرنے کے بعد ایم۔اے اردو کی ڈگری حمیدیہ کالج بھوپال سے مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی تھی ۔ڈاکٹر ہارون ایوب نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری مکمل کرنے کے بعد چنڈی گڑھ کا رخ کیا اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے منسلک ہو کر پنجاب کے غیر اردو داں طبقے کو اردو کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

اردو دنیا میں ڈاکٹر ہارون ایوب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔آپ کی ایک درجن سے زائد کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہیں۔آپ کا ذخیرۂ کتب تدریسی،تحقیقی،تنقیدی اور ادبی کتب پر مشتمل ہے۔آپ کی درسی کتابوں میں ابتدائی کتاب (۱۹۸۰)،اردو کی درس وتدریس کے مسائل (۱۹۸۳)،اردو قاعدہ (۱۹۸۹) وغیرہ ہیں۔تحقیقی وتنقیدی کتب میں اردو ناول پریم چند کے بعد (۱۹۷۸)،دفتر جنوں (۱۹۹۴) شعور کی رو اور قراۃ العین (۱۹۷۸) اور مرزا عظیم بیگ چغتائی (۱۹۹۰) وغیرہ ہیں۔ادب میں ڈاکٹر موصوف کا میدان ناول نگاری تھا۔ان کے ناولوں میں درد آہٹوں کا (۱۹۸۲)،فریب تمنا (۱۹۸۰) وغیرہ شامل ہیں۔اس کے علاوہ ان کے ۵۷ سے زائد تحقیقی وتنقیدی مضامین ادبی رسائل وجرائد کی زینت بنے ہیں۔۳۵ سے زائد کتابوں پر تبصرے لکھے ہیں۔ایم۔اے کی سطح پر ۱۰ مقالات لکھوائے ہیں جبکہ ان کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ۱۶ مقالات قلمبند کئے گئے ہیں۔جن کی فہرست ذیل میں دی گئی ہے۔

مقالات برائے پی ایچ۔ڈی

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	سوہن سنگھ	اردو ناول آزادی کے بعد	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۸۷

۲	ہرکرشن لال	پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی: فن اور شخصیت	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۸۸
۳	اوتم چندوالیہ	اردو ادب کو ہماچل پردیش کی دین	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۸۹
۴	نسترن احسان	فیض کی شاعری کا اسلوبیاتی مطالعہ	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۰
۵	ہربنس سنگھ تصور	قراۃ العین حیدر بحیثیت ناول نگار	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۰
۶	نذیر احمد	پنجابی اہل زبان کو اردو کی تدریس	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۰
۷	غلام مصطفیٰ	حفیظ جالندھری کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۲
۸	یوگ راج	کشمیری لال ذاکر کی ناول نگاری کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۲
۹	محمد اقبال	مطالعہ دیوان منظور حسن نامی	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۲
۱۰	محمد سلطان	پریم وار برٹنی: فن اور شخصیت	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۳
۱۱	بھگوان داس شباب	منور لکھنوی کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۳
۱۲	محمد صہیب	کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۳
۱۳	طارق سلیم خان	علامہ اقبال کی شاعری میں قومی و وطنی تصورات	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۶
۱۴	شیودیو سنگھ	آزادی کے بعد دوآبہ۔ جالندھر کے اردو شعراء و ادباء کی خدمات کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۶
۱۵	رینو بہل	عصمت چغتائی کے افسانوں کا فنی و فکری جائزہ	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۹۸
۱۶	برج بھوشن	مہندر ناتھ بحیثیت ناول نگار	ڈاکٹر ہارون ایوب	۱۹۸۹

پروفیسر محمد شکیل خان

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	محمد شفیق	اردو غزل کی بنیادی قدریں	ڈاکٹر محمد شکیل	۱۹۹۳
۲	فرزانہ نسیم	اردو ناول میں متوسط طبقے کے مسائل	ڈاکٹر محمد شکیل	۱۹۹۳

۳	سید ناشر حسین	اردو کے سکھ شعراء: ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد شکیل	۱۹۹۳
۴	مظفر حسین	اردو زبان کی تشکیل میں اردو صحافت کا حصہ (۱۹۰۰ سے ۱۹۴۷ تک)	ڈاکٹر محمد شکیل	۱۹۹۵
۵	سید نہال امام	اردو نثر پر تقسیم ہند کے اثرات	ڈاکٹر محمد شکیل	۱۹۹۹
۶	شہ زور سنگھ	راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں کا موضوعاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد شکیل	۱۹۹۹
۷	شکیل احمد اعظمی	اردو نثر کے فروغ میں فقہی لیٹریچر کا حصہ	ڈاکٹر محمد شکیل	۲۰۰۳
	انیس مناظر عادل حسن	عزیز احمد بحیثیت افسانہ نگار	ڈاکٹر محمد شکیل	۲۰۰۴
۸	محمد یحییٰ	مولانا علی میاں ندوی کی خاکہ نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمد شکیل	۲۰۰۷

ڈاکٹر ریحانہ پروین

ڈاکٹر ریحانہ پروین کا تعلق بنیادی طور پر مدھیہ پردیش سے ہے۔ان کا جنم ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو بھوپال کے ایک متوسط گھرانے میں ہوا ہے۔بھوپال کی ادبی فضا اور گھریلو ماحول ان کی تعلیمی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کافی معاون ثابت ہوئے تھے۔ابتدائی تعلیم کے بعد گریجویشن کی ڈگری مہارانی لکشمی سرکاری کالج سے حاصل کرنے کے بعد اور ایم۔اے اردو کی ڈگری بھی اسی کالج سے حاصل کی تھی۔ گھر میں تو ادبی ماحول تھا ہی مگر شادی بھی ایک ایسی شخصیت سے ہوئی جو خود بھی ادبی تھا اور ادب کی تعلیم پر مامور بھی تھا۔میری مراد پروفیسر ہارون ایوب سے ہے۔ڈاکٹر ریحانہ پروین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری پروفیسر آفاق تک کی تعلیم بھوپال سے ہی حاصل کی۔احمد کی نگرانی میں بعنوان ''ڈاکٹر شفیق الرحمٰن: ایک مطالعہ'' برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال سے ۱۹۸۹ء میں حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر ریحانہ پروین کی عملی زندگی کا آغاز ۱۹۸۲ء میں شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ میں جز وقتی لیکچرر کے طور پر ہوا تھا۔تقریباً پانچ سال اس شعبہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۸۸ء میں ان کی تقرری بحیثیت لیکچرر شعبہ اردو ایوننگ اسٹڈیز میں ہوئی تھی جہاں بی۔اے اردو کے طالب علموں پڑھاتی رہیں اور ترقی کرتے کرتے پروفیسر کے عہدے پر بھی فائز ہوئیں تھیں۔

ڈاکٹر ریحانہ پروین تدریسی خدمات کے علاوہ تخلیقی اور تصنیفی خدمات بھی انجام دے رہی ہیں۔ان کا ادبی ذخیرہ درسی کتب کے علاوہ تحقیق وتدوین اور تراجم پر مشتمل ہے۔موصوفہ نے چند کہانیاں بھی لکھی ہیں اور ایک ڈرامہ'' آج کل کے مجنوں'' کے عنوان سے بھی لکھا ہے۔ جسے موصوفہ کی ہی ہدایت کاری میں پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ کے ایک کلچرل پروگرام میں کھیلا گیا تھا۔علاوہ ازیں ڈاکٹر ریحانہ پروین کے تحقیقی وتنقیدی نوعیت کے مضامین وقتاً فوقتاً ادبی رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ڈاکٹر ریحانہ پروین اس شعبہ کے ساتھ تقریباً ۳۲ سال منسلک رہیں جہاں انہوں نے صرف تدریسی خدمات ہی نہیں انجام دیں بلکہ اپنی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے مقالات بھی لکھوائے اور چند ریسرچ اسکالرس ابھی بھی ان کی نگرانی میں مقالات قلمبند کررہے ہیں۔ڈاکٹر ریحانہ پروین حال ہی میں پروفیسر کے عہدے سے سبکدوش ہوئیں ہیں۔

ڈاکٹر ریحانہ پروین کی نگرانی میں لکھے گئے اور لکھے جارہے مقالات کی فہرست ذیل میں ہے۔

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	قاضی شگفتہ نظام الدین	عصمت چغتائی اور قراۃ العین حیدر کے افسانوں کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر ریحانہ پروین	۲۰۰۶
۲	رضوانہ	عصمت چغتائی اور سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں نسوانی کرداروں کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر ریحانہ پروین	جاری
۳	پپورام	اردو ادب میں طنز و مزاح کا ارتقائی دور:ایک مختصر جائزہ	ڈاکٹر ریحانہ پروین	جاری
۴	شمیم	اکیسویں صدی میں جموں کے اردو افسانہ نگاروں کا تنقیدی مطالعہ(نمائندہ افسانہ نگاروں کے خصوصی حوالے سے)	ڈاکٹر ریحانہ پروین	جاری
۵	رپودمن	انرولڈ	ڈاکٹر ریحانہ پروین	جاری

ڈاکٹر مدھو کر آریا

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	گلشن اختر	مرزا محمد ہادی رسوا کا سماجی وثقافتی شعور	ڈاکٹر مدھوکر آریا	۲۰۰۹
۲	روبینہ بانو	جموں وکشمیر کی جامعات کے اساتذہ کی اردو ادبی خدمات	ڈاکٹر مدھوکر آریا	زیر تحقیق
۳	شازیہ انجم چودھری	اردو افسانے میں عورت کا تصور	ڈاکٹر مدھوکر آریا	زیر تحقیق
۴	محمد موسیٰ	اردو صحافت میں علماء کی خدمات	ڈاکٹر مدھوکر آریا	زیر تحقیق
۵	عبدالکریم	صوفی اور سنتوں کے کلام اور تفکرات کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر مدھوکر آریا	زیر تحقیق
٦	ظہیر حیدر	انتظار حسین کی ناول نگاری ایک تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر مدھوکر آریا	زیر تحقیق

ڈاکٹر علی عباس

مقالات برائے پی ایچ۔ڈی

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	خورشید انصاری	پنجاب میں مختصر افسانے کی روایت (آزادی کے بعد)	ڈاکٹر علی عباس	۲۰۲۱
۲	ظہیر حیدر	انتظار حسین کی ناول نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر علی عباس	زیر تحقیق
۳	محمد شریف	جموں وکشمیر اور لداخ کے اردو افسانوں میں مقامی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی (نمائندہ افسانہ نگاروں کے حوالے سے	ڈاکٹر علی عباس	زیر تحقیق

گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر

مشرقی پنجاب کی اردو کے لحاظ سے تیسری اور اہم جامعہ گرونانک دیو یونیورسٹی (امرتسر) ہے۔گرونانک دیو یونیورسٹی ۱۹۶۹ء میں گرونانک دیو جی کے ۵۵۰ ویں یومِ ولادت کے موقع پر قائم کی گئی تھی۔ یہ یونیورسٹی بھارت کی چند نئی یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیل کے میدان میں بھی دوسری کئی یونیورسٹیوں پر سبقت لے گئی ہے۔گذشتہ برس ''کھیلو انڈیا یونیورسٹی گیمز'' میں ہندوستان میں اول مقام حاصل کیا تھا۔ نیوز سروسز ڈویژن آکاشوانی کے مطابق:۔

> ''گرونونک دیو یونیورسٹی امرتسر نے سونے کے چھ تمغوں سمیت کل گیارہ تمغوں کے ساتھ
> ان کھیلوں میں اول مقام حاصل کیا''

(http://newsonair.com/urdu/Urdu-Main-News.aspx?id=12244)

گرونانک دیو یونیورسٹی میں شعبہ اردو کا قیام ۱۹۸۰ء عمل میں لایا گیا۔ یہاں پر اردو و فارسی میں سرٹیفکیٹ کورس، ڈپلومہ اور ایڈوانس ڈپلومہ کورسز کے علاوہ اردو و فارسی میں پی ایچ۔ڈی بھی کروائی جاتی ہے۔تقریباً تیس کے قریب ریسرچ اسکالرز نے پی ایچ۔ڈی۔کی ہے۔آج بھی تحقیقی کام جاری ہے۔شعبہ اردو کے پہلے صدر ہونے کا اعزاز پروفیسر قمر رئیس کو حاصل ہے اور پہلی پی۔ایچ ڈی کی ڈگری ''انیسویں صدی میں پنجاب کا اردو ادب'' کے موضوع پر برکت علی کو ۱۹۸۱ء میں ایوارڈ ہوئی۔

گرونانک دیو یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے جن پروفیسر صاحبان کی وابستگی رہی یا ہے۔ان پروفیسروں میں قمر رئیس، ڈاکٹر برکت علی، ڈاکٹر عزیز عباس اور ڈاکٹر سید ریحان حسن رضوی ہیں۔ڈاکٹر رضوی ابھی حال میں اس جامعہ سے منسلک ہوئے ہیں۔

پروفیسر قمر رئیس

مقالات برائے پی ایچ۔ڈی

نمبر	مقالہ نگار	موضوع	نگران	سن تکمیل
۱	برکت علی	انیسویں صدی میں پنجاب کا اردو ادب	پروفیسر قمر رئیس	۱۹۸۱

ڈاکٹر برکت علی

مقالات برائے پی ایچ۔ڈی

نمبر	مقالہ نگار	موضوع تحقیق	نگران	سن تکمیل
۱	منظور حسن	کنھیا لال کپور: فن اور شخصیت	ڈاکٹر برکت علی	۱۹۹۰
۲	محمد عارف	اردو نثر کی ترویج میں احمدیہ تحریک کا ۱۸۷۵ء سے ۱۹۲۰ تک کردار	ڈاکٹر برکت علی	۱۹۹۵
۳	رفیق احمد ناصر	مرزا غلام احمد قادیانی: حیات و شخصیت اور ادبی خدمات	ڈاکٹر برکت علی	۱۹۹۶
۴	ووین حق	بھائی ویر سنگھ اور علامہ اقبال کی شاعری: ایک تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر برکت علی	۱۹۹۷
۵	نجم دین	خطہء جمّوں میں اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی ۱۸۵۰ سے ۱۹۴۷ تک	ڈاکٹر برکت علی	۲۰۱۰ء
۶	لیاقت حسین	کرشن چندر کے افسانے رومانی حقیقت پسندی کے آئینہ میں	ڈاکٹر برکت علی	۲۰۱۱
۷	عرفان امین	اردو ناول نگاری میں خواتین کا حصّہ (ایک تنقیدی جائزہ)	ڈاکٹر برکت علی	۲۰۱۳ء
۸	الطاف حسین	جدید اردو ناولوں میں ثقافتی تبدیلیوں کی عکاسی (۱۹۸۰ سے ۲۰۰۸ کے ناولوں کے حوالے سے)	ڈاکٹر برکت علی	۲۰۱۳ء
۹	محمد شفیق	آنند لہر کی حیات اور ادبی خدمات کا جائزہ	ڈاکٹر برکت علی	۲۰۱۳ء
۱۰	محمد مدثر	سید محمد اشرف کے ناولوں کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر برکت علی	۲۰۱۴ء
۱۱	محمد پروین	پٹیالہ میں اردو شاعری کی روایت: ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر برکت علی	۲۱۰۵ء

ڈاکٹر عزیز عباس

پروفیسر عزیز عباس کا تعلق بنیادی طور پر اتر پردیش سے ہے اور یونیورسٹی ہذا کے شعبہ اردوو، فارسی کے ساتھ تقریباً ۲۵ برسوں سے منسلک ہیں۔ سات سال اس شعبہ کے صدر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر عباس کی کوئی تحقیقی کتاب منظر عام پر نہیں آئی البتہ ان کے تحقیقی مقالات ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں ۔ان کے کل ۲۵ مقالات شائع ہوئے ہیں جو فارسی اور اردو زبان و ادب کے متعلق ہیں۔ ان کے مطبوعہ مقالات میں فارسی علم و ادب میں صنعتِ شعری مجلّہ (کشف) امرتسر ۲۰۰۳ء، قوالی ابتداء اور ارتقاء امرتسر، پنجاب کی عشقیہ داستانیں، پروازِ ادب پٹیالہ ۲۰۰۷، احمد فراز کی شاعری میں رنج والم کی عکاسی، تعمیرِ نو ۲۰۱۲ وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ کئی قومی اور بین الاقوامی سطح کے سیمیناروں میں بھی مقالے پڑھے۔ ان کی نگرانی میں کل ۱۵ تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں۔ جن میں ۴ فارسی اور ۱۱ اردو زبان میں ہیں۔

ڈاکٹر عزیز عباس کی نگرانی میں لکھے گئے مقالات برائے پی ایچ۔ ڈی کی فہرست

نمبر	محقق	موضوع	نگران	سن ایوارڈ
۱	طاہر رزاقی	معجز سنبھلی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۰۰ء
۲	شمیمہ	اردو انشائیہ میں سماجی طنز۔ ۱۹۶۰ کے بعد	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۰۶ء
۳	کوثر جان	مخمور سعید کی شخصیت اور ادبی کارنامے	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۰۸ء
۴	غلام حسین	مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری: ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۰۸ء
۵	نصرت مقبول	Devolpment of Urdu Short story in Kashmir	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۱۰ء
۶	محمد صدیق	سید احمد اصغر قلم زیدی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۱۲ء
۷	محمد قدیر	پنجاب میں اردو افسانہ ۱۹۵۰ کے بعد: ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۱۳ء

۸	ریاض احمد لون	۱۹۶۰ کے بعد اردو غزل کے فنی امتیازات	ڈاکٹر عزیز عباس	۲۰۱۳ء
۹	رضوان الزمان	ناشر نقوی: حیات اور ادبی جہات	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۱۷ء
۱۰	محمد ایّوب	سردار پورن سنگھ ہنر: حیات اور ادبی خدمات	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۱۷ء
۱۱	نائلہ تبسم	وسیم بریلوی کی شاعری میں سماجی شعور	ڈاکٹر عزیز عبّاس	۲۰۱۹

اس باب میں شامل تینوں جامعات کے مقالات کی درجہ بندی اور فہرست تیار کرنے کے بعد کئی نکات اور حقائق سامنے آئے ہیں۔

☆ مجموعی طور پر اکیسویں صدی میں مشرقی پنجاب کی جامعات میں تحقیق کی رفتار میں تیزی آئی ہے۔

☆ اردو ادب کے مختلف گوشوں کو موضوعِ تحقیق بنایا گیا ہے۔

☆ گذشتہ اٹھارہ سالوں میں ان جامعات کے شعبہ اردو میں جو تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں یا لکھے جا رہے ہیں۔ شخصیات پر کم ہی مقالے قلم بند ہوئے ہیں۔ جن شخصیات پر مقالے لکھوائے گئے ہیں وہ نہایت ہی بلند پایہ ہیں ان پر پی ایچ۔ ڈی۔ کرانا دراصل ان کے اردو ادب پر احسانات کا حق ادا کرانا تھا۔

☆ مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو کے مقامی محققین سے بیرونی محققین کی تعداد زیادہ ہے۔

☆ ان جامعات میں اردو کے پروفیسر صاحبان کی تعداد دیگر شعبہ جات کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نہ کے برابر ہے تو بھی غلط نہ ہوگا۔

☆ مرد مقالہ نگاروں کے مقابلے میں خواتین مقالہ نگاروں کی تعداد بہت کم ہے جو کہ تشویش ناک ہے۔ جبکہ حیدر آباد کی جامعات میں خواتین محققین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ شاہانہ مریم اپنے مضمون حیدر آباد کی جامعات میں اردو تحقیق کی رفتار خاتون محققین کے حوالے سے ایک جائزہ میں لکھتی ہیں کہ:۔

> ''ہندوستانی جامعات میں حیدر آباد کے شعبۂ اردو کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں پر اردو کی تحقیق نہایت ہی تیز ہے اپنے قیام کے تیس سالہ تحقیقی سفر میں پانچ سو سے زائد تحقیقی مقالات قلمبند ہوئے ہیں۔ مقالہ نگاروں میں اکثریت خواتین محققین کی ہے۔''

(شاہانہ مریم، اردو ریسرچ جرنل، شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۱۵)

☆مشرقی پنجاب سے باہر دوسری ریاستوں کی جامعات میں جہاں شعبہ اردو قائم ہے وہاں اردو تحقیق کی رفتار کافی تیز ہے۔

☆ایک اور اہم بات جو سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ ان تینوں جامعات میں شعبہ اردو کا قیام جو کہ تقریباً چار سے پانچ دہائیوں پر محیط ہے۔ مجموعی طور پر آغاز تا ہنوز کم وبیش ایک سوتیس مقالات لکھے گئے ہیں جو کہ بہت کم ہیں۔

مقالات کی بڑھتی تعداد اور ان کے معیار اور ضروری و غیر ضروری مواد اور ضخامت وغیرہ کو دیکھتے ہوئے جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ۔:۔

''پی ایچ۔ڈی کے مقالات کی تعداد بھی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ان مقالات میں عام طور پر یہ خرابی ہوتی ہے کہ وہ ضروری اور غیر ضروری مواد کے ڈھیر سے لدے پھندے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ضخیم اور فربہ ہوتے ہیں۔ تحقیق کرنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کو کیا شامل کرنا ہے اور کیا نہیں شامل کرنا ہے۔ تحقیق کا سارا رف ورک شامل کرنے سے مقالہ تو ضخیم ہو جاتا ہے لیکن اصل موضوع بے ضرورت مواد اور پھیلاؤ کی وجہ سے دب کر رہ جاتا ہے۔ بعض مقالات میں صرف ضروری مواد شامل کیا جائے اور اختصار و جامعیت پر زور دیا جائے۔ یہ رجحان وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جائے گا۔''

(اردو میں تحقیق و تدوین، مرتبہ رؤف پاریکھ، ص ۲۴۱۔۲۴۲)

مشرقی پنجاب کی ان جامعات میں شعبہ اردو کے قیام سے لیکر اب تک اردو کے جتنے بھی مقالات قلمبند کیے گئے ہیں ان کی ایک فہرست بھی تیار ہوگئی ہے اور ساتھ ہی اس شعبے سے منسلک پروفیسر صاحبان کی تحقیقی خدمات کا بھی سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ مذکورہ گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اب تک ان جامعات کے شعبہ اردو میں مختلف موضوعات پر جتنے بھی مقالات تحریر کیے گئے ہیں ان میں کہیں بھی تکرار نہیں ہے۔ ان میں بعض مقالے معیاری اور اہم ہونے کے ساتھ ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ کر اہل ذوق سے سند حاصل کر چکے ہیں۔ اب بھی کچھ

مقالات ایسے ہیں جنھیں منظرعام پر لانے کی ضرورت ہے تا کہ پنجاب اور بیرونِ پنجاب کے طلباء اور اہل ذوق بھی ان شعبہ جات کے تحقیقی کام سے مستفید ہوسکیں۔

مشرقی پنجاب کی جامعات میں اصنافِ ادب پر بکثرت تحقیقی کام ہوا ہے اور ہو بھی رہا ہے اور جن اصنافِ ادب پر توجہ دی گئی ان میں ناول، افسانہ، ڈراما، افسانچہ، سفر نامہ، خودنوشت، غزل، مرثیہ، نظم اور رباعی وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ تحقیق، تنقید، ادبی صحافت، تقسیمِ ہند اور تحریکات سے متعلق بھی تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر عوام الناس کو مستفید بھی کر رہے ہیں۔ مشاہیرِ ادب جنہوں نے اپنے فکر وفن کی بدولت کاشانۂ ادب کے چراغ کو روشن رکھا تھا یا رکھا ہوا ہے اصنافِ ادب کی بانسبت ان پر زیادہ توجہ دی گئی ہے ابھی بھی اس خطے میں ایسے متعدد قلمکار ہیں جن کے علم وفن کے کارناموں پر تا حال خامہ فرسائی نہیں کی گئی ہے اور وہ ہماری بازیافت کے منتظر ہیں۔ ان جامعات میں جن قلمکاروں پر کام ہوا ان میں سے چند کے ناموں کا ذکر کرنا لازمی سمجھتا ہوں۔ ان میں انتظار حسین، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، قراۃ العین حیدر، پروین شاکر، سردار انجم، کرپال سنگھ بیدار، گوپال متل، فیض احمد فیض، جوش ملسیانی، عزیز احمد، مرزا ہادی رسوا اور سردار پورن سنگھ ہنر وغیرہ اہم نام ہیں۔ اس کے علاوہ علاقائی ادب پر بھی ان جامعات میں متعدد مقالات لکھوائے گئے ہیں۔ میری تحقیق سے ایک بات جو سامنے آئی ہے کہ ان جامعات میں میر، غالب، اقبال جیسے بلند پایہ شعراء کے متعلق کوئی تحقیقی مقالہ نہیں لکھوایا گیا ہے۔

☆☆☆

باب چہارم

''آسانیاں بہم پہنچاؤ مشکلات میں نہ ڈالو''

(حدیث)

مشرقی پنجاب کی جامعات میں تخلیق کردہ اہم تحقیقی وتنقیدی مقالے:

۱۔شاعری کے حوالے سے

۲۔نثر کے حوالے سے

۳۔شخصیات کے حوالے سے

۴۔متفرقات

موضوع کے لحاظ سے تحقیق کی کافی اقسام ہیں لیکن جب ہم موضوع سے ہٹ کر بات کرتے ہیں تو تحقیق کی دو ہی اقسام سندی تحقیق اور غیر سندی تحقیق سامنے آتی ہیں۔ سندی تحقیق سے مراد وہ تحقیق جو جامعات سے ڈگری حاصل کرنے کی غرض سے کی جاتی ہے۔ اس کے کچھ اصول وضوابط اور قواعد و قانون ہوتے ہیں۔ مثلاً یونیورسٹی میں داخلہ لینا، موضوع اور نگران کا انتخاب کرنا اور نگران کی رہنمائی میں ریسرچ اسکالر کو مقررہ مدت میں منتخبہ موضوع پر تحقیقی کام کو سرانجام دینے کے بعد مختلف مراحل سے گزر کر ڈگری ملتی ہے۔ اس کے برعکس غیر سندی تحقیق نہ تو کسی ڈگری کی حصولیابی کے لیے کی جاتی ہے، نہ ہی اس میں نگران کی ضرورت ہوتی ہے، وقت بھی متعین نہیں ہوتا اور نہ ہی محقق کو ممتحنوں کے سامنے زبانی امتحان والے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ جبکہ سندی تحقیق میں نگران اور شعبہ سے متفق ہو کر ہی تحقیق کو تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ ہاں مگر دونوں قسم کی تحقیق کا مقصد ایک ہی ہے کہ حقائق کو بروئے کار لانا۔ سندی اور غیر سندی تحقیق کی رفتار میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں تحقیقی کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور مقالات پر جامعات ڈگریاں بھی عطا کر رہی ہیں۔ سندی تحقیق غیر سندی تحقیق کے مقابلے میں ناقص ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو کافی طرح کے قانون وضوابط میں جکڑا ہوا ہے جبکہ غیر سندی تحقیق میں اسکالر کو ہر طرح کی آزادی میسر ہوتی ہے۔ غیر سندی تحقیق کوئی بھی اہل علم، اساتذہ یا اسکالر کر سکتے ہیں۔

اس حقیقت سے ہر ایک چاہے پروفیسر ہو یا اسکالر واقف ہے کہ آجکل جامعات میں معیاری تحقیق کے مقابلے میں سطحی اور غیر معیاری تحقیقی کاموں کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جامعات میں تحقیق کا اہم مقصد کھوج، پرکھ اور تلاش وغیرہ نہیں رہا بلکہ اصل مقصد تحقیق برائے ڈگری ہی ہے۔ سندی تحقیق میں ریسرچ اسکالر اپنی تحقیق کو جلدی سے جلدی مکمل کرنا چاہتے ہیں اور اسی جلد بازی میں تحقیق کا حق ادا نہیں ہوتا۔ میرے خیال سے جامعاتی تحقیق کے معیار کی گراوٹ کی وجہ جلد بازی اور وقت کی کمی ہی ہو سکتی ہے۔۔ جامعات کا آپس میں رابطہ یا ربط نہ ہونے کی وجہ سے سرانجام دیے جا رہے اکثر و بیشتر تحقیقی کاموں میں تکرار بھی سامنے آئی ہے۔ اسقدر تکرار کہ موضوع کے عنوانات بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ریسرچ اسکالروں کی زیادہ تر یہی کوشش ہوتی ہے کہ انھیں کہیں سے ایسا مقالہ مل جائے جو ان کے

موضوع کے ساتھ ملتا جلتا ہوتا کہ اسی سے استفادہ کرلیں زیادہ محنت نہ کرنی پڑے اورکئی ایسی جامعات بھی ہیں میں جن میں ایک ہی وقت میں ایک ہی موضوع پر تحقیقی کام انجام دیے جارہے ہیں اس ضمن میں گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک ہی موضوع پر دو دو تین تین جگہ کام ہوتا رہتا ہے اور اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک دوسرے کے کام پر چھاپا مارا جاتا رہا ہے یعنی اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص ایک نسخہ پر کام کر رہا ہے تو دوسرا اس کی دریافت سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کتاب کو اس سے قبل چھپوانے کی کوشش کرے گا"

(رہبر تحقیق،ص۱۴۳)

اگر ایک ہی وقت میں دو یا دو سے زیادہ جامعات میں ایک موضوع پر کام ہو رہا ہے یا ہوگیا ہو تو ضروری نہیں ہے کہ دو مختلف جگہوں پر ہوا کام ایک جیسا ہی ہوگا کیونکہ کوئی بھی تحقیقی کام حرف آخر نہیں ہوتا اور ہر کام میں کوئی نہ کوئی خامی یا کمی ضرور رہ جاتی ہے البتہ موضوع تو ایک جیسا ہوسکتا ہے مگر عنوان اور خاکے ایک طرح کے نہیں ہونے چاہیئے۔ بلکہ کوئی نیا گوشہ اور نئے پہلو تلاش کیے جانے چاہیئے۔

المختصر میرا مقصد یہاں مندرجہ بالا موضوع پر بحث کرنا نہیں تھا البتہ سندی اور غیر سندی تحقیق میں فرق واضح کرنا بھی ضروری تھا۔ میرا مقصد مشرقی پنجاب کی جامعات میں لکھے گئے اہم تحقیقی وتنقیدی مقالات کی نشاندہی کر کے ان کا تجزیہ کرنا ہے۔ اس سے قبل کہ میں اپنے موضوع پر خامہ فرسائی کروں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مشرقی پنجاب یعنی ہندوستانی پنجاب کی تین بڑی جامعات میں اردو میں تحقیق کروائی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ دیش بھگت یونیورسٹی گوبند گڑھ میں سالِ رواں سے تحقیقی کام شروع ہوا ہے۔ ان جامعات میں اصنافِ ادب ،مشاہیرِ ادب اور علاقائی ادب پر بے شمار تحقیقی کام کیا گیا ہے۔ ان جامعات میں لکھے گئے مقالات کے موضوعات کو دیکھ کر اور مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ تمام ہی مقالات اپنے موضوعات ،مواد اور تحقیق کی نوعیت کے اعتبار سے اپنی منفرد اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تینوں جامعات میں لکھے گئے سبھی مقالے اہم ہیں لیکن تمام مقالات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ایسا کرنے کے لئے الگ سے مقالہ لکھنے کی ضرورت پڑے گی اس لئے میں نے اپنے علم کے حساب سے ان میں سے

چند مقالات جو میری نظر میں اہم ہیں اور مشرقی پنجاب یا متحدہ پنجاب کے اردو ادب کے حوالے سے قلمبند کئے گئے ہیں انھیں چار زمروں میں منقسم کر کے ان کا الگ الگ تجزیہ کیا ہے۔ان چاروں زمروں کی ترتیب ذیل میں کی گئی ہے۔

۱۔شاعری کے حوالے سے

۲۔نثر کے حوالے سے

۳۔شخصیات کے حوالے سے

۴۔متفرقات

تینوں جامعات سے پندرہ اہم مقالے منتخب کیے ہیں۔ پہلے شاعری کے حوالے سے لکھے گئے مقالات کا تجزیہ کروں گا۔

☆شاعری کے حوالے سے لکھے گئے مقالات:

اردو کی مختلف شعری اصناف کو موضوعِ تحقیق بنا کر ان جامعات میں مقالے تحریر کیے گئے ہیں اور اردو شاعری کے حوالے سے کافی اہم تحقیقی مقالے ہیں مگر میں نے صرف مشرقی پنجاب اور متحدہ پنجاب کی شاعری پر قلمبند کیے گئے پانچ اہم تحقیقی مقالات کو منتخب کیا ہے۔

پنجاب میں اردو غزل کے پچاس سال

پنجاب میں اردو مرثیہ: تفہیم و تجزیہ

آزادی کے بعد اردو کی پنجابی شاعرات

مشرقی پنجاب میں اردو نظم آزادی کے بعد

اردو کے سکھ شعراء ایک تجزیاتی مطالعہ

☆۔پنجاب میں اردو غزل کے پچاس سال

اردو کی شعری اصناف میں غزل کو جو مقام، مقبولیت اور مرتبہ حاصل ہے وہ کسی دوسری صنف کو نہ حاصل ہوا تھا اور نہ آج ہے۔ناقدین غزل میں سے بعض نے اس صنف کی مخالفت کر کے منفی آراء دی ہیں اور کچھ نے اس کا ساتھ دیتے

ہوئے مثبت آراء بھی پیش کی ہیں۔مثال کے طور پر ''غزل جتنی بدنام ہے اتنی ہی مجھے عزیز ہے''۔''غزل اردو شاعری کی آبرو ہے''(رشید احمد صدیقی)'' غزل شاعری نہیں عطر شاعری ہے''۔''غزل مختلف پھولوں کی مالا ہے''(فراق گورکھپوری)۔'' غزل کا خمیر عشق و محبت ہے''(شبلی نعمانی) کلیم الدین احمد نے غزل کو نیم وحشی صنف شاعری کہا ہے۔''غزل اور قصیدہ شاعری کے ناپاک دفتر ہیں اور عفونت میں سنڈاس سے بھی بدتر ہیں''۔(حالؔی) غزل کی مخالفت بھی ہوتی رہی اور اس پر اعتراضات بھی ہوتے رہے ہیں مگر اس کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔سرزمین پنجاب نے اردو کی آبیاری میں ازل سے ہی اہم رول ادا کیا ہے۔نثری اور شعری اصناف پر اس خطے کے بڑے احسانات ہیں۔ پنجاب میں اردو غزل کے موضوع پر ڈاکٹر سلیم زبیری سے قبل کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔انہوں نے ایم اے اردو کے بعد اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے'' پنجاب میں اردو غزل کے پچاس سال'' کے عنوان سے موضوع کا انتخاب کیا تھا اور اس پر تحقیق کرنے کے بعد ۲۰۰۷ء میں ڈگری حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر سلیم زبیری کا یہ تحقیقی مقالہ چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلے باب میں پس منظر کے طور پر متحدہ پنجاب کے ادبی ماحول کو پیش کیا گیا ہے۔اس باب میں اردو ادب میں پنجاب کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور آزادی سے قبل پنجاب کے جن شاعروں اور ادیبوں کی خدمات پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے ان میں حالؔی، محمد حسین آزؔاد اور اقبالؔ اہم ہیں۔ حالؔی نے قومی شاعری کی بنیاد ڈالی اور حب الوطنی کے جذبے کو اپنی شاعری کے ذریعے ابھارنے کے علاوہ اپنی شاعری کے ذریعے معاشرے کی اصلاح بھی کی تھی۔مسدس حالؔی جیسی مشہور نظم بھی حالؔی کے قلم سے اسی خطے میں لکھی گئی تھی۔ تنقید نگاری اور سوانح عمری جیسے اصناف بھی اسی خطے سے معرض وجود میں آئیں۔محمد حسین آزؔاد جیسا عظیم شاعر اور انشا پرداز بھی اسی خطے میں رہ کر ادبی خدمات انجام دیتا رہا۔علامہ اقبالؔ جیسا عظیم شاعر، مفکر و فلسفی، مفسر اور عالم نے بھی اسی علاقے میں رہ کر عالمی شہرت پائی تھی۔لاہور جو کہ ایک ادبی مرکز تھا اور کافی انجمنیں اس خطے میں قائم تھیں بڑے بڑے عالم ان انجمنوں سے وابستہ تھے۔سلیم زبیری نے ان تمام کا ذکر کرتے ہوئے اس باب کو اپنے موضوع کے پس منظر کے طور پر پیش کیا ہے۔

دوسرے باب میں پنجاب میں آزادی کے بعد اردو غزل کی جو صورت حال ہے اسے بیان کیا ہے۔اس باب

میں پہلے تقسیم ہند کے جو نقصانات ہوئے ان کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے بعد پنجاب کی غزلیہ شاعری میں تقسیم ہند کے موضوعات لکھنے والے ایسے بے شمار شعراء کو شامل کیا گیا ہے جنہوں نے تقسیم کے موضوع پر غزلیات بھی لکھی ہیں ۔ان شعراء میں جگن ناتھ آزادؔ، جوشؔ ملسیانی، اخترؔ ہوشیار پوری، کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ،تلوک چند محرومؔ،ساحرؔ لدھیانوی،ضیاؔ جالندھری وغیرہ۔ دور حاضر کے شعراء کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ اس باب میں سو کے قریب شعراء کے ایسے اشعار شامل کیے گئے ہیں جن میں تقسیم کا درد نظر آتا ہے۔ اس خطے میں تمام شعراء ایسے نہیں تھے جنہوں نے صرف تقسیم سے جنم لینے والے جملہ مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا بلکہ ایسے بھی تھے اور ابھی بھی ہیں جنہوں نے روایتی شاعری یا غزل کو سینے سے لگا رکھا تھا اور اسی انداز سے غزلیں کہہ رہے تھے۔ ان میں داغؔ اسکول اور جوشؔ اسکول کے پیروکار زیادہ نظر آ رہے ہیں۔ اس مقالے کا دوسرا باب بہت ہی اہم ہے اس میں سلیم زبیری کو کافی محنت کرنی پڑی ہوگی کیوں کہ جس طریقے سے انہوں نے صرف اس باب میں سو سے زیادہ شعراء کے کلام کو بطور نمونہ شامل کیا ہے کافی عرق ریزی کا کام ہے۔اس باب کے آخر میں پنجاب کے ۲۲ نمائندہ شعراء جو آزادی کے بعد کے ہیں ان کی فہرست بھی دی ہے۔

اس مقالے کے تیسرے باب میں جدید ادبی تحریکات کے جو اردو غزل پر اثرات مرتب ہوئے ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ترقی پسند تحریک، حلقہ ارباب ذوق، جدیدیت اور مابعد جدیدیت جیسی تحریکات کے تفصیلی تعارف کے بعد ان کے تحت لکھنے والے شعراء اور ان کے نمونہ کلام کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے اثرات کو جن شعرائے پنجاب نے قبول کیا ان میں فیضؔ سر فہرست ہیں۔ ان کے بعد ساحرؔ لدھیانوی، احمد ندیمؔ قاسمی، احسان دانش اور جگن ناتھ آزادؔ کے علاوہ پریم وار برٹنی وغیرہ شعراء کا اس باب میں ذکر کیا ہے۔ بعض نوجوان نسل کے شعراء کو بھی شامل کیا ہے، حلقہ ارباب ذوق سے وابستہ شعراء کا ذکر بھی ملتا ہے مگر اس تحریک سے ہندوستانی پنجاب کے کم ہی شعراء وابستہ تھے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس تحریک سے وابستہ شعرا نے زیادہ نظمیں ہی لکھی ہیں۔ اس باب میں متحدہ پنجاب کے شعراء کو ہی شامل کیا ہے۔ ان شعراء میں ضیاؔ جالندھری، میراجیؔ، قیوم نظرؔ، حفیظؔ ہوشیار پوری، اخترؔ ہوشیار پوری اور ن-م راشدؔ وغیرہ ہیں۔ اس باب میں پنجاب میں جدیدیت کا اثر قبول کرنے والے ۳۲ اور مابعد جدیدیت کا رجحان رکھنے

والے ۲۷ شعراء کا ذکر کیا ہے۔

اس مقالے کے چوتھے باب میں روایتی غزل کے مثبت رجحان کو موضوع بنایا گیا ہے اور پنجاب میں اس کے تحت لکھنے والے سولہ نمائندہ شعراء کے کلام کو بطور نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ پہلے میرؔ، غالبؔ، سوداؔ، دردؔ، ولیؔ کے کلام کو نمونہ کے طور پر شامل کیا ہے اور پھر ان شعرا کا اثر قبول کرنے والے پنجابی شعراء کو اس باب میں شامل کیا گیا ہے۔ ان میں ساحرؔ لدھیانوی اور رام رتن مضطرؔ، ساحرؔ سیالکوٹی، جگن ناتھ آزادؔ اور حفیظؔ جالندھری وغیرہ شامل ہیں۔

اس مقالے کا پانچواں باب نئی اردو غزل عصری تناظر میں کے عنوان سے ہے۔ جدید دور کی غزل نے اس دور میں کیا اثرات قبول کیے ہیں واضح کیا گیا ہے۔ اس باب میں نمائندہ شعراء کے ساتھ بعض دوسرے شعراء کے کلام کو بھی بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں شعراء میں آر ڈی شرما تاثیر، اجیت سنگھ حسرت، پروین کمار اشکؔ، جگرؔ جالندھری وغیرہ کافی شعراء شامل ہیں۔

آخری باب حاصل مطالعہ ہے جس میں اس پورے مقالے کی تلخیص بیان کی گئی ہے۔ المختصر سلیم زبیری کا یہ کام پنجاب میں آزادی کے بعد کی غزلیہ شاعری کے حوالے سے کافی اہم ہے اور کوئی بھی غزل کے حوالے سے مشرقی پنجاب میں تحقیق کرنا چاہے تو وہ اس سے مستفید ہوسکتا ہے۔ زبیری سے پہلے اس موضوع کو کسی نے نہیں چھوا تھا۔ یہ مقالہ ایک طرح سے فہرست کے طور پر بھی کام کرسکتا ہے۔ پنجاب کے کم و بیش یا اردو کے کہہ لیجئے ۲۵۰ شعراء کا ذکر اس مقالے میں کیا گیا ہے۔ سلیم زبیری نے یہ مقالہ پروفیسر زینت اللہ جاوید کی نگرانی میں ۲۰۰۷ء میں مکمل کیا تھا۔

پنجاب میں اردو مرثیہ: تفہیم و تجزیہ

اردو کی شعری اصناف میں مرثیہ ایک اہم صنف ہے۔ ہندوستان میں اس کی ابتداء اردو شاعری کے آغاز کے ساتھ ہی دکن سے ہوئی تھی۔ اس کی ترقی، فروغ اور سرپرستی میں دکن کی عادل شاہی اور قطب شاہی حکومتوں کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔ اردو کا پہلا مرثیہ گو قلی قطب شاہ ہے۔ مذہبی اور ادبی اعتبار سے اس صنف کو مقبولیت حاصل ہے اور ان سے اخلاقیات کا درس بھی ملتا ہے۔ مراثی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک کربلائی مرثیے یعنی جن کا موضوع واقعہ کربلا ہے اور دوسرے شخصی مرثیے جو کسی بھی عزیز و اقارب کی وفات پر لکھا جاتا ہے۔ مرثیہ کی کوئی متعین شکل نہیں ہے اسے کسی بھی

شکل یا ہیئت میں لکھا جا سکتا ہے اور لکھا بھی گیا ہے مگر اکثر و بیشتر مرثیے مسدس کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔ کربلائی مرثیہ کے ۱۹ اجزاء ہیں۔

اردو مرثیے پر مختلف جامعات میں اور جامعات سے باہر بھی تحقیق کی گئی ہے۔ اسی طرح مشرقی پنجاب کی جامعہ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ اردو میں ''پنجاب میں اردو مرثیہ: تفہیم و تجزیہ'' کے عنوان سے مشرقی پنجاب کی ریسرچ اسکالر عابدہ رفعت نے ڈاکٹر ناشر نقوی کی نگرانی میں ۲۰۱۵ء میں تحقیقی مقالہ مکمل کیا تھا۔ رفعت نے اپنے اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب جو پنجاب اور اسلامی تمدن کی جہات کے عنوان سے ہے۔ اس کو چار ذیلی ابواب میں تقسیم کر کے مفصل اور نفیس طریقے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس باب میں عابدہ رفعت نے اسلامی تمدن کا جو اثر پنجاب پر ہوا اسے پیش کیا ہے۔ ہندوستان میں سمندری راستے سے مسلمانوں کی آمد، پنجاب میں قیام اور محمد بن قاسم کی رہنمائی میں ۷۱۲ عیسوی میں مسلمانوں کا ہندوستان میں داخل ہونا اور یہاں اسلام کا پھیلنا وغیرہ اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ ذیلی باب میں اردو میں صوفیانہ شاعری میں تصوف کی تعریف کے بعد ہندوستان اور پنجاب کے صوفیائے کرام کی خدمات بیان کی گئی ہیں۔ اردو شاعری کے فروغ میں صوفیائے کرام کا حصہ اور جن صوفیاء کرام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں شیخ فریدالدین، امیر خسرو، خواجہ بندہ نواز گیسودراز وغیرہ کے تعارف کے ساتھ ان کا نمونہ کلام بھی پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے ذیلی باب میں اردو کی حریت پسند شاعری میں انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے اور یہاں کی عوام پر جبر و ستم کو جن شعراء نے اپنی شاعری میں سمیٹا ان کا ذکر کیا ہے۔ ان میں مرزا غالبؔ، مولوی محمد حسین آزادؔ، سرورؔ جہاں آبادی، خواجہ الطاف حسین حالیؔ، علامہ اقبالؔ اور چکبستؔ وغیرہ کے مختصر تعارف کے ساتھ ان کا نمونہ کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح مظلوم پسند شاعری میں کچھ شعرا کا ذکر کیا ہے۔ پنجاب کی حزنیہ شاعری میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے چند شعراء کا مختصر تعارف کے ساتھ نمونہ کلام بھی شامل کیا ہے۔

عابدہ رفعت نے اپنے مقالہ کے دوسرے باب کا نام ''پنجاب میں اردو مرثیہ'' رکھا ہے۔ اس باب میں اردو مرثیہ کا آغاز و ارتقاء، اہمیت شخصی اور کربلائی مرثیہ وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس باب کا مطالعہ کرنے کے بعد جو چیز سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس باب کا عنوان پنجاب میں اردو مرثیہ نہیں بلکہ ہندوستان میں اردو مرثیہ یا اردو مرثیہ

آغاز وارتقاء ہونا چاہئے تھا کیونکہ عنوان کے ساتھ شاملِ باب متن میل نہیں کھاتا۔

اس مقالے کے تیسرے باب کا عنوان پنجاب کے اہم اردو مرثیہ نگار ہے اور اس باب کو عابدہ رفعت نے تین ادوار قدیم دور، متوسط دور اور موجودہ دور میں تقسیم کر کے پنجاب سے تعلق رکھنے والے کل تیرہ مرثیہ نگاروں کو شامل کیا ہے۔ قدیم دور کے مرثیہ نگاروں میں حالؔی کی مختصر سوانح اور ان کے کارناموں پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے نمونۂ کلام کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ناظر حسین ناظمؔ پھر دیورام کوثری اور آخر میں علامہ اقبال کو شامل کیا ہے۔ اس دور میں کل چار مرثیہ نگار ہیں۔ متوسط دور میں حکیم احمد شجاع، حفیظؔ جالندھری، کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ اور آخر میں فیض احمد فیضؔ کے مختصر حالات اور نمونۂ کلام شامل ہے۔ اس دور میں بھی چار مرثیہ نگاروں کو شامل کیا ہے۔ موجودہ دور کے مرثیہ نگاروں میں کالی داس گپتا رضاؔ، بشیر جعفری، وحید ہاشمی، محسن نقوی اور ڈاکٹر ناشر نقوی کے حالات اور نمونہ مراثی شامل ہیں۔ اس میں پانچ مرثیہ نگاروں کو شامل کیا گیا ہے ان میں کچھ ایسے شعراء ہیں جنہیں عابدہ رفعت نے ہی بطور مرثیہ نگار تعارف کرایا ہے۔

عابدہ رفعت کے مقالے کا چوتھا باب جو ''پنجاب کے صاحب مجموعہ مرثیہ نگار شاعر تعارف اور کلام'' کے عنوان سے ہے۔ اس مقالے کا بہت ہی اہم باب ہے۔ اس میں پنجاب کے پندرہ صاحب مجموعہ مرثیہ نگاروں کا تعارف اور نمونۂ کلام شامل کیا ہے۔ ان تمام مجموعوں کے مراثی کا موضوع واقعات کربلا نہیں ہے بلکہ چند ایک ایسے بھی ہیں جن میں پنجاب کے علاقوں میں ہوئے خونی قتل و غارت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان میں کربلا کے واقعات جیسی ہی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ ان شعرا میں جوگی اللہ یار خان انیسویں صدی میں پیدا ہوئے باقی تمام مرثیہ نگار بیسویں صدی کی ہی پیدائش ہے۔ تمام مرثیہ نگاروں کے ایک ایک مجموعہ کا انتخاب کر کے عابدہ رفعت نے ان پر تجزیہ کیا ہے۔

عابدہ رفعت نے پنجاب میں مرثیہ نگاری کے حوالے سے کافی اہم اور قابل قدر تحقیقی کام انجام دیا ہے۔ جو نہ صرف پنجاب کے اردو ادب بلکہ پورے اردو ادب میں ایک کامیاب اضافہ ہے۔ عابدہ رفعت نے اس تحقیقی کام کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے اور اہل اردو اس کام سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اس مقالے میں کچھ ایسے پنجاب کے مرثیہ نگار ہیں جن پر مرثیہ نگاری کے حوالے سے عابدہ رفعت سے پہلے کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ ان کو یا ان کے مجموعہ کو اردو سے

متعارف کرانے کا سہرا عابدہ رفعت کے سر بندھتا ہے۔اس مقالے کا آخری باب حاصل مطالعہ ہے جس میں عابدہ نے اپنی پوری تحقیق کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔

☆ آزادی کے بعد اردو کی پنجابی شاعرات

اردو زبان و ادب کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔اردو ادب بھی دنیا کے دوسرے ادبیات کی طرح شعری اور نثری شعبہ جات پر مشتمل ہے۔اردو ادب کی شروعات شاعری سے ہوئی تھی اور شروع شروع میں خواتین اس میدانِ علم و ادب میں کافی پیچھے تھیں۔اردو کے شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات میں عورت معشوق، ماں، بیوی، بہن، بیٹی وغیرہ کے طور پر شامل تھی اور آج بھی ہے مگر عورت ابتداء میں ادب میں تخلیق کار کی حیثیت سے اپنی جگہ نہ بنا سکی اس کی بھی کچھ وجوہات رہی ہونگی مگر آج خواتین قلم کار مرد قلمکاروں کے بالمقابل نظر آ رہی ہیں اور سینکڑوں کی تعداد میں اردو ادب میں خواتین قلمکاروں کے نام مل جاتے ہیں۔پنجاب کو اس ضمن میں ادبی میدان میں کافی اہمیت حاصل ہے۔اس سرزمین میں جہاں مرد قلمکاروں نے اپنی خدمات انجام دی ہیں وہیں خواتین نے بھی اس میدان میں کافی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔اسی خطے کی خواتین شاعرات کو نسیم اختر نے موضوع بنا کر ''آزادی کے بعد پنجاب کی اردو شاعرات'' کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی اردو و عربی میں داخلہ لیا تھا اور ڈاکٹر روبینہ کی نگرانی میں ۲۰۱۷ء میں ڈگری مکمل کی تھی۔نسیم اختر نے اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔پہلا باب جو آزادی سے قبل پنجاب کی خواتین قلم کاروں کی ادبی دین کے عنوان سے ہے۔نسیم اختر کی تحقیق کے مطابق:۔

> "ادب کی مختلف اصناف میں خواتین کی شمولیت بہت بعد کے عرصے میں ہوئی مگر شاعری کے میدان میں خواتین شاعرات کی تخلیقات ہمیں انیسویں صدی کے وسط سے ہی ملنا شروع ہو جاتی ہیں"

(ص ۲۹۸)

ابتدا میں کئی شاعرات ایسی تھیں جن کے دیوان لوگوں کے سامنے نہیں آ سکے کیونکہ اس وقت تک کا سماج عورت کو ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا تھا۔اس باب میں اردو کی بیس شاعرات کا مختصر سا تعارف اور نمونہ کلام پیش کیا

گیا ہے۔اس مقالے کے دوسرے باب میں نسیم اختر نے پنجاب کے اردو ادب کا آزادی کے بعد کے دور کا جائزہ لیا ہے۔اس باب کو حصہ نظم ونثر کے عنوان سے دو ذیلی ابواب میں تقسیم کیا ہے۔۔حصہ ٔنظم میں سو کے قریب شعرا کے نام درج کیے ہیں۔حصہ ٔ نثر کو مزید تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اہم نثری اصناف افسانہ، ناول اور تحقیق وتنقید کا نسیم اختر نے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔نسیم اختر نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے اگر چہ بعد از تقسیم مشرقی پنجاب میں اردو کا چلن کم ہوا ہے مگر اس خطے میں اردو کا مستقبل تاریک نہیں ہوگا۔اس مقالے کا تیسرا باب بہت ہی اہم ہے اس میں نسیم اختر نے خواتین قلمکاروں کی عدم موجودگی اس خطے میں کیوں ہے کا جائزہ لیا ہے اور تحقیق کے ذریعے جو وجوہات بتائی گئی ہیں کہ عدم مساوات یعنی عورت کو برابری کا حق نہ دینا شامل ہے۔اس ضمن میں انہوں نے چند دلائل بھی پیش کیے ہیں۔دوسری وجہ سماجی بتائی ہے کہ عورت کو صرف گھر کے کاموں تک محدود رکھا گیا ہے اور مرد باہر کے سبھی کا انجام دیتا ہے۔خواتین کیا کریں یہ مرد طے کرتا ہے وغیرہ۔تیسری وجہ تعلیمی نظام کو بتایا ہے کہ صرف لڑکوں کو تعلیم دی جاتی تھی اور لڑکیوں کو تعلیم سے محروم رکھا جاتا تھا۔انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلام نے عورت کو علم حاصل کرنے کا حق مرد کے برابر دیا ہے۔آخری وجہ نسیم اختر نے سیاسی وجوہات کو بتایا ہے۔تقسیم ہند کے افسوسناک واقعات نے عورتوں کو زیادہ متاثر کیا تھا کیونکہ عورتیں مردوں کے مقابلے میں زیادہ حساس ہوتی ہیں۔تقسیم کا اثر ان کے دل ودماغ پر پڑا اور اپنی تخلیقی صلاحیتیں کھو بیٹھیں۔نسیم اختر نے مندرجہ بالا وجوہات کو آزادی کے بعد پنجاب میں خواتین قلم کاروں کی عدم موجودگی کا سبب بتایا ہے اور یہ کسی حد تک حقیقت بھی ہے۔

اس مقالے کا چوتھا باب کافی اہم ہے اور طویل بھی ہے۔یہ باب ''آزادی کے بعد اردو کی پنجابی شاعرات'' کے عنوان سے ہے۔اس باب کو مزید تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے مشرقی پنجاب کی شاعرات اس حصے میں مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والی تین شاعرات کا تفصیلی ذکر اور تاریخی پیدائش کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ پہلے لیلیٰ فریدکوٹی پیدائش ۱۸۹۵ وفات ۱۹۸۲ء، بی کے پنوں پرواز (۱۹۳۵ء) پیدائش جن کو اولین سکھ صاحب دیوان شاعرہ کا اعزاز حاصل ہے اور آخر میں ڈاکٹر روبینہ شبنم نے ان تینوں شاعرات کے حالات وکلام کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے۔دوسرے حصے میں مغربی پنجاب کی شاعرات کا ذکر ہوئے تاریخی ترتیب کے ساتھ اپنے مقالے میں شامل کیا گیا ہے۔اس حصے

میں سات شاعرات کے سوانحی حالات کے ساتھ کلام کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ان میں کشور ناہید(۱۹۴۰ء)ءڈاکٹر شہناز ۱۹۵۸ء، یاسمین حمید کی تاریخ پیدائش رقم نہیں ہے، ثمینہ راجہ۱۹۶۱ ء وفات ۲۰۱۲ ء، شازیہ اکبر۱۹۷۵ء ،فوزیہ بھٹی (۱۹۷۹ء)اورآخر میں حنا عنبرین ۱۹۸۹ءکوشامل کیا گیا ہے۔ان تمام شاعرات کے حالات وکلام کوتفصیل کے ساتھ تجزیہ کرکے شامل کیا گیا ہے۔اس باب کے آخری اور تیسرے حصے میں ایسی تین شاعرات کوشامل کیا گیا ہے جو پنجاب چھوڑ کر باہر چلی گئی ہیں۔ان میں ڈاکٹر رضیہ اسماعیل،نوشی گیلانی اور عذرا ناز ہیں۔یہ تینوں شاعرات انگلینڈ اورآسٹریلیا میں قیام پذیر ہیں مگر وہاں بھی اردو ادب کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔نسیم اختر کے اس مقالے کا آخری باب حاصل مطالعہ ہے جس میں انہوں نے اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کیا ہے۔نسیم اختر کا یہ تحقیقی مقالہ کافی اہم ہے۔وہ خود بھی ایک خاتون ہیں اور خواتین شاعرات کے تئیں انہوں نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔اس مقالے کو اگر کتابی شکل میں شائع نہیں کیا ہے تو انہیں چاہیے کہ اسے شائع کرکے اردو دنیا سے متعارف کرائیں ورنہ یہ صرف الماری کی زینت ہی بنا رہے گا۔

☆مشرقی پنجاب میں اردو نظم ۱۹۴۷ء کے بعد:افہام وتفہیم

اردو ادب دو اصناف پر یعنی نظم و نثر پر مشتمل ہے۔نظم سے مراد شاعری اور شاعری کی متعدد قسمیں ہیں جیسے غزل، نظم، رباعی، قصیدہ، مرثیہ اور قطعہ وغیرہ۔ان میں غزل کافی مشہور ہے۔غزل کے اشعار میں تسلسل نہیں ہوتا جبکہ نظم کسی ایک ہی موضوع پر لکھی جاتی ہے اور اس کے تمام اشعار ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و منسلک ہوتے ہیں۔نظم میں موضوعات اور ہیئت کی کوئی قید نہیں ہے۔یہ کسی بھی موضوع پر اور کسی بھی ہیئت میں لکھی جاسکتی ہے۔اس کی ہیئت کے اعتبار سے پانچ قسمیں پابند نظم ،طویل نظم ،معرا نظم ،آزاد نظم اور نثری نظم ہیں۔جبکہ اشعار کی تعداد اور ترتیب کے اعتبار سے اس کی کافی قسمیں ہیں جیسے ترکیب بند،،ترجیع بند، مستزاد اور مسدس وغیرہ۔اردو نظم کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی اردو ادب کی تاریخ ہے۔نظیر اکبر آبادی نے اس صنف کو کافی مستحکم کیا محمد حسین آزادؔ، حالیؔ، شبلیؔ، اکبر الہ آبادی، چکبستؔ اور علامہ اقبالؔ وغیرہ نے اس صنف میں ایسے کارنامے یادگار چھوڑے ہیں کہ جب تک اردو رہے گی ان کی نظمیں بھی زندہ وتابندہ رہیں گی۔اردو نظم ابتداء سے لے کر آج تک ہر دور میں لکھی جاتی رہی ہیں اور آج بھی لکھی

جارہی ہیں۔ برصغیر ہندو پاک کے علاوہ پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی اردو بولنے لکھنے اور سمجھنے والے ہیں وہاں اردو نظمیں لکھی جارہی ہیں۔مشاعروں میں سنانے کے علاوہ قارئین کے ذریعے پڑھی بھی جارہی ہیں۔اردو نظم کے حوالے سے پنجاب نے اہم کردار ادا کیا ہے۔اس خطے میں اردو کے بہت ہی بلند پایہ شاعر گزرے ہیں اور عصر حاضر میں بھی موجود ہیں۔

اسی موضوع پر کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک ریسرچ اسکالر غلام رسول بٹ نے ''مشرقی پنجاب میں اردو نظم ۱۹۴۷ء کے بعد:تفہیم و تجزیہ'' کے عنوان سے پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ اردو، فارسی و عربی سے ۲۰۱۹ء میں ڈاکٹر رحمان اختر کی نگرانی میں مقالہ قلمبند کر کے ڈاکٹریٹ ڈگری حاصل کی ہے۔غلام رسول بٹ نے اپنے اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔پہلا باب اردو میں نظم نگاری کے عنوان سے ہے جسے انہوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے نظم کا تعارف اور مختلف مشاہیر کی نظم کے بارے میں آراء بھی حوالے کے طور پر دی ہیں۔دوسرے حصے میں اردو نظم کا تاریخی جائزہ لیا ہے اور اردو کے چند بڑے نظم نگاروں کا اختصار سے ذکر بھی کیا گیا ہے۔تیسرے حصے میں اردو نظم کی ہیئتوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور ہیئت کے اعتبار سے نظموں کی اقسام کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔نمونہ کے طور پر پابند نظم اور نثری نظم وغیرہ کے اشعار بھی شامل کئے گئے ہیں۔اس مقالے کا دوسرا باب ''مشرقی پنجاب میں اردو شاعری'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں اردو کی دو شعری اصناف یعنی غزل اور نظم جو کافی مقبول تھیں اور آج بھی ہیں کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔اس میں غزل اور نظم کا تجزیہ تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔غزل گو شعراء کے اشعار بطور نمونہ اور اسی طرح نظم نگاروں کے اشعار بھی بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں۔اس باب میں آزادی سے قبل کے شعراء کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے آزادی کے بعد اس خطے کے شعراء کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔اس مقالے کا تیسرا باب جو پنجاب میں اردو نظموں کا موضوعاتی مطالعہ کے عنوان سے ہے۔غلام رسول بٹ نے اسے بھی دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔آزادی سے قبل اور بعد کے شعراء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ان میں آزادؔ، حالیؔ، علامہ اقبالؔ،تلوک چند محرومؔ، گنڈا سنگھ مشرقیؔ،فیض احمد فیضؔ وغیرہ ہیں۔اس حصے میں متحدہ پنجاب کو موضوع بنایا گیا ہے۔دوسرے حصے میں آزادی کے بعد صرف مشرقی پنجاب کے نظم گو شعراء جن میں جگن ناتھ آزادؔ، راجندر ناتھ رہبرؔ رتن پنڈوری وغیرہ کی نظموں کا جائزہ لیا

گیا ہے۔ چوتھا باب جو مشرقی پنجاب کے اہم نظم گو شعرا کے عنوان سے ہے۔ بہت اہم ہے اس میں مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے ۱۳ نظم گو شعراء کو شامل کر کے اور ان کی مختصر سوانح کے بعد ان کی نظموں کے موضوعات کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ان تمام شعراء کو تاریخ پیدائش کے اعتبار سے ترتیب دے کر مقالے میں شامل کیا ہے ان شعراء میں محرومؔ، موہن سنگھ دیوانہؔ، حفیظؔ جالندھری، اخترؔ شیرانی گوپال متل، مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، جگن ناتھ آزادؔ، ساحرؔ لدھیانوی اور پریم وار برٹنی وغیرہ شامل کیے گئے ہیں۔ اس مقالے کا آخری اور پانچواں باب مشرقی پنجاب میں تخلیق ہوئی نظموں کے عنوان سے ہے۔ اس باب کو بھی غلام رسول بٹ نے مزید تین حصوں موضوع کی افادیت، زبان و بیان کی اہمیت اور اصلاح معاشرہ میں تقسیم کیا ہے۔ تقسیم کے بعد انتشار کا دور تھا اخلاقیات کا درس دینے کی اور معاشرے کی اصلاح کی سخت ضرورت تھی۔ اسی کے پیش نظر نظم گو شعراء نے ایسی نظمیں تخلیق کیں جن سے معاشرے کی اصلاح ہو سکے۔ تقسیم کے بعد کی نظمیہ شاعری کے موضوعات کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس مقالے کے آخر میں غلام رسول بٹ نے حاصل مطالعہ میں اپنی کئی سالوں کی تحقیق کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ آزادی کے بعد پنجاب اور بالخصوص مشرقی پنجاب کی نظمیہ شاعری کے حوالے سے غلام رسول بٹ کا یہ مقالہ کافی اہم ہے۔ اس مقالے کو صرف الماریوں یا تھیسس سیکشن تک محدود نہیں رکھا جانا چاہئے بلکہ اسے کتابی صورت میں شائع کر کے ملک و بیرون ملک لائبریریوں تک پہنچایا جانا چاہیے۔۔

☆ اردو کے سکھ شعراء ایک تجزیاتی مطالعہ

اردو زبان وادب کے فروغ میں تمام مذاہب کے لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ سکھ مذہب کے لوگوں نے بھی اردو کے تئیں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور آج بھی اس اردو زبان کی آبیاری میں مشغول ہیں۔ اگر چہ اب سکھوں کی نئی نسل اس زبان سے کم ہی واقف ہے اور اکا دکا سکھ ادیب و شاعر آج بھی دکھائی دے رہے ہیں مگر ماضی اور ماضی قریب میں ان کی تعداد کافی تھی۔ اردو کے سکھ ادیبوں کی خدمات کے اعتراف میں کسی بھی جامعہ میں کوئی تحقیقی مقالہ نہیں لکھوایا گیا تھا اور ان پر کام کرنا لازمی تھا۔ البتہ اس سلسلے میں پہل پنجاب یونیورسٹی کے اردو و فارسی شعبہ نے کی ہے۔ اتر پردیش سے تعلق رکھنے والے ریسرچ اسکالر ناشر نقوی نے اردو کے سکھ شعراء کو اپنا موضوع تحقیق بنایا اور ''اردو کے سکھ شعراء ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے پروفیسر محمد شکیل کی نگرانی میں ۱۹۹۳ء میں مقالہ مکمل کر کے جمع کرایا

تھا۔ناشرنقوی نے اپنے اس تحقیقی کام کو چارابواب میں تقسیم کیا۔ پہلے باب میں پنجاب اور اردو کے رشتے کے متعلق مختلف ماہرین اردو کی آراء پیش کیں اور محمود شیرانی کے نظریے سے متفق ہوکر اردو کی جائے پیدائش پنجاب کو بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''اردو پنجاب میں پیدا ہوئی ہے۔یہیں یہ جوان ہوئی اور یہیں کی بو باس لیکر پورے ہندوستان میں عام ہوئی ہے''

(ص۳۴۴)

پنجاب اور اردو ۱۰۰۰ء کے بعد کے حوالے سے سرسری گفتگو کرنے کے بعد اردو کے ارتقائی مدارج پر بھی بحث کی گئی ہے۔اس کے علاوہ سکھ مذہب اور اردو کی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''پندرھویں صدی عیسوی میں ہمیں بابا گرونانک ۱۴۶۹ء کی محترم شخصیت نظر آتی ہے۔جنہوں نے ہندوستان بالخصوص پنجاب میں جہاں ایک طرف انسانی سوچ کو''سکھ مت'' کے نئے دھارے سے جوڑا وہاں انہوں نے اردو کی تشکیل میں بھی نمایاں اور اہم کردار ادا کیا ہے''

(ص۳۴۷)

اردو کو پنجاب کی دین کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ناشرنقوی نے سردار گنڈا سنگھ مشرقی (اردو کا پہلا صاحب سکھ دیوان شاعر) سمیت کئی دوسرے سکھ شعراء کا ذکر کیا ہے۔اس مقالے کا دوسرا باب پنجاب اور اردو شاعری کے حوالے سے ہے۔اس باب میں ناشرنقوی نے پنجاب کی صوفیانہ شاعری پر بات کرتے ہوئے پنجاب کے چند صوفی شعراء کا ذکر بھی کیا ہے اور نمونہ کے طور پر ان کے اشعار بھی شامل کیے ہیں۔اس کے علاوہ جدید اردو شاعری اور پنجاب،اٹھارہویں،انیسویں اور بیسویں صدی میں پیدا ہونے والے چند سکھ شعراء کا تذکرۂ احوال بھی بیان کیا گیا ہے۔ترقی پسند تحریک کے زیر اثر پنجاب میں اردو شاعری اور تقسیم ملک کے بعد پنجاب میں اردو شاعری کے حوالے سے ناشرنقوی لکھتے ہیں کہ:۔

''ان شعراء نے ترقی پسند تحریک (آغاز ۱۹۳۶ء) کا اثر بھی قبول کیا اور وطن کی غلامی سے
وطن کی آزادی تک کو بھی محسوس کیا ہے۔اسی زمانے میں ملک اور پنجاب میں تقسیم در تقسیم کے
حلات بھی رونما ہوئے، چنانچہ اس زمانے کی شاعری پر اس کے اثرات مرتب ہونا فطری
بات ہے۔اس دور کے شعراء کی تعداد بائیس ۲۲ ہے۔جن کے کلام کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ان
بائیس میں سے بارہ ایسے ہیں جن کا زیرِ نظر مقالہ میں پہلی بار ذکر کیا گیا ہے۔''

(ص۳۶۱)

اس مقالے کا تیسرا باب اردو کے سکھ شعراء کے عنوان سے ہے۔ جسے ناشر نقوی نے مزید تین ضمنی ابواب قدیم دور، عبوری دور اور موجودہ دور میں منقسم کیا ہے۔اس باب میں سکھ شعراء کے علاوہ دوسرے شعراء کا ذکر بھی کیا ہے۔جن میں شیخ فریدالدین، بابا نامدیو اور کبیر داس شامل ہیں۔ان شعراء کو شامل کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے ناشر نقوی لکھتے ہیں کہ:۔

''سکھ مذہب میں ان تینوں ہی شعراء کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔اس لئے ان کا ذکر
ضروری سمجھا گیا''

(ص۳۶۴)

قدیم دور کے سکھ شعراء میں چار شاعروں کو شامل کیا گیا ہے۔ان میں بابا گرونانک، گرو ارجن دیو، گرو تیغ بہادر اور گرو گوبند سنگھ شامل ہیں۔عبوری دور میں جن تین شعراء کا ذکر کیا ان میں سردار بدھ سنگھ، سردار گنڈا سنگھ مشرقی اور سردار اودھم سنگھ شامل ہیں۔موجودہ دور کے سکھ شعراء میں موہن سنگھ دیوانہ، پورن سنگھ ہنر، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، پرتپپال سنگھ اور سردار پنچھی کو شامل کیا گیا ہے۔ناشر نقوی ان تینوں ادوار کے شعراء کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''اس مقالے میں تین ہی ادوار کے شعراء کی حیات و ادبی خدمات کو مسلسل رکھا گیا ہے تا کہ
عہد بہ عہد شاعری کا مزاج ہمارے سامنے رہے۔سبھی شعراء کو ان کی تاریخ ولادت کی رُو
سے ترتیب میں رکھا گیا ہے''۔

(ص۱۱۰)

اس مقالے کا چوتھا باب نہایت ہی اہم باب ہے۔اس باب میں ناشر نے ۶۲ سکھ شعراء کی مختصر سوانح کے ساتھ ان کی شعری خدمات کا جائزہ بھی لیا ہے۔اس میں بابا گرونانک (پیدائش ۱۴۶۹ء) سے لیکر سریندر سنگھ (پیدائش ۱۹۳۸ء) تک کے تقریباً تمام سکھ شعراء کو جن کے حالات و کلام دستیاب تھا کو تاریخِ ولادت کی رو سے ترتیب وار شامل کیا ہے۔ان شعراء کے علاوہ بھی ناشر نے ۱۲۲ ایسے شعراء کو شامل باب کیا ہے جن کا مواد حاصل نہیں ہوسکا تھا۔ان کے نام حروفِ تہجی کے اعتبار سے شامل کیے ہیں اور بطورِ نمونہ ان کے دو دو اشعار بھی رقم کیے ہیں۔اس طرح کل ملا کر اس مقالے میں ۸۵ سکھ شعراء کا تذکرہ ہے۔یہ اس مقالے کا سب سے ضخیم باب ہے جو تقریباً ۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس باب سے متعلق ناشر نقوی لکھتے ہیں کہ:

''اس مقالے میں ۸۵ سکھ شاعر شامل کیے گئے ہیں۔ان میں سے ۶۲ شعراء ایسے ہیں جن کا عمیق مطالعہ کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور ان کی شاعری کا غیر سکھ ہم عصر شعراء کی شعر کی روشنی میں تجزیہ بھی کی گیا ہے''

(ص۳۶۱)

اس مقالے کا پانچواں اور آخری باب حاصل مطالعہ ہے۔اس باب میں شامل مقالہ ابواب کی الگ الگ تفصیل بیان کی گئی ہے۔اس میں ناشر نے اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کیا ہے اور تحقیق کے پہلو بھی واضح کیے ہیں۔اسی باب میں اردو کے سکھ شعراء کے متعلق اہل اردو کے لئے چند تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔یہ مقالہ اردو شاعری بالخصوص پنجاب کی اردو شاعری اور سکھ شعراء کے حوالے سے کافی اہم ہے۔یہ مقالہ کتابی صورت میں ''اردو پنجاب اور سکھ شعراء'' کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے۔اس سے قبل اردو کے سکھ قلمکاروں پر ڈاکٹر امام نقوی کی کتاب ''اردو ادب میں سکھوں کا حصہ'' کے عنوان سے ۱۹۷۴ء میں منظر عام پر آ چکی تھی لیکن اس میں صرف ۱۳۷ اردو شعراء کا ذکر گیا ہے۔

نثر کے حوالے سے لکھے گئے اہم مقالات:

مشرقی پنجاب کی جامعات کے شعبہ اردو نے نثر کی مختلف اصناف کو موضوع بنا کر ان پر تحقیقی مقالے قلمبند کرائے

ہیں۔ان جامعات میں اردو کی سب سے پرانی ،طویل اور مشہور صنف داستان پر کوئی کام نہیں کیا گیا ہے۔البتہ ناول،افسانہ،مختصر افسانہ اور افسانچہ کے علاوہ نثر لکھنے والی اہم شخصیات کو بھی موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔ان جامعات میں ہوئے تحقیقی کاموں کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہ ے کہ ان میں تخلیق کردہ اکثر و بیشتر مقالے اہم اور منفرد ہیں۔ان تمام مقالات کو اپنے مقالے میں شامل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔البتہ نثر کے حوالے سے لکھے گئے مقالات میں سے پانچ کا انتخاب کیا ہے۔ان منتخبہ مقالات کا اختصار کے ساتھ تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا۔منتخبہ مقالات ذیل میں دیے گئے ہیں

۱۔عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری

۲۔پنجاب کی خواتین افسانہ نگار: تفہیم و تجزیہ

۳۔پنجاب میں اردو ڈرامے کی روایت: ایک تجزیاتی مطالعہ

۴۔اردو میں سکھ نثر نگاروں کی ادبی خدمات

۵۔پنجاب میں اردو افسانہ ۱۹۵۰ء کے بعد

☆**عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری:** ۱۸۶۰ء میں پیدا ہونے والے عبدالحلیم شررؔ اردو کے ایک بلند پایہ ادیب، ناقد،صحافی اور مترجم تھے۔عبدالحلیم شرر اردو ناول نگاری کے بانیوں میں سے ایک تھے۔اردو میں تاریخی ناول نگاری کی بنیاد بھی شررؔ نے ہی ڈالی تھی اور تاریخی ناول نگاری میں شہرت بھی پائی تھی۔شررؔ نے تاریخی ناولوں کے علاوہ اصلاحی و معاشرتی ناول بھی لکھے ہیں۔جنہیں ہم شررؔ کی غیر تاریخی ناول نگاری بھی کہہ سکتے ہیں۔ڈاکٹر محمد جمیل اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''عبدالحلیم شرر بنیادی طور پر تاریخی ناول نگار تھے۔ان کا نام آتے ہی ذہن تاریخی ناول نگاری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔لیکن انہوں نے متعدد معاشرتی ناول بھی لکھے ہیں''

(عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری،ص۱۳۴)

عبدالحلیم شرر اردو میں تاریخی ناول نگاری کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے مگر انہوں نے غیر تاریخی ناول بھی کافی اہم اور

بلند پایہ لکھے ہیں۔ان کی غیر تاریخی ناول نگاری کو موضوع بنا کر ڈاکٹر محمد جمیل نے ۱۹۹۰ء میں ڈاکٹر امرونت سنگھ کی نگرانی میں مقالہ قلمبند کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔ڈاکٹر محمد جمیل نے اپنے مقالے بعنوان ''عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری'' کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔اس مقالے کے باب اول میں شرر کا تعارف پیش کیا ہے جس میں ڈاکٹر محمد جمیل نے شرر کی زندگی کے متعلق تمام احوال یعنی خاندان، پیدائش، تعلیم، ملازمت، شادی، اولاد اور وفات کے علاوہ ان کی خدمات کا تعارف بھی اختصار کے ساتھ دیا ہے۔اس مقالے کا دوسرا باب ادبی ماحول کے عنوان سے ہے۔اس باب میں موصوف نے اردو ناول کا تعارف اس کا آغاز وارتقاء، ناول کی اقسام اور شرر کے معاصرین کے حالات وخدمات اختصار کے ساتھ رقم کیے ہیں۔ڈاکٹر محمد جمیل شرر کے رفقاء ومعاصرین کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''شرر کے ادبی حلقہ احباب میں ہر مذہب وملت کے لوگ شامل تھے۔ان سب میں ان کی شخصیت باغ و بہار کی سی تھی۔ان کے احباب میں ڈپٹی نذیر احمد، آزاد، منشی سجاد حسین ، پنڈت رتن ناتھ سرشار وغیرہ تھے''

(عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری، ص۱۲۲۔۱۲۳)

ڈاکٹر محمد جمیل نے اپنی تحقیق مین عبدالحلیم کے ناولوں کی مجموعی تعداد ۳۴ بتائی ہے اور فہرست بھی مع سن اشاعت شامل کی گئی ہے، لکھتے ہیں کہ:۔

> ''دورانِ تحقیق یہ بات منظر عام پر آئی ہے کہ شرر کے ناولوں کی مجموعی تعداد چونتیس ہے''

(عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری، ص۶۰)

اس مقالے کا تیسرا باب ناولوں کا موضوعاتی مطالعہ کے عنوان سے ہے۔اس باب میں ڈاکٹر موصوف نے شرر کے غیر تاریخی ناولوں کو شرر کے ناولون کی مجموعی فہرست سے الگ کیا اور ان کی تعداد دس بتائی ہے۔''شرر کے ان تمام غیر تاریخی ناولوں کی تعداد دس ہے'' ص۱۳۴۔ان تمام ناولوں کے موضوعات پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے یعنی نوابوں کی عیاشی، دلہن کو بغیر دیکھے کی شادی، عورتوں کی توہم پرستی، معاشرے میں غلط رسومات وغیرہ۔اس کے علاوہ تمام غیر تاریخی ناولوں کے خلاصے، ناولوں میں لکھنؤی تہذیب اور نسوانی کرداروں پر بھی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔اس مقالے کا چوتھا اور

آخری باب 'ناولوں کے فنی مطالعہ' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں شرر کے ناولوں کے پلاٹ،کردار نگاری مکالمہ نگاری،منظر نگاری اور زبان وبیان کے متعلق سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ڈاکٹر محمد جمیل نے ناولوں کے ان اجزاء اور خصوصیات پر روشنی ڈالنے سے قبل مختلف ناقدین کی آراء بھی پیش کی گئی اور شرؔر کے ناولوں سے کچھ اقتباس بھی بطور نمونہ شامل کیے ہیں۔اس مقالے کے آخر میں اختتامیہ ہے،جس میں اس مقالے کی تلخیص کے علاوہ اس تحقیقی کام کا نچوڑ بھی پیش کیا ہے۔

المختصر ڈاکٹر محمد جمیل کا یہ تحقیقی کام اردو ناول اور عبدالحلیم شرر کے حوالے سے کافی اہم ہے۔امید ہے کہ انہوں نے اس کام کو کتابی شکل میں شائع کر کے ملکی وغیر ملکی لائبریریوں اور کتب خانوں تک پہنچایا ہوگا۔اگر اس کام کو شائع نہیں کیا گیا ہے تو ان سے میری درخواست ہے کہ اس کام کو نظر ثانی کر کے شائع کر دیا جائے تا کہ اردو ناول اور شرر کے متعلق کام کرنے والے آپ کے اس کام سے فیض یاب ہوسکیں۔

☆ پنجاب کی خواتین افسانہ نگار: تفہیم و تجزیہ۔

افسانہ اردو کی نثری اصناف میں ایک اہم صنف ہے جو طوالت کے اعتبار سے داستان اور ناول کے ایک باب سے بھی کم ہوتی ہے۔ناول زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے جبکہ افسانے میں زندگی کے کسی ایک پہلو کو موضوع بنایا جاتا ہے۔افسانہ صرف ایک ہی نشست میں پڑھا جاسکتا ہے یعنی افسانے کے پڑھنے کے لیے گھنٹوں درکار نہیں ہیں بلکہ صرف چند منٹوں میں بھی اسے پڑھا جاسکتا ہے۔یہ دراصل ایک ایسا قصہ ہے جس میں زندگی کے کسی ایک اہم پہلو یا واقعہ کو مختصر اور دلچسپ انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔اسے تحریر کرتے وقت اجزائے ترکیبی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔اردو افسانہ بیسویں صدی کے اوائل میں اردو کی ایک نئی صنف کے طور پر ابھر کر وجود میں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ صنف ترقی کی تمام بلندیوں کو بڑی تیز رفتاری کے ساتھ عبور کرتے ہوئے اکیسویں صدی میں داخل ہوگئی جیسے اردو شاعری میں غزل مقبول صنف ہے اسی طرح اردو نثر میں افسانہ کافی مقبول ہے۔اردو افسانے لاتعداد لکھے بھی گئے اور عصرِ حاضر میں لکھے جارہے ہیں۔افسانے پر تحقیقی کام جامعاتی سطح پر بھی کافی ہوا ہے اور جامعات سے باہر بھی۔اردو افسانہ نگاری میں پنجاب کے افسانہ نگاروں کا بھی اہم رول رہا ہے اور اب بھی ہے۔پنجاب کے ان افسانہ نگاروں میں

مرد وخواتین دونوں شامل ہیں۔مشرقی پنجاب کی جامعات میں افسانہ نگاری کے حوالے سے تو کام ہوا تھا اور انفرادی طور پر چند افسانہ نگاروں کو بھی موضوعِ تحقیق بنایا گیا ہے۔مگر پنجاب کی خواتین افسانہ نگاری کے حوالے سے یہ باب تشنہ تھا اور تحقیق طلب بھی۔لہذا اسی صورت کے پیشِ نظر کہکشاں فلک نے پروفیسر محمد جمیل کی نگرانی میں ''پنجاب کی خواتین افسانہ نگار: تفہیم وتجزیہ'' کے موضوع پر قلم اٹھایا اور چند سالوں کی محنت کے بعد ۲۰۱۶ء میں مقالہ جمع کروا کے ڈگری سے سرفراز ہوئیں۔

کہکشاں فلک نے اپنے اس تحقیقی کام کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلا باب اردو افسانہ اور پنجاب کے حوالے سے ہے جس میں موصوفہ نے اردو افسانے کے آغاز وارتقاء کے بعد اس کے فنی، تکنیکی اور تخلیقی نوعیت پر بھی بحث کی ہے ۔اسی باب میں پنجاب کے چند اہم افسانہ نگاروں کے مختصر حالات اور ان کے افسانوں کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے جن افسانہ نگاروں کو موصوف نے اس باب میں شامل کیا ہے ان میں سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی اور بلونت سنگھ ہیں ۔اس مقالے کا دوسرا باب پنجاب میں لکھے جانے والے افسانوں کے موضوعات کے حوالے سے ہے۔اس میں موصوفہ نے پنجاب کے جو جغرافیائی، سیاسی اور سماجی حالات تھے اول تو ان پر مختصر سی بحث کی ہے اور پھر موضوعات کو کلچر، تقسیم، وطن اور تلاشِ مکان و پہچان کے عنوانات دے کر پہلے ان کی تعریف کی پھر اس خطے میں لکھے جانے والے افسانوں میں سے اس نوعیت کے افسانوں کو تلاش کر کے ان پر تجزیہ بھی کیا ہے۔مقالے کا تیسرا باب پنجاب کے موضوع پر لکھے گئے اہم اردو افسانے جن میں عورت کو ہیرو کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔باب اول میں شامل کیے گئے اہم افسانہ نگاروں کے ہی نسوانی کردار کے حوالے سے لکھے گئے افسانوں میں سے ہر ایک کا ایک ایک شاہکار افسانہ لیا ہے اور اس پر تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ان افسانوں میں کرشن چندر کا 'تائی اسیر'، احمد ندیم قاسمی کا (وحشی)، راجندر سنگھ بیدی کا (اپنے دکھ مجھے دے دو)، بلونت سنگھ کا افسانہ (سزا) اور سعادت حسن منٹو کا (کھول دو) ۔میرے خیال میں اگر کہکشاں فلک اس باب میں مرد افسانہ نگاروں کے افسانوں کے بجائے خواتین افسانی نگاروں کے افسانے شامل کرتیں تو زیادہ بہتر ہوتا یا مردوں کے ساتھ خواتین کے افسانے بھی شامل کر لیتی تو زیادہ اچھا تھا۔اس مقالے کا چوتھا باب جو کافی اہم ہے۔اس باب میں متحدہ پنجاب سے تعلق رکھنے والی دس خواتین افسانہ نگاروں کو کہکشاں

فلک نے شامل کیا ہے۔ان خواتین افسانہ نگاروں میں حجاب امتیاز علی، صالحہ عابد حسین، ممتاز شیریں، خدیجہ مستور، بانو قدسیہ، ہاجرہ مسرور، فرخندہ لودھی، بشریٰ رحمٰن، ڈاکٹر رینو بہل اور بشریٰ اعجاز کے مختصر سوانح قلمبند کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تصانیف پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔مقالے کا پانچواں اور آخری باب خواتین افسانہ نگاروں کے اہم افسانون کا تنقیدی مطالعہ کے عنوان سے ہے۔ چوتھے باب میں شامل تمام خواتین افسانہ نگاروں کے ایک ایک اہم اور شاہکار افسانے کو شامل کر کے ان کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

کہکشاں فلک کا یہ تحقیقی مقالہ پنجاب کی خواتین افسانہ نگاروں کے حوالے سے کافی اہم ہے۔اس مقالے میں اردو کی کل ۳۲۸ خواتین کا افسانی نگاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔جن میں سے ۱۴۱ کا تعلق متحدہ پنجاب سے ہے اور ان میں سے صرف دس کا انتخاب کر کے ان کی حیات وتخلیقات پر روشنی ڈالی ہے۔امید ہے کی یہ تحقیقی مقالہ موصوفہ نے کتابی شکل میں شائع کرایا ہوگا۔اگر ابھی تک غیر مطبوعہ ہے تو انہیں چاہیے کہ اسے زیورِطباعت سے آراستہ کرا کر ملک کی مختلف لائبریریوں اور کتب خانوں میں بھیج دیں تا کہ ان کی تحقیق رائیگاں و بے سود نہ رہ جائے۔اگر شائع نہ ہوا تو گرد میں اٹا پڑا یہ صرف تھیس سیکشن تک ہی محدود رہ جائے گا۔

☆ پنجاب میں اردو ڈرامہ کی روایت: ایک تجزیاتی مطالعہ

اردو میں ڈرامہ نگاری کی ابتداء لکھنؤ سے ہوئی تھی اور لکھنؤ میں ہی ڈرامے اسٹیج پر پیش بھی کیے گئے تھے۔واجد علی شاہ کا افسانہ 'عشق' (رادھا اور کنھیا کے عشق پر مبنی) کو اردو کا پہلا ڈرامہ تسلیم کیا گیا ہے۔درباری ڈرامہ ہونے کی وجہ سے اسے عوامی مقبولیت حاصل نہ ہوسکی تھی۔اس کے برعکس اسی زمانے میں امانت لکھنؤی کے لکھے گئے ڈرامے اندر سبھا کو کافی مقبولیت ملی۔اس کے قبولِ عام ہونے کی وجہ اس کا عوامی ہونا تھا۔اس کے بعد طالب بنارسی، احسن لکھنوی اور بیتاب بنارسی نے ڈرامہ نگاری کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں چند اہم اضافوں کے ساتھ تبدیلیاں بھی کی ہیں۔اس سے قبل ڈرامے نظم میں لکھے جاتے تھے۔ان ڈرامہ نگاروں نے اپنے ڈراموں میں نثری مکالموں کو جگہ دینے کے علاوہ اردو گیتوں کو بھی شامل کیا ہے۔اس کے بعد سید امتیاز علی تاج، سید عابد حسین اور پروفیسر مجیب وغیرہ ڈرامہ نگاروں نے ڈرامے کی روایت کو مستحکم کیا تھا۔اسٹیج ڈرامے کے علاوہ ادبی ڈرامے بھی لکھے گئے نشریاتی سہولتوں کے

باعث نشریاتی ڈراموں کا آغاز ہوا اس سلسلے میں کرشن چندر، منٹو، خواجہ احمد عباس، بیدی، عصمت چغتائی، ڈاکٹر محمد حسن کے نام اہم ہیں۔ادب کی دیگر اصناف کی طرح اردو ڈرامے کو بھی پنجاب میں کافی فروغ حاصل ہوا اور پنجاب کے مشہور ڈرامہ نگاروں میں راجندر سنگھ بیدی، پرتھوی راج کپور، بلراج سینی آغا حشر کاشمیری، امتیاز علی تاج اور راج کپور وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

اردو ڈرامے کے متعلق ہندوستان اور پاکستان کی جامعات میں تحقیقی مقالے لکھے گئے تھے مگر پنجاب میں اردو ڈرامے کے متعلق کہیں کوئی تحقیقی کام سرانجام نہیں دیا گیا تھا۔اس صنف اور علاقے کی اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے مشرقی پنجاب کے شہر مالیر کوٹلہ سے تعلق رکھنے والے ایک ریسرچ اسکالر انعام الرحمٰن نے ''پنجاب میں اردو ڈرامہ کی روایت ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے ڈاکٹر ناشر نقوی کی نگرانی میں ۲۰۱۳ء میں مقالہ مکمل کیا تھا۔

ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے اپنے مقالے کو پیشِ لفظ، حاصل مطالعہ اور کتابیات کے علاوہ چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب ڈراما اور اردو ڈراما ہے جس میں ڈراما کی تعریف، آغاز وارتقاء، اجزائے ترکیبی اور موضوعاتی مطالعہ کے متعلق سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔اردو ڈرامے کی ابتداء کب ہوئی اور پہلا ڈرامہ کون سا ہے دوسرے محققین کی طرح ڈاکٹر انعام الرحمٰن بھی اس میں کامیاب نہیں ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اردو کے پہلے ڈرامے کے بارے میں بھی کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔آج تک جتنی بھی تحقیق ہوئی ان میں قیاس آرائیوں کے سوا کوئی بات کھل کر سامنے نہیں آئی، کسی نے اندر سبھا کو اردو کا پہلا ڈرامہ کہا اور کسی نے شکنتلا ناٹک کو۔''

(ص ۸۷)

دوسرا باب پنجاب میں اردو ڈراما کے عنوان سے ہے۔اس میں پنجاب کا ذکر کرتے ہوئے اس کے قدیم ناموں کی بھی نشاندہی کی ہے۔پنجاب میں ڈراما اور تفریح جس میں رام لیلا، نوٹنکی، بھانڈ، نقل، سوانگ وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔پنجاب کے بڑے اور اہم مراکز جہاں ڈراما اور اسٹیج ڈراما کھیلے جاتے تھے ان میں لاہور، راولپنڈی۔پشاور، امرتسر، جالندھر اور پٹیالہ وغیرہ کے نام کافی اہم ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے یہاں کے ڈراموں پر روشنی ڈالی گئی

ہے۔اس خطے میں یکبابی ڈراموں کا آغاز، ان کا دوراور اردو ڈراموں کی اہمیت پر بھی گفتگو کی ہے۔تیسرے باب اردو ڈرامے میں پنجابیت کے عنوان سے ہے۔اس میں پنجاب کے نمائندہ ڈراما نگاروں کو شامل کر کے ان کے ڈراموں کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ان میں آغا حشر کاشمیری، امتیاز علی تاج، پطرس بخاری، اوپندر ناتھ اشک، سعادت حسن منٹو، صالحہ عابد حسین، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس ،احمد ندیم قاسمی، فکر تونسوی اور کنھیا لال کپور وغیرہ شامل ہیں۔ پنجاب کے ڈراموں میں پنجابیت، تقسیم، وطن سے پہلے پنجاب کا ڈراما اور جو تقسیم وطن کا اثر پنجاب کے ڈراموں پر ہوا ان کا نقشہ کچھ یوں ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے کھینچا ہے:۔

''تقسیم وطن نے ڈرامے کا تمام شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا تقسیم وطن کے اثرات کچھ کم ہوئے تو مشرقی و مغربی ڈراما نگاروں کی ہجرت نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا۔راولپنڈی میں پھر سے ڈرامے کو زندہ کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔لاہور پھر سے ڈرامے کا مرکز ابھر کر سامنے آنے لگا۔مشرقی پنجاب کے تھیٹر کی پھر سے ابتداء وارتقاء کے فرائض امرتسر ،جالندھر اور پٹیالہ میں انجام دیے''

(ص ۲۳۸)

چوتھا باب تقسیم وطن کے بعد پنجاب میں اردو ڈرامہ ہے اس کو دو ضمنی ابواب میں تقسیم کیا ہے۔آزادی سے قبل جو پنجاب کا نقشہ تھا اس میں نشیب وفراز آئے اور متحدہ پنجاب مشرقی و مغربی پنجاب کے نام سے موسوم ہو چکے تھے۔اس لئے مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کے ڈراموں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔مشرقی پنجاب کے ڈرامہ نگاروں میں جن اہم ناموں کا ذکر انعام الرحمٰن نے کیا ہے۔ان میں اوپندر ناتھ اشک، ڈاکٹر نریش ناز بھارتی، اسلم حبیب اور ڈاکٹر محمد رفیع شامل ہیں۔ پانچواں باب پنجاب کے نامور اردو ڈراما نگار کے عنوان سے ہے۔اس باب میں سات ڈرامہ نگاروں کو ان کے بہترین ڈرامے کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ان ڈرامہ نگاروں میں امتیاز علی تاج، اوپندر ناتھ اشک، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، کرتار سنگھ دگل اور محمد رفیع شامل ہیں۔

چھٹا باب پنجاب میں اردو ڈراموں کی موجودہ صورتحال کے عنوان سے ہے۔اسٹیج ڈراما، ریڈیو ڈراما، ٹی وی

ڈراما، اردو تھیٹر اور اردو ڈرامے کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ پنجاب میں اردو کے مستقبل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''پنجاب میں اردو کا مستقبل محفوظ نہیں ہے اس کی بنیادی وجہ پنجاب میں اردو رسم الخط کا فقدان ہے''

(ص ۴۷۶)

ڈاکٹر انعام الرحمٰن کا یہ مقالہ ڈراما اور پنجاب میں اردو ڈرامہ نگاری کے حوالے سے اہم ہے اور یہ مقالہ کتابی شکل میں چھپ کر بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ آخر میں حاصل مطالعہ ہے جس میں تمام تحقیقی کام کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔

☆ اردو میں سکھ نثر نگاروں کی ادبی خدمات

اردو زبان میں بلاتفریق مذہب وملت قلمکاروں نے اپنی خدمات انجام دیں ہیں۔ کیونکہ اردو صرف ایک زبان ہی نہیں ہے بلکہ ایک تہذیب ہے اور اس تہذیب نے برصغیر میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو متاثر کیا ہے۔ اس زبان کے فروغ میں ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں بدھ، پارسیوں اور سکھوں وغیرہ تمام مذاہب کے قلمکاروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ کچھ لوگ جو اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان قرار دیتے تھے ان کو غلط ثابت کرنے میں ان قلمکاروں کا اہم رول رہا ہے۔ اردو میں غیر مسلم قلمکاروں کی تعداد کا شمار نہیں ہے۔ ان غیر مسلم قلمکاروں نے نثر ونظم کے علاوہ تحقیق وتنقید کے میدان میں بھی کافی نمایاں کام انجام دیے ہیں۔ غیر مسلم قلمکاروں پر انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور بھی کافی تحقیقی کام ہوئے ہیں۔ لیکن اردو کے سکھ نثر نگاروں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اس سلسلے میں کشمیر سے تعلق رکھنے والے ریسرچ اسکالر محمد امین نجار نے ''اردو میں سکھ نثر نگاروں کی ادبی خدمات: ایک مطالعہ'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد جمیل کی نگرانی میں شعبہ فارسی اردو وعربی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے ۲۰۱۸ء میں ڈگری حاصل کی تھی۔

محمد امین نجار نے اپنے اس تحقیقی مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اس مقالے کا پہلا باب پنجاب میں اردو نثر نگاری کی روایت کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں اردو نثر نگاری پر مختصر مگر جامع گفتگو کی گئی ہے۔ محمد امین نجار محمود غزنوی کے دور کو اس خطے میں اردو کے آغاز کا دور بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''محمود غزنوی کے زمانے میں پنجاب میں اردو کی شمع روشن ہوئی۔غزنوی دور سے لیکر تا حال پنجاب میں اردو کی علمی وادبی سرگرمیاں جاری وساری ہیں''

(ص ۱۰)

اس مقالے کے دوسرے باب میں اردو کے سکھ مضمون نگار، ڈرامہ نگار اور مزاح نگاروں کو شامل کیا گیا ہے۔مضمون نگاروں میں ستنام سنگھ خمار کو، مزاح نگار میں دلیپ سنگھ کو اور ڈراما نگاری میں کرتار سنگھ دگل اور راجندر سنگھ بیدی کو لیا ہے۔اردو میں مضمون، ڈراما اور مزاح کی تعریف کے بعد ان قلمکاروں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔میرے خیال میں اتنی تفصیل اور گہرائی میں جانے کے بجائے ان اصناف کے دیگر قلمکاروں کو بھی تلاش و تحقیق کے بعد شامل کیا جا سکتا تھا۔یہ قلمکار تو تھے ہی نامور اور کسی تعارف کے محتاج بھی نہیں تھے۔اس مقالے کے تیسرے باب اردو کے سکھ کالم نویس شامل کیے ہیں جن میں موہن سنگھ دیوانہ، سردار پنچھی اور دیوان سنگھ مفتون کے نام ہیں۔ان کالم نویسوں کے مختصر تعارف کے ساتھ ان کی کالم نویسی پر تبصرہ بھی کیا ہے۔اس باب کے آغاز میں کالم نویسی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔مقالے کے چوتھے باب کا عنوان اردو کے سکھ فکشن نگار ہیں اس میں بطور ناول نگار بلونت سنگھ اور خشونت سنگھ کو شامل کیا ہے جبکہ بطور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی، پورن سنگھ ہنر، رتن سنگھ اور گربچن سنگھ کو شامل کیا گیا ہے۔ناول نگاری اور افسانہ نگاری کی تعریف اور آغاز وارتقاء پر راشنی ڈالنے کے بعد ان فکشن نگاروں کی سوانحی حالات اور فکشن نگاری پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔اس مقالے کا پانچواں اور آخری باب اردو کے سکھ افسانہ نگاروں کی اہم تصنیفات کے عنوان سے ہے۔اس باب میں محمد امین نے ۱۹ سکھ افسانہ نگاروں کا مختصر تعارف کرتے ہوئے ان کی تصنیفات کا ذکر بھی کیا ہے۔کچھ ایسے افسانہ نگار بھی شامل کیے ہیں جن کی کوئی کتاب شائع نہ ہوئی البتہ افسانے رسائل وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

اردو میں سکھوں کی خدمات کے حوالے سے اس خطے میں دو تحقیقی کام ہوئے ہیں۔ایک نثر کے حوالے سے دوسرا شاعری کے حوالے سے۔ڈاکٹر ناشر نقوی نے اردو کے سکھ شعراء کو موضوع بنایا جبکہ محمد امین نے سکھ نثر نگاروں کو۔محمد امین اگر اس مقالے کو کتابی شکل میں شائع کرانا چاہیں تو اس پر نظر ثانی کر لیں تو بہتر ہو سکتا ہے۔سکھوں کی اردو نثری خدمات کا کسی حد تک محمد امین نے حق ادا کر دیا ہے۔اپنے مقالے کے پیشِ لفظ میں محمد امین لکھتے ہیں کہ

''اردو کے سکھ شعراء وادباء کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اتنا وسیع ہے کہ ان کے ادبی کارناموں کو دو تحقیقی مقالوں میں سمویا نہیں جاسکتا۔ بلکہ اس کے لیے کئی مقالے درکار ہیں''

(ص ۶)

پنجاب میں اردو افسانہ ۱۹۵۰ء کے بعد

پنجاب نے اردو کی تمام اصناف کو پروان چڑھایا ہے۔ جب ہم آزادی سے قبل پنجاب کے اردو ادب کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو متحدہ پنجاب کا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔لیکن آزادی اور تقسیم ہند کے بعد کے حوالے سے صرف ہندوستانی پنجاب کا تصور اور ذکر ہی کرتے ہیں۔اس کی وجہ تقسیم کے بعد کھینچی گئی سرحد ہے۔ان دونوں خطوں کی زبان اور کلچر میں تھوڑا سا فرق ہے جو صرف اور صرف تقسیم کے باعث ہوا ہے۔اس خطے میں اردو کی مختلف اصناف کو عروج بخشنے والے ادیبوں اور شاعروں نے جنم لیا ہے۔اردو کی ان مختلف اصناف کی طرح صنفِ افسانے کو بھی اس خطے سے کافی اہم اور نامور افسانہ نگار میسر آئے ہیں۔اس صنف کے حوالے سے انفرادی،اجتماعی،ادوار اور علاقائی طور پر ہندوستان و پاکستان کی جامعات میں کافی تحقیقی کام ہوئے ہیں۔افسانے کو اپنا موضوع تحقیق بنا کر شعبہ اردو گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر کے ایک ریسرچ اسکالر محمد قدیر نے ''پنجاب میں اردو افسانہ ۱۹۵۰ء کے بعد ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے ڈاکٹر عزیز عباس کی نگرانی میں مقالہ مکمل کر کے ڈگری حاصل کی ہے۔

محمد قدیر نے اپنے اس مقالے کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب مختصر افسانہ مفہوم، تخلیقی نوعیت اور فنی عناصر کے عنوان سے ہے۔اس باب میں مختصر افسانے کی تعریفیں جو مختلف مغربی و مشرقی ماہرین نے کی ہیں ان کو شامل کیا گیا ہے۔افسانے کی تکنیک ،موضوعات، پلاٹ، کردار نگاری وحدت تاثر اور اسلوب وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔محمد قدیر تخلیق کار اور تخلیقات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:۔

''مختصر افسانے کے فن پر جتنی بھی کتابیں جمع کرلیں،حقیقت یہ ہے کہ ہر صنف ادب کی آبرو اس کے بڑے تخلیق کار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔۔۔۔ناقدین کے لئے بھی سامان بصیرت اعلیٰ تخلیقات ہی فریم کرتی ہیں''

(ص،۳۵)

اسی باب میں مختصر افسانے کے آغاز وارتقاء پر بھی محمد قدیر نے مدلل بحث کی ہےاور موجودہ دور کے پنجاب سے تعلق رکھنے والے چند افسانہ نگاروں کا بھی ذکر کیا ہے۔اس مقالے کا دوسرا باب پنجاب اور اردو افسانہ ہے۔اس میں پہلے لفظ پنجاب کی وضاحت کی ہے اس کے بعد مقالہ نگار نے اس کا جغرافیائی پس منظر،تاریخی پس منظر،پنجاب اور اردو زبان، پنجاب کا کلچر اور لوک ادب پر بات کرتے ہوئے پنجاب میں اردو کا آغاز اور پھر اردو افسانے کے حوالے سے سرسری ذکر کیا ہے۔میرے خیال سے یہ باب خوام خواہ اس مقالے میں شامل کیا گیا ہے۔ہونا یہ چاہئے تھا کہ اس باب میں پنجاب کا سرسری ذکر ہوتا اور افسانے کا تفصیلی مگر ایسا نہیں ہے ۔تقریباً ۴۰ صفحات پر مشتمل اس باب میں صرف ایک اقتباس میں افسانے کا ذکر ہے۔اس مقالے کا تیسرا باب ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ ہے۔اس میں پہلے لفظ تحریک کے لفظی اور اصطلاحی معنی کے متعلق گفتگو کی گئی ہے پھر ترقی پسند تحریک کا پس منظر اور اس کے متعلق لکھنے والوں اور لکھے گئے افسانوں کے موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔متحدہ پنجاب کے افسانہ نگار جنھوں نے اس تحریک کے اثرات قبول کیے اور اس کے زیر اثر افسانے بھی لکھے مقالہ نگار نے اس زمرے میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی ،سعادت حسن منٹو، اوپندر ناتھ اشک، بلونت سنگھ اور احمد ندیم قاسمی کو شامل کر کے ان کی مختصر سوانح کے بعد افسانہ نگاری کا تجزیہ کیا گیا ہے۔اس مقالے کا چوتھا باب پنجاب کے چند نمائندہ افسانہ نگار ۱۹۵۰ء کے بعد کے عنوان سے ہے۔اس باب میں پہلے تقسیم کے بعد پنجاب کے حالات اور اس دور میں تخلیق کئے گئے افسانوں کے موضوعات پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔ پھر مقالہ نگار نے پنجاب کے نمائندہ افسانہ نگاروں کی حیات و افسانہ نگاری پر اختصار کے ساتھ کام لیا ہے۔ان نمائندہ افسانہ نگاروں میں جوگندر پال ،رتن سنگھ ،کشمیری لال ذاکر،شرون کمار ورما، داکٹر کیول دھیر ،محمد بشیر مالیر کوٹلوی اور ڈاکٹر رینو بہل کا تفصیلی ذکر ہے۔مگر مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگاروں کا صرف نام، سن اور جائے پیدائش ،فوت شدہ افسانہ نگاروں کی سن وفات اور افسانوی مجموعوں کا ہی ذکر کیا ہے۔مغربی پنجاب سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگاروں میں احمد داؤد، اشفاق احمد، انتظار حسین، انور سجاد، جمیلہ ہاشمی ،ممتاز مفتی اور منشا یاد وغیرہ شامل کیے گئے ہیں۔

محمد قدیر نے مقالے کے پانچویں باب میں ان ہی نمائندہ افسانہ نگاروں کے افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔جن افسانہ نگاروں کے افسانوں کا تجزیہ کیا گیا ہے ان کے نام ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔مہاجر (جوگندر پال)، کاٹھ کا گھوڑا،رگِ سنگ (رتن سنگھ)،دوسرا مرد،ڈریم لینڈ (کشمیری لال ذاکر)،دوسری عورت ،جاگتے رہو(شرون کمار ورما)،بدچلن،دہشت(کیول دھیر)،ناممکن،جیون داتا(محمد بشیر مالیرکوٹلوی)اور شراب،اعتراف،چٹکی بھر سندور (رینو بہل)۔اس مقالے کا آخری باب حاصل مطالعہ ہے۔

موضوع تحقیق کافی حد تک اچھا ہے اور کام بھی اچھا کیا گیا ہے۔مگر میرے خیال سے اس صنف یعنی افسانے پر پنجاب کے حوالے سے کافی کام ہو چکا ہے اب جامعات کو چاہئے کہ دوسری اصناف پر بھی کام کرایا جائے۔افسانہ نگاری کے حوالے سے جتنے بھی تحقیقی کام ان جامعات میں ہوئے ہیں سبھی میری نظروں سے گزرے ہیں۔ان کاموں میں تکرار بہت ہے چاہے وہ کسی شخصیت پر ہو یا پوری صنف پر۔

شخصیات کے حوالے سے

مشرقی پنجاب کی جامعات میں سندی تحقیق کے لئے اردو کی اصناف ادب کے ساتھ ساتھ ادبی شخصیات کو بھی موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔ان جامعات میں شخصیات کے حوالے سے ہوئے کل تحقیقی کام میں اکثریت فوت شدہ اشخاص کی ہے۔کیونکہ یہ تحقیق کا ایک اصول بھی ہے کہ زندہ اشخاص پر تحقیق نہیں کروائی جانی چاہئیے۔یوں تو ان جامعات میں پنجاب اور پنجاب سے باہر کی ادبی شخصیات کو بھی موضوعِ تحقیق بنایا گیا ہے۔مگر میں نے صرف پنجاب سے تعلق رکھنے والی چار شخصیات کو ہی منتخب کیا ہے۔ان منتخبہ موضوعات کی فہرست ذیل میں ہے۔

۱۔گوپال متل کی ادبی خدمات:تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ

۲۔پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی:فن اور شخصیت

۳۔سردار پورن سنگھ ہنر حیات و ادبی خدمات

☆ گوپال متل کی ادبی خدمات:تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ

گوپال متل کا شمار پنجاب کے اہم قلمکاروں میں ہوتا ہے۔ادب میں ان کا میدان تنقید،شاعری اور صحافت

تھا۔ان کی پیدائش ۶ جون ۱۹۰۶ءکو پنجاب کے ایک شہر مالیر کوٹلہ میں ہوئی تھی۔ابتدائی تعلیم مالیر کوٹلہ سے حاصل کرنے کے بعدانبالہ سے گریجویشن کی ڈگری مکمل کی تھی۔اپنی صحافتی زندگی کا آغاز لدھیانہ سے نکلنے والے اخبار ’صبح امید‘میں ملازمت سے کی تھی۔اس کے بعد لاہور کا رخ کیا اور ایک شاہکار اخبار جو مولانا تاجور نجیب آبادی نکالتے تھے میں ملازمت اختیار کی،تقسیم وطن کے بعدواپس ہندوستان لوٹ آئے اور دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔اردوزبان وادب اورصحافتی خدمات انجام دیتے ہوئے ۸۷ برس کی عمر میں ۱۹۹۳ء میں وفات پائی۔گوپال متل پر مشرقی پنجاب کی جامعات میں کوئی تحقیقی مقالہ قلمبندنہیں کیا گیا تھا۔ہاں مگر پنجاب سے باہران پر مقالات لکھے جاچکے تھے مگر بقول نازنین’’یہ تمام مقالات ان کی زندگی اورفن کا مکمل احاطہ نہیں کرتے۔‘‘نازنین نے’’گوپال متل کی ادبی خدمات کا تنقیدی اورتجزیاتی مطالعہ‘‘کےعنوان سے مقالہ ڈاکٹر محمد جمیل کی نگرانی میں ۲۰۰۹ میں مکمل کیا تھا۔

نازنین نے اپنے اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔پہلا باب تعارف کےعنوان سے ہے جس میں گوپال متل کی حالاتِ زندگی،شخصیت اورادبی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔دوسراباب گوپال متل کی صحافتی زندگی کے متعلق ہے۔جس میں نازنین نے ان کی صحافتی زندگی کواختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔جب گوپال متل صحافت کواپنایااس وقت صحافت کوئی آسان کام نہیں تھا۔اس حوالے سے نازنین لکھتی ہیں کہ:۔

> ’’متل نے صحافت جیسے پیشےکواختیار کرنے کی ٹھان لی تھی جو ذمہ داری کا پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ مشکل بھی تھا۔انگریزوں کے دورحکومت میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں صحافت کی راہ بڑی ہی پرخار تھی۔مالیر کوٹلہ جیسی چھوٹی خودمختار ریاست پر پابندیاں عائد تھیں ۔ریاست کےنواب صحافت کے سخت مخالف تھے مگر متل کوصحافت کے ساتھ دلچسپی تھی اور اسےہی ذریعہ معاش بنانا چاہتے تھے۔اپنے اسی مقصد کی تکمیل کے لئے لدھیانہ سے رسالہ ’کارنامہ‘ نکالنے کی کوشش کی۔مگر ریاست کا باشندہ ہونے کے باعث اس رسالے کا ڈیکلریشن نامنظور کردیا گیا‘‘

(ص ۵۱۔۵۲)

اس مقالے کا تیسرا باب گوپال متل کی نثر نگاری کے متعلق ہے۔اس باب میں متل کی نثر نگاری کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔نازنین گوپال متل کی نثر نگاری کے متعلق لکھتی ہیں کہ:۔

> ''متل نے نثر میں تقریباً دو درجن اردو کتابون کا ترجمہ کیا۔''تحریک'' سینکڑوں شذرات لکھے اور سیاسی مضامین بھی قلمبند کیے مگر ان کی تصنیف کی گئی کتابوں کی تعداد بہت کم ہے ۔جن میں گاندھی جی، پنڈت جواہر لعل نہرو،ادب میں ترقی پسند تحریک یا سازش اور لاہور کا جو ذکر کیا قابل طور پر نمایاں ہے''

(ص۷۶)

اس مقالے کا چوتھا باب گوپال متل کی شاعری کے حوالے سے ہے۔اس باب کو دو ضمنی ابواب میں تقسیم کر کے متل کی غزلیہ اور نظمیہ شاعری کا تجزیہ کیا گیا ہے۔باب کے ابتداء میں گوپال متل کی شاعری پر اور پھر غزلیہ شاعری پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔نازنین لکھتی ہیں کہ:۔

> ''متل کی غزلیہ شاعری تین مجموعوں پر مشتمل ہے۔تینوں شعری مجموعوں میں کل ملا کر ستر غزلیں ہیں۔ان کی شاعری گل وبلبل کی شاعری نہیں ہے بلکہ ایک خاص انداز فکر کی ترجمانی ہے''

(ص۱۴۰)

نازنین گوپال متل کی نظم نگاری کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ:۔

> ''متل کو غزل سے زیادہ سے نظم پر فوقیت حاصل ہے۔ان کی نظموں کی تعداد غزلوں سے زیادہ ہے۔متل کی شاعری کا بیشتر حصہ قومی شاعری پر مشتمل ہے ۔ان کی نظموں کے موضوعات خالصتاً ادبی،سیاسی اور سماجی ہیں''

(ص۱۵۱)

آخری باب گوپال متل کی اردو زبان میں انفرادیت کے عنوان سے ہے۔ یہ مقالے کا ایک طرح سے سب سے

اہم باب ہے۔جس میں گوپال متل کی ادبی خدمات کا موضوعاتی مطالعہ کے بعداردو میں ان کی انفرادیت کونمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔نازنین گوپال متل کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:۔

> ''گوپال متل کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موصوف ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔جنہوں نے اردوادب کی خدمت کواپنا اوڑھنا بچھونا بنارکھا تھا۔نامساعد حالات میں بھی اردوادب کے لئے خدمات انجام دیں۔اردوادب میں گوپال متل کی ان خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ گوپال متل اردو کی وہ مایہ ناز شخصیت ہیں جنہیں اردوادب میں سداتحسین عقیدت پیش کی جاتی رہے گی اورجن کا ذکر دیرتک کیا جاتا رہے گا''

(ص۲۰۹)

مقالے کے آخر میں حاصل مطالعہ ہے ۔نازنین کا تحقیقی کام میری نظر میں کافی اچھا بھی ہے اور اہم بھی ہے۔پنجاب کے اردوطبقہ پرگوپال متل کا جواحسان تھااس کوکسی حدتک نازنین نے ادا کیا ہے۔

پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی:فن اورشخصیت

ساز آزادی نے چھیڑا تھا جو نغمہ بزم میں
ہر زبان پر نوحہ پنجاب ہو کر رہ گیا

اس شعر کے خالق پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی اردو کے ایک ممتاز شاعر تھے جو پنجاب کے ایک علاقہ ملسیان میں ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔تمام عمر درس وتدریس اوراردوشعروشاعری میں گزاری تھی۔شاعری میں داغ دہلوی (متوفی ۱۹۰۵ء) کی شاگردگی اختیار کی تھی۔تقسیم ہند کے بعد کچھ عرصہ دہلی میں قیام کیا اور رسالہ''آج کل'' کی ادارت بھی کرتے رہے۔جوش ملسیانی نے اردو میں پانچ شعری مجموعوں کے علاوہ کچھ تنقیدی کتابیں بھی لکھی ہیں ۔پنجاب سے تعلق رکھنے والے اس شاعر وناقد نے ۹۲ سال کی عمر ۱۹۷۶ء میں نکودر جالندھر میں انتقال ہوگیا تھا۔ان کی وفات کے چندسال بعد ہرکرشن لعل نے پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ کے شعبہ اردووفارسی سے''پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی فن اور شخصیت'' کے عنوان سے ڈاکٹر ہارون ایوب کی نگرانی میں ۱۹۸۸ء مقالہ مکمل کیا تھا۔اس سے قبل جوش ملسیانی پر کسی بھی

جامعہ نے تحقیقی مقالہ قلمبند نہیں کرایا تھا۔

ہرکرشن لعل نے اپنے اس مقالے کو ۱۲ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں جوشؔ ملسیانی کے سوانحی حالات قلمبند کیے ہیں۔اس باب میں موصوف کے حالات و واقعات کو مختلف دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔جس میں پیدائش تعلیم ،ملازمت،شادی اور دیگر مصروفیات اور ان کے انتقال کا ذکر کیا گیا ہے۔اس باب کے آخر میں جوشؔ ملسیانی کے شاگردوں کے اشعار کو جو جوشؔ کے متعلق تھے شامل کیے ہیں۔اس مقالے کا دوسرا باب داغؔ دہلوی کا زمانہ سیاسی ،سماجی حالات اور اردو مراکز کے عنوان سے ہے۔داغؔ دہلوی کو اس مقالے میں شامل کرنے کا سبب یہ تھا کہ داغؔ ،جوشؔ ملسیانی کے استاد تھے۔اس باب میں اس دور کے سیاسی وسماجی حالات کے علاوہ شمالی ہند کے اردو مراکز دہلی اور لکھنؤ کا ذکر بھی کیا ہے۔جوشؔ ملسیانی پر داغؔ کا کیا اور کتنا اثر پڑا اس کی بھی اختصار کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔جوشؔ ملسیانی نے داغؔ کی شاگردی اختیار کی ہی تھی کہ داغؔ کا انتقال ہو گیا۔مگر جو داغؔ سے یا ان کی شاعری سے جوشؔ ملسیانی نے لیا اس کے متعلق ہرکرشن لعل لکھتے ہیں کہ:۔

''جو کچھ جوشؔ ملسیانی نے داغؔ دہلوی سے لیا وہ ہے برجستگی،لب و لہجہ کی ڈرامائی کیفیت،سلاست،اظہار کی پاکیزگی،ٹکسالی زبان،محاورہ بندی اور رعایت لفظی۔''

(ص ۲۸۴)

تیسرا باب جوشؔ ملسیانی کی شاعری کے چند بنیادی عناصر اور ان کا رنگ تغزل کے عنوان سے ہے۔اس باب میں ہرکرشن لعل نے جوشؔ کی شاعری خوبیوں اور خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔لکھتے ہیں کہ

'' جوش کی غزل ان سب خوبیوں سے عبارت ہے جن میں لطافت،سوز وگداز ،قادرالکلامی،اشاریت،بندش کی چستی،معاملہ بندی نرمی اور لہجے کی پاکیزگی جیسی تمام خصوصیات نمایاں ہیں''۔

ان خصوصیات کے حوالے سے ہری کرشن نے جوش کے چند اشعار بطور نمونہ بھی پیش کیے ہیں۔ان کے رنگِ تغزل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''جوشؔ ملسیانی کا رنگ تغزل روایتی ہونے کے باوجود کسی حد تک روایت شکن بھی ہے۔حضرت داغؔ فصیح الملک کے ممتاز شاگردوں میں سے کسی نے اس قسم کے اصلاحی اقدام نہیں کیے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ ابتذال اور رکاکت کی بھر مار سے ناشائستہ اور سوقیانہ ہو کر رہ گیا''۔

اس مقالے کا چوتھا باب جوشؔ ملسیانی کی شاعری کے حوالے سے ہے۔جس میں ان کی غزل، مراثی اور رباعیات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔اس باب کے ابتداء میں پہلے غزل کی تعریف کی گئی ہے اور پھر غزل میں جوشؔ ملسیانی کا مقام تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''جن چند گنے چنے غزل گو شعراء کی بدولت غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا گیا ہے۔اس میں قبلہ جوشؔ ملسیانی کا نام پیش پیش ہے۔قبلہ جوشؔ ملسیانی کا شمار شمالی ہند کے اچھے غزل گو شعراء میں ہوتا ہے۔یوں تو انہوں نے ہر صنف میں کافی کچھ کہا ہے مگر طبیعت کا اصل رجحان غزل کی طرف مائل تھا''۔ (ص۸۳)

جوشؔ نے تو کوئی مرثیہ لکھا نہیں تھا البتہ ایسے اشعار ضرور کہے ہیں جن میں مراثی کے عناصر شامل ہیں۔ان کی مرثیائی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''آپ کے کسی بھی دیوان میں کوئی مرثیہ نہیں ملتا۔لیکن جابجا ایسے اشعار،قطعات اور رباعیات ضرور مل جاتے ہیں۔جو کسی بڑے شاعر کے انتقال پر اظہار تعزیت پیش کرتے ہیں جن کو ہم مرثیہ کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتے''

ان کی ایسی شاعری جو رباعیات اور قطعات کی شکل میں کسی شاعر یا ادیب کی وفات پر لکھے گئے ہیں جن کو ہر کرشن لعل نے بطور نمونہ شامل مقالہ کیے ہیں۔

آخر میں اردو کے اہم رباعی گو شعراء کا ذکر کرتے ہوئے جوشؔ ملسیانی کو ان کے دور کا بہترین رباعی گو قرار دیا ہے۔جوشؔ ملسیانی کی رباعیات اور ان کے موضوعات پر بھی بحث کی گئی ہے۔پانچواں باب جوشؔ ملسیانی کی نظمیہ شاعری اور ان کے مختلف عنوانات یعنی منظریہ، مذہبی، موسمی، قومی، عوامی اور ثقافتی شاعری کے بارے میں ہے۔چھٹا

باب ان کی طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے متعلق ہے۔اس باب میں طنز ومزاح کی تعریف اوراہمیت واضح کرتے ہوئے جوشؔ کے چنداشعار جوطنزیہ ومزاحیہ نوعیت کے ہیں کوپیش کیا ہے۔اگلا باب جوشؔ ملسیانی کی شاعرانہ خوبیوں پرمبنی ہے۔اس میں ان کے کلام کے تعلق چندمشاہیرادب کی آراءبھی شامل کی گئی ہیں۔اس کے ان کی نثری خدمات، جوش ملسیانی دیباچوں کے آئینے میں،ان کی تاریخ گوئی اورآخری باب میں اپنی تحقیق کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ہرکرشن لعل نے جوشؔ ملسیانی کے حوالے سے اچھا کام کیا ہے۔اس کام کوانہوں نے بارہ ابواب میں تقسیم تو کیا اوران کے متعلق تقریباً تمام گوشوں کو چھوبھی لیا مگرتکرار سے نہ بچ سکے۔تقریباً ہر باب میں جوشؔ ملسیانی کی شاعری ،شعری رتبہ اوران کے استاد داغؔ دہلوی سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔زبان بھی کہیں مشکل اورکہیں سادہ استعمال کی ہے۔زبان میں بھی تسلسل قائم نہیں رکھ پائے ہیں۔

سردار پورن سنگھ ہنرؔ حیات وادبی خدمات

سردار پورن سنگھ ہنرؔ کا شمار بیسویں صدی کے مشہوراردو کے سکھ شعراء میں ہوتا ہے۔ان کی ولادت ۱۹۰۴ء میں لاہور میں ہوئی تھی۔اردواورفارسی کی تعلیم دسویں جماعت تک حاصل کرنے کے بعدمعاشی مشاغل میں مصروف ہوگئے تھے۔مگرمطالعے اورحصول تعلیم کا شوق تھااور۳۶ سال کی عمرمیں ادیب فاضل کاامتحان پاس کرنے بعدلاہور سے نکلنے والے رسالہ''نیرنگِ خیال'' میں تقسیم ہندتک کام کرتے رہے۔۱۹۴۷ء کے بعدہجرت کرکے ہندوستان آنے سے قبل ہی شاعری کرنے لگے تھےاورلاہورمیں علامہ تاجورنجیب آبادی کی شاگردگی بھی اختیارکی تھی مگرہندوستان آنے کے بعد ان کی شعرگوئی کی رفتار بڑھی اور۱۹۶۰ء میں ان کا پہلا شعری مجموعہ''آہنگِ غزل'' کے نام سے منظرعام پر آیا۔ہنرؔ کےکل پانچ شعری مجموعے ہیں چاران کی زندگی میں ہی منظرعام پرآگئے تھےاورایک ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔محمداشرف پورن سنگھ ہنرؔ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

> ''سردار پورن سنگھ ہنرؔ ہمارے ان بزرگ شاعروں میں سے ہیں جنہیں اپنے جذبات ومحسوسات کو ہنرمندی کے ساتھ پیش کرنے کا غیرمعمولی سلیقہ ہے ان کا طرزاظہار سنجیدہ، پاکیزہ اورمؤدب ہے۔ان کے اشعار پڑھتے یاسنتے ہی بےاختیارمنھ سے واہ واہ

نکلتی ہے''۔ (ص۷۵)

(کلیاتِ ہنر،مرتب محمد اشرف،ص۸)

سردار پورن سنگھ ہنؔر نے ۱۹۹۵ء میں امرتسر میں وفات پائی تھی۔ان کی وفات سے تقریباً ۲۰ سال بعد شعبہ اردو گرونانک دیو یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر محمد ایوب نے پروفیسر عزیز عباس کی نگرانی میں ''سردار پورن سنگھ ہنؔر حیات وادبی خدمات'' کے عنوان سے ۲۰۱۶ء میں اپنا تحقیقی مقالہ جمع کرایا تھا۔محمد ایوب نے اپنے اس تحقیقی کام کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب سردار پورن سنگھ ہنؔر ایک ہم گیر شخصیت کے عنوان سے ہے۔جس میں مقالہ نگار نے اختصاراً مگر جامعیت کے ساتھ ہنؔر کی ولادت سے وفات تک کا بہترین نقشہ کھینچا ہے۔دوسرا باب پنجاب کا ادبی منظر نامہ کے عنوان سے ہے۔مقالہ نگار نے اس باب میں پنجاب کے ادبی منظر نامے کو پیش کرتے ہوئے محمود شیرانی کے مطابق اردو کی پیدائش کے نظریے کی تصدیق کی ہے اور متحدہ پنجاب کو اردو کی جائے پیدائش قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> ''اردو ادب کے آغاز وارتقاء کی داستان متحدہ پنجاب سے ہی شروع ہوئی ہے۔ پروفیسر محمود شیرانی کا دعویٰ کہ ''اردو کی پیدائش پنجاب میں ہوئی'' آج بھی مکمل طور پر رد نہیں کیا جاسکا ہے۔۔۔اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار جرأت نہیں کہ اردو شعروادب کے تمام شعبوں کے سرمایہ میں جتنا عظیم اور قابل قدر اضافہ پنجاب کے شاعروں اور ادیبوں نے کیا کسی دوسری ریاست کے قلمکاروں نے کم ہی کیا ہوگا'' (ص۳۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ پنجاب کے ادباء نے اردو کے فروغ اور ذخائر میں قابل رشک اضافے کیے ہیں۔اسی باب میں متحدہ پنجاب کے اردو مراکز اور اس خطہ کے قلمکاروں کا ذکر کرنے کے ساتھ پنجاب اور اردو سے متعلق ان کی آراء بھی شامل کی ہیں۔اس مقالے کا تیسرا باب ہنؔر کی ادبی خدمات کے حوالے سے ہے۔اس باب کو مزید دو ضمنی ابواب میں منقسم کرکے پہلے موصوف کی اردو شاعری اور پھر افسانہ نگاری کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔ ہنؔر نے اردو کی جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور تقریباً سبھی میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔محمد ایوب نے ہنؔر کی غزل ،نظم، رباعی ،قطعہ،نعت،منقبت اور سلام وغیرہ کے اشعار کو بطور نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ان کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں کہ

''پورن سنگھ ہنؔر ایک منفرد اور ممتاز شاعر ہیں۔ ہنر صاحب نے کم عمری سے ہی شاعری کی شروعات کی اور وقت کے ساتھ زندگی اور زمانہ کی تبدیلیوں اور کروٹوں کو اپنی ذات میں سمیٹتے رہے اور تجربات و مشاعدات کو شاعری کے سانچے میں ڈھالتے رہے''۔ (ص ۱۰۱)

ہنؔر کے افسانوں کا ایک ہی مجموعہ ''موتیوں کے ہار'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مجموعے میں کل گیارہ افسانے ہیں۔ محمد ایوب نے صرف اسی مجموعے کو اپنے مقالے میں شامل کر کے ان کے افسانوں کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ میرے خیال سے محمد ایوب کو چاہیئے تھا کہ اس دستیاب مجموعے کے علاوہ بھی ان کے افسانے جو رسائل وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ان کو تلاش کرنے کے بعد مقالہ میں شامل کرتے ،مگر انہوں نے آسانی سے دستیاب شدہ مجموعے کو ہی شامل کیا۔ اس مقالے کا چوتھا باب ہنؔر کے معاصرین ہے۔ ان کے معاصرین میں شاعر و افسانہ نگار دونوں ہی تھے اس لئے اس باب کو بھی محمد ایوب کو دو ضمنی ابواب میں تقسیم کرنا پڑا۔ مقالہ نگار نے پہلے معاصر شعراء اور پھر معاصر افسانہ نگاروں کو شامل کیا ہے۔ مقالے کا سب سے طویل باب یہی ہے۔ ان کے معاصر شعراء میں مقالہ نگار نے جوہر بھارتی، سردار انجم، آزؔاد گلاٹی، جگر جالندھری، کرپال سنگھ بیدؔار، ناشر نقوی، زار علامی، روشن پٹیالوی، گوربخش سنگھ باہلوی، مہندر سنگھ یاؔس اور زار علامی وغیرہ شعراء کو لیا ہے اور ان کی مختصر سوانح کے ساتھ کلام کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ معاصر افسانہ نگاروں میں جوگندر پال، رتن سنگھ، کشمیری لال ذاکر، اور بلونت سنگھ کو لیا گیا ہے۔

مقالے کے آخر میں حاصل مطالعہ اور کتابیات شامل ہیں۔ پورن سنگھ ہنؔر پنجاب سے تعلق رکھنے والے اردو قلمکاروں میں کافی اہم مقام رکھتے تھے۔ ان پر تحقیقی مقالہ لکھوایا جانا از حد ضروری تھا۔ مگر اس مقالے میں جو خامیاں ہیں ایک تو وہ املا کی غلطیاں ، دوسرے تکرار لفظی ہی نہیں بلکہ جملے بھی دہرائے گئے ہیں اور یہ مقالہ جلدی میں لکھا گیا ہے۔ تیسرا یہ کہ ان کے چند اہم اور معاصر شعراء اور افسانہ نگاروں کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے۔

متفرقات کے حوالے سے

مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو کی ادبی اشخاص واصناف کے علاوہ بھی اردو میں بعض دوسرے موضوعات پر تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں۔ایسے موضوعات جن پر پہلے کبھی قلم نہیں اٹھایا گیا تھا۔اس نوعیت کے بھی کافی مقالے لکھے گئے ہیں مگر میں نے صرف دو ہی مقالوں کا انتخاب کیا ہے۔منتخبہ مقالات کے عنواں ذیل میں دیے گئے ہیں

ا۔مشرقی پنجاب میں اردوزبان وادب کی تعلیم کا اجمالی جائزہ

۲۔پنجاب میں اردوخودنوشت نگاری تاریخی وفنی مطالعہ

☆مشرقی پنجاب میں اردوزبان وادب کی تعلیم کا اجمالی جائزہ

پنجاب میں تقسیم سے قبل اردو کی تعلیم وتدریس کافی زوروں پر تھی۔مگر جب تقسیم ہوئی،مشرقی ومغربی پنجاب کا جنم ہوا۔مشرقی پنجاب کے جنم کے بعد اس خطے سے اردو کا زوال شروع ہوگیا تھا۔گویا اردو جو کہ اس خطے میں ایک صحت مند اور تندرست زبان تھی تقسیم کے صدمے سے ایسی لاغر وکمزور ہوئی کہ ایک مدت تک اس خطہ میں یہ زبان جانبر نہ ہوسکی ۔اس کی موت واقع ہی ہونے والی تھی کہ اردو کے کچھ لوگوں نے اسے پھر زندہ کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔مشرقی پنجاب میں اردو کی درس وتدریس کو موضوع بنا کر محمد عرفان ملک نے ''مشرقی پنجاب میں اردوزبان وادب کی تعلیم کا اجمالی جائزہ'' کے عنوان سے ۲۰۱۵ء میں تحقیقی کام کی شروعات کی اور پانچ سال کی کڑی محنت کے بعد ۲۰۱۹ء میں اپنے تحقیقی کام کی تکمیل کے بعد مقالہ جمع کرایا تھا۔

محمد عرفان نے اپنے تحقیقی مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔پہلا باب اردوزبان کی تعلیم کا پس منظر،اس باب میں متحدہ پنجاب اور تقسیم کے بعد پنجاب میں اردوزبان کی تعلیم کے مراکز کو جن میں جامعات،کالجز اور مدارس وغیرہ کو شامل کر کے تفصیلی گفتگو کی ہے۔باب کا آغاز زبان کی تعریف کے بعد پنجاب میں اردوزبان کی پیدائش کے نظریے کو قبول کرتے ہوئے مختلف دلائل بھی پیش کیے ہیں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اردو کی تاریخ گواہ ہے کہ پنجاب اور اردو کا گہرا رشتہ بھی کسی کا محتاج بیان نہیں ہے۔پنجاب اور اردو کا آپسی رشتہ ماں اور بیٹی کا رشتہ ہے۔ابتداء ہی سے اسقدر مضبوط رہا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے دیکھنا ممکن نہیں''(ص۳۲)

اس باب میں شامل اردو مراکز کی تصاویر بھی پیش کیں ہیں۔ دوسرا باب پنجاب میں اردو ادب کی تعلیم کا پس منظر ہے۔ اس باب میں بھی پہلے باب کی طرح غیر منقسم پنجاب اور تقسیم کے بعد پنجاب میں اردو ادب کے اہم مراکز کو جن میں کالجز اور جامعات شامل ہیں کو مع تصویر پیش کیا گیا ہے۔ اس مقالے کے تیسرے باب میں تقسیم کے بعد اردو زبان و ادب کی تعلیم کو پانچ ذیلی ابواب پرائمری سطح پر، مڈل، میٹرک، ہائر اسکینڈری اور اعلیٰ سطح پر میں تقسیم کر کے زبان وادب کی تدریس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہی باب محمد عرفان کے مقالے کا بنیادی موضوع ہے۔ اس میں اعداد و شمار کے ذریعے یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ آیا اردو کے طلباء یا استادوں کی تعداد گھٹ رہی ہے یا بڑھ رہی ہے۔ اس باب میں اعداد و شمار کے گراف کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس باب کے آخر میں محمد عرفان لکھتے ہیں کہ:۔

> ''عصر حاضر میں اردو زبان وادب سے متعلق اس باب میں جن مراکز کا ذکر کیا گیا ہے
> اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ پنجاب میں اردو زبان اس قدر مقبول رہی ہے کہ اس
> مقبولیت کے پیش نظر ان حقائق کی روشنی میں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مشرقی پنجاب میں
> اردو زبان کا مستقبل روشن و تابناک ہے'' (ص ۲۳۷)

اس مقالے کا چوتھا باب ''تقسیم کے بعد پنجاب میں اردو درس و تدریس کے مسائل'' ہے۔ جس میں اس خطے میں اردو کے تدریسی مسائل کو پیش کیا گیا ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ مادری زبان کے ساتھ غیر وابستگی، سہولیات کی عدم فراہمی اور روزگار کی عدم دستیابی وغیرہ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اس مقالے کے پانچویں اور آخری باب میں محمد عرفان نے اردو زبان کو درپیش مسائل کے وسائل بتائے ہیں۔ جن میں اردو زبان کے لئے عوامی بیداری پیدا کرنا ،سرکاری سطح پر توجہ دینا اور اردو کو روزگار سے وابستہ کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ محمد عرفان نے اپنے تحقیقی مقالے کے موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے اور بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ حقائق کو پیش کرنے کے علاوہ مقالے کو بھی سجایا ہے۔ عرفان ملک کا یہ کام قابل تحسین ہے۔ ان کا یہ تحقیقی مقالہ کتابی شکل میں بھی منظر عام پر آ چکا ہے۔ جسے قومی کونسل فروغ برائے اردو زبان کے مالی تعاون کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ محمد عرفان سے اس طرح کے تحقیقی کاموں کی امید کی جا سکتی ہے۔ محمد عرفان نے اپنے مقالے کے آخر میں حاصل مطالعہ اور کتابیات کو شامل کیا ہے۔ اس کے علاوہ مشرقی پنجاب

میں اردو مراکز کی لسٹ کو بھی شامل کیا ہے جس میں ۱۰۹ اسکول ۱۱ کالجز ۹ تعلیمی مراکز، چار یونیورسٹیاں اور بھاشا وبھاگ کے چودہ مراکز شامل ہیں۔

☆ پنجاب میں اردو خودنوشت نگاری تاریخی وفنی مطالعہ۔

خودنوشت نگاری ایک غیر افسانوی نثری صنف ہے جس میں مصنف اپنی آپ بیتی کو قاری سے متعارف کرواتا ہے۔ سوانح عمری کو یا سوانح حیات کو انگریزی زبان میں Biography کہتے ہیں۔ سوانح عمری میں کسی اہم ادبی یا علمی شخصیت کی زندگی کے حالات کسی دوسرے قلمکار کے ذریعے قلمبند کیے جاتے ہیں۔ جیسے حیاتِ سعدیؔ، یادگار غالبؔ اور حیاتِ جاوید حالیؔ کے قلم سے لکھی گئی سوانح عمریاں ہیں۔ مگر خودنوشت جسے انگریزی میں Autobiography کہتے ہیں۔ اس میں مصنف کی اپنی ہی زندگی اور شخصیت اس کا محور ہوتی ہیں۔ مثلاً عبدالمجید سالک کی (سرگزشت)، گوپال متل کی (لاہور کا جو ذکر کیا)، اور صالحہ عابد حسین کی (سلسلہ روز وشب) اور امریتا پریتم کی (رسیدی ٹکٹ) اردو میں خودنوشت نگاری کی مثالیں ہیں۔ ہندوستان کے دیگر علاقہ جات کی طرح پنجاب میں بھی خود نوشت سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں۔ یہ موضوع اس خطے میں تحقیق طلب تھا اور جموں سے تعلق رکھنے والی ریسرچ اسکالر نازیہ کوثر نے ''پنجاب میں اردو خودنوشت نگاری تاریخی وفنی مطالعہ'' کے عنوان سے ڈاکٹر رحمان اختر کی نگرانی میں ۲۰۱۸ میں مقالہ مکمل کر کے ڈگری حاصل کی تھی۔

نازیہ کوثر نے اپنے اس تحقیقی مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ زیر بحث مقالے کا پہلا باب جس میں نازیہ نے خودنوشت کی تعریف اور اس کے فن سے متعلق مختلف نظریات کو شامل کر کے بحث کی ہے۔ نازیہ کوثر خودنوشت سوانح نگاری کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:۔

> ''خودنوشت سوانح نگاری کا مفہوم کسی شخص کی زندگی کا اسی کے قلم کے ذریعے کھینچا ہوا نقشہ ہے اور خودنوشت ایک ادبی اور تخلیقی فن بھی ہے۔ جس میں مصنف اپنی زندگی سے متعلق مواد پیرائے میں ڈھال کر اس کا ادبی گلدستہ بنانے کی بھی سعی کرتا ہے۔ گویا خودنوشت نگاری اظہار ذات کے ساتھ ساتھ ادبی فن پارہ بھی ہوتی ہے'' (ص ۸)

دوسرا باب اردو میں خودنوشت نگاری کی روایت ہے۔جس میں موصوفہ نے اردو میں خودنوشت نگاری کے آغاز و ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے اردو کے اہم خودنوشت نگاروں کی خودنوشتوں کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔نازیہ کوثر لکھتی ہیں کہ:۔

''جن ابتدائی نگارشات میں باقاعدہ خودنوشتوں کے خدوخال نظر آتے ہیں وہ 'تزک فیروز شاہی اور تزک بابری ہیں۔'تزک بابری' میں تو بابر نے اپنے بارے میں اس تفصیل کے ساتھ لکھا ہے بعض لوگوں نے اسے آپ بیتی نگاروں کا شہزادہ بھی کہا ہے۔ان دونوں کتابوں میں خودنوشت کے عناصر پائے جاتے ہیں'' (ص۴۴)

تیسرا باب جوان کے مقالے کا اصل موضوع ہے'پنجاب میں اردو خودنوشت نگاری کی روایت'' کے عنوان سے ہے جس میں آزادی سے قبل اور مابعد آزادی کی خودنوشت نگاری کا مکمل جائزلیا گیا ہے۔آزادی سے قبل پنجاب میں لکھی گئی خودنوشتوں میں چودھری افضل حق کی 'میرا افسانہ'،عبدالمجید سالک کی 'سرگزشت' اور آزادی کے بعد لکھی گئی خودنوشتوں میں خواجہ غلام السیدین کی آپ بیتی 'مجھے کچھ کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں' اس کے علاوہ گوپال متل ،جگن ناتھ آزادوغیرہ کوشامل کیا گیا ہے۔باب چہارم جو'پنجاب کے اہم خودنوشت نگار اپنی تخلیق کی روشنی میں' کے عنوان سے ہے اس باب میں موصوفہ نے پنجاب کے آٹھ خودنوشت نگاروں کا انہی کی تخلیقات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔اس باب میں انہوں ان خودنوشت نگاروں کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں:۔

''جہاں تک پنجاب میں اردو خودنوشت کا تعلق ہے تو پنجاب میں دیگر غیر افسانوی اصناف کی طرح خودنوشت سوانح عمری کا سرمایہ بھی قلیل ہے۔اگرچہ آزادی سے قبل پنجاب میں چندگنی چنی خودنوشتیں لکھی گئیں ہیں لیکن آزادی کے بعد یہاں خودنوشت کی رفتار میں تیزی ہی نہیں آئی ہے بلکہ اس کے مزاج ومعیار میں بھی تبدیلی نمایاں ہوئی ہے'' (ص۲۴۶)

اس مقالے کا پانچواں باب حاصل مطالعہ ہے جس اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کیا ہے۔نازیہ کوثر نے اپنے اس تحقیقی مقالے کافی محنت کی ہے۔زبان بھی کافی اچھی استعمال کی گئی ہے۔انہیں اس مقالے کو نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں شائع کرنا چاہیئے۔

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے''

(ابن ماجہ)

باب پنجم: مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کا مستقبل

کسی خطے، علاقے یا ملک کی کسی بھی زبان کا مستقبل دیکھنے کے لیے ہمیں اس علاقے میں اس زبان کے ماضی اور حال پر نظر دڑانی پڑتی ہے۔ لہذا مشرقی پنجاب میں اردو زبان کے مستقبل کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے قبل ضروری ہے کہ یہ معلوم کرلیا جائے کہ اس خطے میں اردو کا ماضی کیسا تھا اور حال کیسا ہے۔ تقسیمِ ہند سے قبل یہ علاقہ اردو کے لیے نمایاں ترین مقام کا حامل تھا اور اس خطے میں اردو کے بڑے بڑے مراکز کے علاوہ ادبی انجمنیں بھی قائم تھیں۔ لیکن انگریزوں سے آزادی اور ملک کی تقسیم کے ساتھ ساتھ پنجاب کی تقسیم کے بعد اس خطے میں اردو کی وہ شکل وصورت نہ رہی جو قبل از تقسیم تھی۔ اس امر سے ہر اردو داں واقف ہے کہ اردو شعر و ادب کے ذخیرے میں پنجاب کے قلم کاروں نے قابل تعریف اضافہ کیا ہے لیکن آج اردو زبان مشرقی پنجاب میں جس بے بسی و بے کسی کی حالت سے گزر رہی ہے اردو حلقہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ اس کے باوجود مشرقی پنجاب کے قلمکار یہ جانتے ہوئے بھی کہ پنجاب میں اس زبان کے بولنے سمجھنے اور پڑھنے والے کم ہیں اسی زبان میں اپنی تخلیقات شائع کر رہے ہیں۔

آزادی سے قبل پنجاب میں اردو زبان کافی ترقی کر رہی تھی اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس خطہ میں اردو کا ماحول تھا۔ تمام اسکولوں اور کالجوں میں اردو کی تعلیم دی جاتی تھی عدالتوں نیز سرکاری اداروں کے کام اردو میں ہی ہوتے تھے۔ اس علاقے میں اردو سرکاری درباری اور کاروباری زبان تھی۔ ایک کثیر تعداد میں اردو اخبارات یہاں سے شائع ہوتے تھے۔ تمام مذاہب کے لوگ اردو زبان بولتے اور لکھتے تھے۔ پنجاب میں اردو کی زبوں حالی اور تقسیمِ وطن کے بعد اردو کے ساتھ جو سلوک ہوا اس کے متعلق ڈاکٹر عرفان ملک لکھتے ہیں کہ:۔

> ''مشرقی پنجاب تقسیم وطن سے زیادہ متاثر ہوا اور یہاں اردو زبان وادب پر منفی اثرات پڑے
> کیوں کہ اردو طبقہ کی ایک بڑی جماعت مغربی پنجاب میں منتقل ہوگئی جس سے مشرقی پنجاب
> میں اردو زبان وادب کا تعلیمی نظام درہم برہم ہونے کی وجہ سے اسکولوں میں اردو طلباء کی

تعداد کم ہونے لگی۔وہ زبان جو ہر خاص و عام بولتا تھااور جس میں تمام سرکاری اور نیم

سرکاری کام ہوتے تھے،وہ غیر ملکی زبان قرار پائی۔دفتروں سے اس کو خارج کر دیا۔جس

کاسب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ آنے والی نسل اس زبان سے محروم ہوگئی''

(مشمولہ کتابی سلسلہ، پنج آب، مالیر کوٹلہ شمارہ ا،ص ۲۶)

ڈاکٹر طارق کفایت اللہ نے ایک انٹرویو میں آزاد گلاٹی سے پنجاب میں اردو کے مستقبل کولیکر سوال پوچھا تو

انہوں نے ان الفاظ میں جواب دیا تھا:۔

''پنجاب میں اردو مستقبل کے بارے میں، میں مطمئن نہیں ہوں جب تک کسی زبان کو ہم

سلیقے سے ابتدائی تعلیم کا حصہ نہیں بناتے تو پھر آج کل کے زمانے میں اسے روزگار سے

وابستہ نہیں کرتے، اس کے دوام کے لئے باقی سب اقدامات کی تاثیر محدود ہو کر رہ جاتی

ہے۔ہم نے جس پودے کی جڑیں کاٹ دی ہیں اس کی ٹہنیوں پر پھول ٹانگ کر کب تک

اس چھلاوے میں رہیں گے کہ پودا پھل دے رہا ہے''

(پرواز ادب، آزاد گلاٹی نمبر،نومبر دسمبر،۱۹۹۰ص ۴۱)

پنجاب میں اردو زبان کی ترقی کے لئے صرف اکا دکا ادیبوں کی کتابیں شائع کرنے سے ترقی نہیں ہوگی بلکہ مشرقی پنجاب کے اسکولوں میں اردو کی تعلیم کو منظوری دی جائے جیسا کہ قبل از تقسیم تھا۔اگر اسکولوں میں اردو کی تعلیم دی جائے گی تو ظاہری بات ہے کالجوں میں بھی اردو کی تعلیم ہوگی ۔اردو کے طلباء میں اضافہ ہوگا اور یوں اردو کے مستقبل کی اس علاقے میں جڑیں مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں روزگار کے مواقع بھی اردو دان طبقے کو میسر ہوں گے جس سے اردو کا مستقبل کافی اچھا ہونے کے امکان بڑھ جائیں گے۔دور حاضر میں اگر مشرقی پنجاب میں کہیں اردو کی شمع روشن ہے تو مشرقی پنجاب کے ضلع سنگرور کی تحصیل مالیر کوٹلہ ہے جہاں اردو اسکول سے لے کر کالج تک پڑھائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر طارق کفایت اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

''تعلیمی نظام سے اردو کے مفقود ہو جانے سے ادب کی آبیاری میں مشغول اردو ادیبوں اور شاعروں کی نسلیں بھی آہستہ آہستہ پنجاب کے منظر نامے سے معدوم ہوتی چلی گئیں۔گزشتہ چھ دہائیوں کی اس مایوس کن صورتحال میں مالیر کوٹلہ نے البتہ اپنی منفرد حیثیت کو برقرار رکھا ہے اسکول سے کالج اور یونیورسٹی کی سطح تک اردو کی تعلیمی سہولیات کی موجودگی کے طفیل چراغِ اردو اس دیار میں ہمیشہ روشن رہا اور بساط بھر پنجاب کے ادبی ماحول کو بھی منور کرتا رہا''

(مجلّہ،نثر نگاران مالیر کوٹلہ،ڈاکٹر طارق کفایت اللہ،ص۳)

لیکن اب مالیر کوٹلہ میں بھی اردو کی وہ صورتحال نہ رہی جو آج سے کچھ عرصہ قبل تھی۔اردو میڈیم اسکول بھی اب پنجابی میڈیم میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔اردو طبقہ کو چاہیے کہ وہ اس طرف خاطر خواہ توجہ دیں ورنہ ایک دن ایسا آئے گا کہ اردو کا ذکر یہاں صرف تاریخ کی کتابوں میں ہی ملے گا کہ مالیر کوٹلہ میں بھی اردو زبان میں درس و تدریس یا شعروشاعری وغیرہ کی جاتی تھی۔سالک جمیل براڑ اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:۔

''اکیسویں صدی میں اگر مشرقی پنجاب میں اردو کے حوالے سے بات کی جائے تو مالیر کوٹلہ مشرقی پنجاب کا واحد ایسا شہر ہے جہاں پر اردو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ اس شہر میں اردو کی تعلیم کا نسل در نسل کا سلسلہ جاری و ساری ہے یوں تو مالیر کوٹلہ کے تقریبا سبھی اسکولوں میں اردو پڑھائی جا رہی ہے لیکن اسلامیہ سینئر اسکول مالیر کوٹلہ کی اردو کے فروغ کے لیے کی گئی کوششوں کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ۲۴ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جود میں آیا اسلامیہ سینئر سیکنڈری اسکول تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب کا واحد اردو میڈیم اسکول کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔۱۹۹۰ء تک اس ادارے کا ذریعہ تعلیم اردو رہا لیکن اس کے بعد اردو کتابوں

کی عدم دستیابی اور دیگر مسائل کی بنا پر یہ اسکول اردو میڈیم کی جگہ پنجابی میڈیم بن گیا اور

اردو کو بطور دوسری زبان پڑھایا جانے لگا''

(گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ، حصہ نثر ص ۱۴۴-۱۴۵)

مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کا مستقبل اس خطے میں اردو زبان کے مستقبل کے ساتھ منسلک ہے اس خطے میں کوئی اردو تحقیق تب ہی کرے گا جب اردو جانتا ہوگا۔ اردو زبان میں قلمکار بھی اپنی تخلیقات شائع کر رہے ہونگے، اردو لکھنے، بولنے اور سمجھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہوگی، شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کو پذیرائی حاصل ہوگی۔ یہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ اس علاقے میں اردو کا بول بالا ہو۔ متحدہ پنجاب میں اردو شعر و ادب کے ساتھ اردو تحقیق و تنقید کی روایت بھی شاندار رہی اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ یہاں اردو کا ماحول تھا، مشاعرے ہوتے تھے، ادبی انجمنیں سجتی تھی، کانفرنسیں ہوتی تھیں، اخبارات اور رسائل و جرائد کی اشاعت ہوتی تھی۔ تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب میں اردو زبان کو اسکولوں اور کالجوں کے نصاب سے ہٹا دیا گیا تھا جس سے اردو پڑھنے والوں کی تعداد میں برابر کمی آتی گئی۔ اب اردو جاننے والے یا پھر اردو کے ادیب و شاعر جو آزادی کے بعد مشرقی پنجاب میں تھے ان کی نسلیں اردو کی تعلیم سے محروم ہوگئیں۔ ملک کی تقسیم کے بعد اردو کے ساتھ جو سلوک ہوا اسے ڈاکٹر سلیم زبیری ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

''ملک کی تقسیم کا اردو کو دوہرا نقصان اٹھانا پڑا ایک تو یہ کہ اردو کو تعلیمی نصاب سے ختم کر دیا گیا دوسرے تقسیم کے وقت اردو کی پرانی نسل جن میں اچھی خاصی تعداد ادیبوں اور شاعروں کی تھی ہجرت کر گئی جو لوگ پاکستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور پنجاب کو اپنا مستقل مسکن بنایا ان کی نسلیں اردو سے بے بہرہ ہوگئیں یا پھر انہوں نے دانستہ طور پر اپنی آئندہ نسل کو اردو سے دور رکھا''

(آزادی کے بعد پنجاب میں اردو غزل سلیم زبیری ص ۲۳۳-۲۳۴)

یہ بات بھی قابل قبول ہے کہ ان ادیبوں اور شاعروں کی نسلیں اردو سے بے بہرہ ہیں جنہوں نے آزادی سے قبل مشرقی پنجاب میں اردو کو فروغ دینے میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا اور اس کے بعد بھی اس خطے میں اردو کی آبیاری میں مصروف رہے۔ آج اپنے بزرگوں کی کتابیں ان ادیبوں کی نسلوں نے بڑی اچھی طرح سنبھال کر رکھی ہیں مگر استفادہ نہیں کر سکتے کیوں کہ ان کتابوں کی زبان اردو ہے اور یہ نسل اردو سے ناواقف ہے۔

اردو طبقہ میں مشرقی پنجاب میں اس وقت عام طور پر تین طرح کے لوگ ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو اردو کے بارے میں نہ سوچتا ہے اور نہ ہی انہیں کوئی فکر لاحق ہے کہ اردو باقی رہتی ہے یا پھر جاتی ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو حالات کا رخ دیکھ کر اردو کا مستقبل بالخصوص اردو تحقیق کے مستقبل سے مایوس ہو چکے ہیں۔ تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اس خطے میں اردو کے مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ وہ زبان کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے لگاتار جدوجہد اور کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اس زبان کو صرف بول چال یا ادب تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہتے بلکہ اس میں تحقیق اور تنقید کے ذریعے نئے نئے اضافے بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں پہلی دو قسم کے لوگوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جبکہ تیسری قسم کے لوگوں سے اردو تحقیق کی امیدیں وابستہ ہیں جو اس خطے میں اردو کے تابناک مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ یہ ایسا طبقہ ہے جو جانتا ہے کہ اگر اردو زبان کو سرکاری سرپرستی نہ بھی حاصل ہوئی تو بھی اس زبان میں زندہ رہنے کی اور اور محبانِ اردو میں اسے زندہ رکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اردو کے اس مجاہد طبقے کو اس بات پر کامل یقین ہے کہ اصل میں وہی زبان زندہ ہوتی ہے جو شدید مخالفت کے باوجود بھی خود کو زندہ رکھ سکتی ہے۔

میرے نزدیک اردو ایک ایسی زبان ہے جسے نہ حکومت کی بے توجہی اور نہ ہی دشمنانِ اردو کی مخالفت مٹا سکتی ہے۔ ہاں اگر اس زبان کو کسی سے خطرہ ہے تو وہ اہل اردو ہی ہیں۔ جن کو اس زبان نے بولنا اور لکھنا سکھایا ہے۔ اس خطے یعنی مشرقی پنجاب کے اردو بولنے اور لکھنے والے اس کے خادم اسے پیار کرنے والے اگر اس زبان کے مستقبل سے

مایوس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے، اس کو مقبول بنانے اور اس خطے میں عام کرنے کی کوششیں کرنا چھوڑ دیں، مایوسی اور احساسِ شکست کے مرض میں مبتلا ہوں گئے۔ آج نہیں تو کل یہ پیاری اور میٹھی زبان جس کے ہر لفظ سے خوشبو آتی ہے اس علاقے سے ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جائے گی۔ بات غور وفکر کرنے کی ہے کہ اردو زبان کے بولنے والے آج ہندوستان اور پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہیں۔ کیا اسے مٹانا آسان ہے۔ دوسری بات ایک ایسے خطے سے اردو کا مٹ جانا جس کو اردو کی جائے پیدائش تسلیم کیا گیا ہے۔ اردو کے مایہ ناز محقق محمود شیرانی کا نظریہ "اردو زبان کی داغ بیل پنجاب میں پڑی" ایک مدت تک قابل قبول رہا اور آج بھی مقبول ہے۔ اللہ نہ کرے کبھی ایسا ہو کہ مشرقی پنجاب سے اردو ختم ہو۔ ہاں اگر مستقبل میں ہوئی تو اس کا ذمہ دار صرف اردو داں طبقہ ہوگا جس کی بے توجہی اس علاقے سے اردو کا خاتمہ کرے گی لیکن پچھلے کچھ سالوں میں اس خطے کے خادمان اور محبّانِ اردو نے اپنے کچھ حق واپس لائے ہیں جو آزادی کے وقت اور بطور خاص تقسیم ہند کے بعد ان سے چھن گئے تھے۔ وہ ایک ایسا سانحہ تھا کہ اردو کو اپنے ہی وطن سے جلاوطن کر دیا گیا تھا لیکن آج اردو پھر سے واپس آ رہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ مقامی اہل اردو اس طرف خاطر خواہ توجہ دیں۔ اردو کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ مشرقی پنجاب کے اہل اردو اس زبان کی شاخوں پر قلم لگانے کے علاوہ اس کی جڑوں کو بھی پانی دیں یعنی اپنے بچوں کو اردو سکھائیں تا کہ کل مستقبل میں آپ کی جگہ آپ کا بچہ لے سکے۔

مشرقی پنجاب میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی میری ملاقات ہوئی جو خود تو اہل اردو ہیں، صاحبِ کتاب ہی نہیں بلکہ صاحبِ کتب ہیں لیکن ان کے بچے اردو سے نابلد ہیں اور پھر یہ ستم ظریفی کہ کھاتے تو اردو کی ہیں لیکن اپنے بچوں کو اردو کی تعلیم سے محروم رکھا ہے۔ ایک اردو کے پروفیسر صاحب کا ذکر کروں کہ چند سال قبل ایک سیمینار میں انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ ''ہم اردو کے پروفیسر ہیں، صاحب کتب بھی ہیں، کئی قومی اور ریاستی سطح کے ایوارڈ بھی حاصل کر چکے ہیں لیکن ہمارے بچے اردو سے ناواقف ہیں''۔ یہ صرف پنجاب کی بات ہی نہیں کر رہا ہوں بلکہ اکثر و بیشتر

جگہوں پر ایسا ہے۔ دیکھئے ظاہر سی بات ہے کہ اس کے قصوروار بچے نہیں بلکہ ان کے والدین ہیں جو اردو کی واقفیت رکھتے ہوئے بھی بچوں کو اردو نہیں پڑھاتے صرف اس بات کا ڈر کہ ہماری قومی زبان ہندی ہے، ریاستی زبان پنجابی ہے اور بین الاقوامی زبان انگریزی ہے تو بچوں کو اردو پڑھانا بیکار و بے سود ہوگا کیونکہ اس میں روزگار کے مواقع بہت کم ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم زبیری لکھتے ہیں کہ:۔

"محض یہ کہہ کر کہ اردو میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد روزگار کے مواقع بہت کم ہیں، سراسر غلط ہے۔ اردو کو روزگار سے جوڑ کر دیکھنا ہی غلط ہے۔ اردو ہماری تہذیبی و ثقافتی زبان ہے پیشہ ورانہ زبان کے طور پر نہیں تہذیبی وراثت کے طور پر اپنی نسلوں کو پڑھانا ہوگا ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہماری شناخت زبان کے لحاظ سے ختم ہو جائے گی اور زبان ختم تو ہمارا وجود زندہ لاش سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوگا"

(تنقیدی زاویے، ڈاکٹر سلیم زبیری، ص ۹۴)

ڈاکٹر سلیم زبیری کی بات سے میں بالکل متفق ہوں بلکہ میں اس میں یہ شامل کرنا چاہوں گا کہ اردو زبان میں روزگار کے مواقع کم نہیں ہیں بلکہ ہم نے خود کم کیے ہوئے ہیں۔ دوسرا یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ اس زبان کے سیکھنے سے بچوں پر بوجھ پڑتا ہے۔ جب کہ دوسری ترقی یافتہ زبانیں بھی سیکھنی ہوتی ہیں۔ تیسرے یہ کہ جب یہاں پر اردو میڈیم اسکول ہی نہیں ہیں تو بچوں کو اردو کیسے پڑھائیں۔؟ پہلے سوال کا جواب کسی بھی زبان کو آپ روزگار کے ساتھ چھوڑ کر نہیں دیکھ سکتے ہندی، اردو، انگریزی اور پنجابی وغیرہ پڑھنے والے ڈاکٹر انجینئر وغیرہ بھی بن سکتے ہیں۔ اس کی مثالیں ہمیں ماضی میں ہی نہیں بلکہ عصرِ حاضر میں بھی بہت مل جاتی ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک ساتھ بچوں کو کئی زبانیں پڑھنے سے ان پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے بچپن میں بچے کا ذہن زیادہ تیز ہوتا ہے اور اس میں ایک ساتھ کئی زبانیں سیکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ماضی میں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں کہ مدارس میں بچوں

کو بیک وقت اردو، فارسی اور عربی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔تیسرے یہ کہ اردو میڈیم اسکول ہی نہیں ہیں یہ کوئی خاص عذر نہیں ہے اس کے لیے خود اہل اردو گھروں میں بھی اپنے بچوں کو اردو کی تعلیم دے کر اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ اردو کی کتابیں پڑھیں اور سمجھیں۔

بچوں کو تعلیم دینے میں عورت کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔زبان کو بنانے میں نکھارنے اور سنوارنے والی بھی عورت ہی ہوتی ہے۔میرے خیال سے تبھی تمام زبانوں کو پدری زبان نہیں بلکہ مادری زبان کہا جاتا ہے اس لئے ضروری ہیکہ عورتیں خود بھی اردو کی تعلیم حاصل کریں اور اپنے بچوں کو بھی اردو سیکھائیں۔اردو زبان کو بچانا کسی حد تک اہل اردو عورت کی ذمہ داری بھی ہے۔اس لیے لازمی ہے کہ اس خطے کی عورتوں کو اردو کی تعلیم دی جائے تاکہ اردو زبان پھل پھول سکے۔اس کے بولنے والوں میں اضافہ ہو عورت کی تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ اس کی تعلیم انفرادی نہیں ہے بلکہ پورے معاشرے کی تعلیم ہے۔اردو کے ادیبوں،شاعروں اور دیگر زبان دانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس خطے کے لوگوں کے لئے اردو زبان کو زیادہ سے زیادہ سہل اور آسان بنائیں اسے بول چال کی زبان کے قریب لائیں۔اگر آپ شاعر ہیں تو اپنی شاعری میں آسان الفاظ کا استعمال کریں۔خیالات آپ کے جیسے بھی ہوں اور جو بھی ہوں۔اسی طرح نثر نگاروں کو بھی چاہیے کہ آسان الفاظ استعمال میں لائیں تاکہ قاری آسانی سے سمجھ سکیں بطور خاص نو آموز قاری۔اگر آپ کی زبان مشکل پسند ہے تو عام قاری کی سمجھ سے باہر ہے تو اس سے آپ کی مقبولیت میں اضافہ نہیں ہوگا۔اردو کے بڑے بڑے شاعروں کی مقبولیت کا راز ان کی سادہ زبان ہی تھی۔بعض لوگوں کا ماننا ہے کہ اردو میں دوسری زبانوں کے الفاظ کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔میرے خیال سے زبان کے معاملے میں یہ تعصبی اور تنگ نظری نہیں ہونی چاہئے۔ دوسری زبانوں کے ایسے الفاظ استعمال میں لائے جانے چاہئے جو آسانی سے ہماری زبان میں شامل ہو سکتے ہوں اور زبان بھی اسے آسانی سے اپنا لے۔ہمارے اردو شاعروں کا بہترین اور مقبول کلام وہی ہے جو سادہ اور عام فہم زبان میں ہے جو اشعار عام فہم اور سادہ زبان میں ہوں گے وہی اشعار زیادہ تر زبان زد ہوتے ہیں۔

بطورِنمونہ میرؔ کے اشعار دیکھئے

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

ان اشعار کا انتخاب ریختہ سے کیا گیا ہے

اسی طرح غالبؔ کی مقبولیت کا راز بھی ان کے مشکل پسند اشعار میں نہیں ہے بلکہ سادہ عام فہم اور سادہ زبان والے اشعار ہیں نمونہ کلام دیکھیے

عشق نے غالبؔ نکما کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ابن مریمؑ ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

داغؔ کے چند اشعار

غضب کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا

تمام رات قیامت کا انتظار کیا

لپٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے

الہٰی یہ گھٹا دو دن تو برسے

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

ایسی اردو لکھنے یا پھر وہ اردو جو حالؔی کی شاعری میں ملتی ہے۔ جس میں سادگی ہے، دلکشی ہے، درد ہے، مگر سادہ سہل اور عام فہم ہے۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا

مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

ماں باپ اور استاد سب ہیں خدا کی رحمت

ہے روک تو ان کی حق میں تمہارے نعمت

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں

کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

اردو کے ایسے سینکڑوں اشعار مل جاتے ہیں جو عام فہم اور سادہ زبان میں ہیں میرا ذاتی خیال ہے کہ اردو کے خادموں کو جن کا تعلق پنجاب سے ہے اس طرح کی زبان اپنی شاعری میں استعمال کریں تا کہ ہر ایک آسانی سے پڑھ بھی لے اور سمجھ بھی سکے۔

اہل اردو کو چاہئے کہ اپنے بچوں کے علاوہ دوسرے لوگ چاہے وہ بوڑھے، نوجوان، عورتیں یا بچے ہوں۔ جو بھی اردو سیکھنا چاہتے ہیں انہیں اردو سکھائیں اور اس خطے میں اردو لکھنے، بولنے اور پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو

سکے۔آسان قاعدے لکھیں جن سے لوگ اردو سیکھیں اور یہ قاعدے پنجاب کے ہر ایک شہر میں دستیاب ہوں۔اس کے علاوہ آسان زبان میں چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں مرتب کر کے شائع کی جائیں۔مشرقی پنجاب میں مجھے تقریباً تین چار سال ہو گئے ہیں یہاں پر کافی لوگ ایسے ہیں جو اردو سیکھنا چاہتے ہیں مگر سکھانے والا کوئی نہیں ہے۔اس بات کا بین ثبوت پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کا شعبہ اردو ہے۔ جہاں اردو سرٹیفکیٹ کورس کے لئے ۵۶ سیٹیں اور ڈپلومہ کے لیے ۲۱ سیٹیں مختص ہیں اور ہر سال یہ سیٹیں پُر ہوتی ہیں۔سرٹیفکیٹ اور ڈپلومہ کورسز میں بچے فیس دے کر اردو سیکھتے ہیں ذرا غور کریں اگر یہی کورسز اور اردو سیکھنے کی سہولیات مفت میسر کرائی جائیں تو کثیر تعداد میں لوگ اردو سیکھنے آئیں گے۔بات اردو تحقیق کی کرنی تھی مگر فقط اردو کی کرنی پڑ رہی ہے کیونکہ اردو ہوگی تو اردو تحقیق بھی ہوگی لہذا پہلے اردو کے مستقبل کے حوالے سے ہی بات کو جاری رکھیں گے آخر پر اردو تحقیق کے مستقبل پر بھی بحث کرنے کی کوشش کرونگا۔

پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے ساتھ تقریباً ۲۸۰ کالج منسلک ہیں اور یونیورسٹی میں دیگر زبانوں کے شعبہ جات کی طرح فارسی ،اردو اور عربی کا شعبہ بھی ہے مگر اس جامعہ کے ساتھ منسلک معدودے چند مالیرکوٹلہ کے کالجوں کے کسی میں بھی فارسی اردو اور عربی کا شعبہ نہیں ہے۔ میری تحقیق کے مطابق خالصہ کالج پٹیالہ میں صرف اردو سرٹیفیکیٹ کورس کرایا جا رہا ہے۔یونیورسٹی کے ساتھ منسلک کالجز میں سے اگر صرف ۱۰ فیصد کالجوں میں اردو کا شعبہ ہوتا تو اس وقت کم از کم تیس کالجز میں اردو کی تعلیم دی جا رہی ہوتی۔اس خطے کے اردو طبقہ کو چاہئے کہ اپنے حقوق کی خاطر آواز بلند کریں اور پنجاب کے تعلیمی اداروں میں اردو کی تعلیم کو لازمی قرار دلوائیں۔اگر یہ اردو طبقہ آواز نہیں اٹھائے گا،خاموش بیٹھا رہے گا اور کوشش نہیں کریگا کہ اردو کیسے پھلے اور پھولے گی اس زبانِ اردو پر ظلم جاری رہے گا۔ پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ اور گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر کے ساتھ منسلک کالجوں میں شعبہ اردو و فارسی نہیں ہے۔حالانکہ ان دونوں جامعات میں اردو کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہے اور اردو و فارسی میں باضابطہ پوسٹ گریجویشن اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں کرائی جا رہی ہیں۔ پنجاب کے کالجوں اور اسکولوں میں جہاں ہندی اور پنجابی کی تعلیم کا انتظام ہے وہیں اردو اور فارسی کی تعلیم کا انتظام بھی

ہونا چاہئے تا کہ اردو، فارسی اور پنجابی کا جو آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ اسی رشتے کی بنا پر اس خطے میں پنجابی اور ہندی زبانوں کے ادب کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی زبانوں کا بھی فروغ ہونا لازمی ہے۔ اس سے نہ صرف مختلف زبانوں کے ادب کو پڑھنے اور سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ قومی یکجہتی کے جذبات کو بھی تقویت حاصل ہوگی۔

مشرقی پنجاب میں اردو کی ترقی کیسے ممکن ہوگی۔؟ اس کے لئے چند نکات جو میرے ذہن میں گردش کر رہے ہیں وہ یہ ہیں کہ:۔

۱۔ اہل اردو کا اولین فرض ہے کہ اپنے بچوں کو اردو کی تعلیم دلوائیں۔

۲۔ اس خطے کے سرکاری وغیر سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں اردو کی تعلیم کا با قاعدہ انتظام کیا جائے۔

۳۔ اردو میں روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں تا کہ اہل اردو کو اردو زبان میں ہی روزگار مل سکے۔

۴۔ اس خطے کے ریڈیو اسٹیشنوں اور ٹی وی چینلوں سے اردو نشریات جن میں خبریں، ڈرامے اور مشاعرے وغیرہ شامل ہوں کو نشر کیا جائے۔

۵۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی توجہ اردو کی طرف مبذول کرائی جائے۔

۶۔ اردو کی مفت تعلیم دی جائے اور آخر میں امتحان لیکر سرٹیفیکیٹ بھی دیے جائیں۔

۷۔ اس خطے کے بڑے بڑے شہروں میں اردو سکھانے کے ادارے قائم کئے جائیں۔

۸۔ اردو سکھانے کی مفت ہفت روزہ اور پندرہ روزہ ورکشاپس لگائی جائیں۔

۹۔ شہروں، اور دوسرے بھیڑ بھاڑ والے علاقوں میں پنجابی اور ہندی میں تحریر کردہ سائن بورڈ اور تختہ ہائے اعلانات کے ساتھ اردو میں تحریر کردہ بورڈ وغیرہ ہوں۔

پنجاب اردو اکیڈمی اور قومی کونسل فروغ برائے اردو زبان کو اس خطے میں اردو ترویج وفروغ کی خاطر مندرجہ بالا نکات کو عملی جامہ پہنانے میں اس خطے کے قلمکاروں کا اگر تعاون کریں تو یہ نکات کارگر ثابت ہونگے اور اس خطے میں ان

شاء اللہ اردو کا حال اور مستقبل تابناک ہوگا۔

مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق حوالے سے گذشتہ ابواب میں ذکر تقریباً ہو ہی گیا ہے اور اکثر و بیشتر اس خطے میں تحقیقی کاموں سے منسلک ایک طویل جماعت کا ذکر ہو چکا ہے۔ البتہ اس خطے میں اردو تحقیق کے کچھ ایسے نام بھی ہیں جنہوں نے اس میدان میں حال ہی میں قدم رکھا ہے۔ ان میں چند ایسے ہیں جو تحقیقی مضامین کے علاوہ ایک ایک تحقیقی کتاب کے مصنف بھی ہیں۔ ان نوجوان محققین میں ڈاکٹر عمرانہ خاتون، شیخ شبیر حسن، ڈاکٹر سالک جمیل براڑ، محمد عمر فاروق، ڈاکٹر عابدہ رفعت، ڈاکٹر کہکشاں فلک، ڈاکٹر لبنیٰ علی، ڈاکٹر عابد علی خان اور ڈاکٹر محمد عرفان ملک کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ان محققین کا سرسری تعارف کر دینا لازمی سمجھتا ہوں تاکہ ان کی تحقیقی خدمات کی حوصلہ افزائی ہو اور یہ محقق مزید تحقیقی کام انجام دیں۔ عمرانہ خاتون کی پیدائش ریاست اتر پردیش کے ایک مشہور ادبی ضلع بجنور میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر موصوفہ خود کو بڑا خوش قسمت سمجھتی ہیں کہ ان کا جنم ادبی شہر کے ایک ادبی گھرانے میں ہوا ہے۔ ان کے والد مدرس، شاعر اور صحافی بھی تھے۔ جس سے انھیں گھر میں ایک علمی ماحول میسر ہوا۔ لکھتی ہیں کہ:۔

> ''میرا آبائی وطن بجنور اردو زبان و ادب کے فروغ میں اپنی زریں خدمات کے لیے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس شہر کی ادبی اور تہذیبی روایات نے میرے ذہن کی نشونما میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ خوش قسمتی سے گھر میں علم پرور ماحول میسر ہوا۔ قبلہ والد صاحب مرحوم بیک وقت ٹیچر، شاعر، صحافی اور خوش نویس بھی تھے۔''

(اردو ادب اور انسانی اقدار کی بازیافت، ص ٦)

ان کی شادی مالیر کوٹلہ میں ہونے کے بعد وہیں قیام پذیر ہیں اور درس و تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ایم۔ اے تک کی تعلیم یو پی سے ہی حاصل کی تھی اور رشتہ ازدوجی میں منسلکی کے بعد پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے ''اردو رباعی

اورانسانی اقدار:تنقید وتجزیہ‘‘ کے موضوع پرڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ان کے تحقیقی وتنقیدی مضامین پرمبنی ایک کتاب’’ اردوادب اورانسانی اقدارکی بازیافت‘ کےعنوان سے۲۰۱۶ءمیں شائع ہوئی تھی۔

سالک جمیل براڑ۱۹۸۲ء میں مالیرکوٹلہ میں پیدا ہوئے۔شاعری وافسانہ نگاری پہلے سی ہی کرتے تھےمگر حال ہی تحقیقی میدان میں بھی قدم رکھا ہے۔پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے’’مشرقی پنجاب میں ادب اطفال کی روایت تحقیقی و تنقیدی جائزہ‘‘ کے موضوع پرڈاکٹرمحمد جمیل کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرچکی ہیں۔چند تحقیقی مضامین کے علاوہ انہوں نے کچھ کتابیں مرتب کرکےشائع بھی کی ہیں۔

محمد عمر فارق کا جنم۱۹۸۲ میں ہوا ایم۔اے اردواورتاریخ کے مضامین میں کرنے کے بعد ایم۔فل اردو میں کی تھی۔ناول نگار،افسانہ نگار،مترجم اورمحقق ہیں۔ان کی تحقیقی کتاب’’ مالیرکوٹلہ کا نمائندہ عصری اردوادب‘‘ہنوز زیرطبع ہے۔ان کے مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

عابدہ رفعت کی پیدائش۱۹۸۴ء میں یوپی میں ہوئی تھی۔ایم اے اردو کے بعد پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے’’ پنجاب میں اردومرثیہ تفہیم وتجزیہ‘‘ کےعنوان سےڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔ان کا پیشہ درس وتدریس ہےاوراسلامیہ گرلز کالج مالیرکوٹلہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

کہکشاں فلک ۱۹۸۶ءمیں مالیرکوٹلہ میں پیداہوئی تھی۔’’پنجاب کی خواتین افسانہ نگارتفہیم وتجزیہ‘‘ کےموضوع پر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی تھی۔ان کی تحقیقی کتاب تاحال کوئی شائع نہیں ہوئی ہے۔البتہ ان کے تحقیقی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اورابھی بھی ہورہے ہیں۔ان کے مطبوعہ مضامین میں :۔

۱۔صدی سال۲۰۱۲ میں منٹوفہمی رسالہ’’سخنور‘‘ کراچی

۲۔اردو، پنجاب اورپنجابیت ماہنامہ’’اردودنیا‘‘ دہلی

۳۔منٹوفہمی صدی سال کی آئینے میں (مجموعہ مقالات) ادب تحقیق

۴۔کرشن چنر کی کہانی کا ایک مثالی کردار''عالمی سہارا'' دہلی

۵۔راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں میں عورت (گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ)

لبنیٰ علی ۱۹۸۸ء میں مالیر کوٹلہ میں پیدا ہوئی تھی۔ ایم ۔اے اردو کے فوراً بعد پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے شعبہ فارسی،اردو وعربی میں''ہندوستانی پنجاب کے اعزاز یافتہ شعراء حیات وخدمات'' کے موضوع پر ڈاکٹر محمد جمیل کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مکمل کی تھی۔ان کی کوئی تحقیقی کتاب تاہنوز شائع نہیں ہوئی ہے۔چند تحقیقی مضامین لکھے ہیں۔ان کے مطبوعہ مضامین میں سے دو کے نام ذیل میں دیے جاتے ہیں

ا۔کرشن چندر کا ناول غدار ایک جائزہ (ادب تحقیق)

۲۔نفسیات کا شاعر ڈاکٹر ستنام سنگھ خمار

عابد علی خان کی ولادت ۱۹۷۷ء میں مالیر کوٹلہ میں ہوئی تھی۔پنجابی،اردو اور ہندی تینوں زبانوں میں افسانے اور کہانیاں لکھتے ہیں۔مذکورہ تینوں ہی زبانوں میں ان کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔حال ہی میں''اردو نثر نگاری میں مالیر کوٹلہ کی خدمات'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔تخلیقی میدان کے ساتھ ساتھ اب تحقیقی میدان میں بھی قدم رکھا ہے۔

محمد عرفان ملک کی ولادت مالیر کوٹلہ میں ہوئی۔ایم۔اے تک مالیر کوٹلہ میں ہی زیر تعلیم رہے۔بعد ازاں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں داخلہ لیا اور''مشرقی پنجاب میں اردو زبان وادب کی تدریس کا اجمالی جائزہ'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد جمیل کی نگرانی میں ڈگری حاصل کی تھی۔اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے ایوننگ کالج میں بطور گیسٹ فیکلٹی کام کر رہے ہیں۔ان کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے لکھا گیا مقالہ کتابی شکل میں چند تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ان کے ایک درجن سے زائد مضامین اردو رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ان میں سے چند ذیل میں درج ہیں۔

۱۔اردواور پنجاب کا باہمی رشتہ (اردو ریسرچ جرنل)

۲۔پنجاب میں اردو تعلیم رسالہ (آج کل)

۳۔محمد حسین آزاد کی ادبی خدمات (اردو ریسرچ جرنل)

۴۔پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ مین اردو تحقیق رسالہ (آج کل)

۵۔مشرقی پنجاب میں اردو تعلیم اور ہماری ذمہ داریاں (کتابی سلسلہ پنجاب)

مذکورہ بالا محققین کے علاوہ بھی چند ایک ہونگے جو میری نظر سے نہیں گزرے ہونگے یا جن تک میری رسائی نہیں ہوئی۔ مذکورہ محققین میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جن کی تحقیقی رفتار ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے بعد ماند پڑ گئی ہے۔ جو کہ اس خطہ میں اردو تحقیق کے مستقبل کے لئے اچھا نہیں ہے۔لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر اردو تحقیق کے فروغ میں سرگرداں ہیں۔

اردو زبان وادب اور تحقیق کے فروغ میں ادبی رسائل و جرائد کا اہم کردار ہوتا ہے۔ادب اور تحقیقی کام کو قارئین اور ادبی تحقیق کرنے والوں تک پہنچانے کا اہم کام یہی رسائل و جرائد انجام دیتے ہیں۔آج برصغیر پاک و ہند سے ان گنت اردو رسائل و جرائد شائع ہوتے ہیں۔آزادی قبل اور بعد بھی اس خطے سے ادبی رسائل و جرائد شائع ہوتے رہے ہیں اور اکا دکا آج بھی شائع ہو رہے ہیں۔اردو تحقیق میں مجلّات اور جرائد کے رول کے متعلق معین الدین لکھتے ہیں کہ:۔

> ''جامعات اور اداروں کے علاوہ تحقیق کو فروغ مجلّات اور جریدوں کے ذریعے بھی ملتا ہے اور اس کے وسیلے سے خود جامعات اپنے اساتذہ کے تحقیقی مقالات کی اشاعت کے لیے مؤثر اور مناسب وسیلہ فراہم کرتی ہیں یا وہ محققین جو ذاتی منصوبوں میں مصروف رہتے ہیں اور ان کا تعلق جامعات سے نہیں رہتا ایسے مجلّات میں اپنے مقالات شائع کراتے رہتے ہیں''

(اردو تحقیق و تدوین، مرتبہ رؤف پاریکھ، ص ۲۱۶۔۲۱۷)

اس خطے سے شائع ہونے والے چند رسائل وجرائد کا ذکر کرنا لازمی سمجھتا ہوں۔

۱۔سالانہ کلیرین گورنمنٹ کالج مالیر کوٹلہ

۲۔ماہنامہ پاسبان چنڈی گڑھ

۳۔ماہنامہ پکھراج مالیر کوٹلہ

۴۔ماہنامہ جانثار امرتسر

۵۔سہ ماہی اوقاف انبالہ کینٹ

۶۔ماہنامہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ

۷۔ماہنامہ پرواز ادب پٹیالہ

۸۔سالانہ مجلّہ یا میگزین نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ مالیر کوٹلہ

۹۔سالانہ کتابی سلسلہ ادیب انٹرنیشنل لدھیانہ

۱۰۔کتابی سلسلہ پنج آب مالیر کوٹلہ

مذکورہ بالا رسائل و جرائد میں سے اکثر ایسے ہیں جو بند ہو چکے ہیں۔ان میں سے چند ایک کا مختصر تعارف بھی پیش کرنے کی سعی کرونگا۔

پرواز ادب مارچ ۱۹۷۹ء میں بھاشا وبھاگ پٹیالہ کی جانب سے جاری کئے گئے ماہنامہ رسالہ ''پرواز ادب'' کو مسلسل شائع ہوتے ہوئے آج تقریباً ۴۱ برس ہوگئے ہیں۔اس ماہنامہ کے پہلے مدیران رجنیش کمار ورما اور ڈاکٹر کرم سنگھ کپور تھے۔موجودہ نگران اور مدیر اشرف محمود نندن ہیں۔ماہنامہ پرواز ادب جو خالص ادبی رسالہ ہے اور صرف پنجاب کے قلمکاروں کے ہی نہیں بلکہ ملک بھر کے قلمکار اس میں اپنی تخلیقات وتحقیقات چھپواتے ہیں۔اس میں ادبی تخلیقات کے علاوہ تحقیقی وتنقیدی مضامین،کتابوں کے تبصرے اور ادبی شخصیات کے انٹرویو بھی شائع ہوتے رہتے

ہیں۔ پروازادب کے اغراض ومقاصد جو اس کے ہر شمارے کے اندرون ٹائٹل پر مندرج ہوتے ہیں:۔

''محکمہ السنہ پنجاب کی جانب سے ماہنامہ پرواز ادب کے اجراء کا مقصد پنجاب کے اردو ادب کی ترویج وترقی میں معاونت کرنا ہے۔اس میں جہاں اردو کے مقتدر ادباء وشعراء کی تخلیقات کی اشاعت ہوتی ہے ۔وہاں پنجاب کے جواں سال ادیبوں کے افسانے ،ڈرامے ،تنقیدی وتخلیقی مضامین،طنزیہ ومزاحیہ خاکے،انشائیے ونظمیں بھی مناسب جگہ پاتے ہیں۔جس سے ان کی تخلیقی قوتوں کو جلا مل سکے۔اردوادب کے کلاسیکی فن پاروں کی اشاعت اور ہندی پنجابی اور دیگر زبانوں کے ادب کے شہکاروں کا ترجمہ بھی پروازِ ادب کے مقاصد میں شامل ہے۔''

(ماہنامہ پروازِادب پٹیالہ مئی جون۲۰۱۴)

پروازِ ادب کے مدیران نے ان اغراض و مقاصد کی پاسداری بڑی ایمانداری سے کی ہے اور کر بھی رہے ہیں۔ پروازِ ادب کی پروازصرف پنجاب تک ہی محدود نہیں بلکہ اس نے ملک بھر کے اردو طبقہ کو اپنا گرویدہ بنایا ہوا ہے۔اس میں معیاری تخلیقات اور مضامین شائع ہوتے ہیں۔ پرواز ادب نے اردو کی مختلف ادبی شخصیات پر خصوصی شمارے بھی شائع کیے ہیں۔ پرواز ادب اب بھی شائع ہورہا ہے مگراس کی اب وہ پہلے جیسی آب وتاب اور سمت ورفتار نہیں رہی ہے۔مشرقی پنجاب کا واحد ادبی رسالہ ہے جو عرصہ دراز سے ادبی تخلیقات وتحقیقات کو قارئین تک پہنچا رہا ہے۔اب یہ رسالہ زیادہ تاخیر سے ہی شائع ہوتا ہے۔ نہ صرف اس خطہ کے اردو طبقہ بلکہ پورے اردو طبقہ کی ذمہ واری بنتی ہے کہ اس رسالے کو اپنے قلمی تعاون کے ساتھ ساتھ مالی تعاون بھی کرتے رہیں تاکہ اس خطہ میں عرصہ دراز سے ادب کو زندہ رکھنے والا یہ رسالہ بھی زندہ رہ سکے۔

سالانہ مجلّہ میگزین نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز مالیرکوٹلہ کا قیام ۱۹۸۸ء میں عمل میں لایا گیا

تھا۔اردو کے فروغ میں اس ادارے نے اہم رول ادا کیا ہے اور مسلسل ۳۲ سالوں سے اردو کے ساتھ ساتھ فارسی و عربی زبانوں میں بھی تعلیمی و تحقیقی سرگرمیوں کو فروغ دے رہا ہے۔اس ادارے کی جانب سے ایک سالانہ مجلّہ بھی جاری کیا گیا ہے۔جس کا مقصد انسٹی ٹیوٹ کے تخلیقی و تحقیقی کام کو شائع کرنا تھا۔اس انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع کیے گئے مجلّے میگزین کی فہرست ذیل میں ہے۔

فارسی و اردو تحقیق حصہ اول اور دوم،جدید شعرائے مالیرکوٹلہ فن اور شخصیت، قدیم شعرائے مالیرکوٹلہ فن اور شخصیت، پنجاب میں اردو ادب، ہندوستان میں فارسی ادب،نثر نگاران مالیرکوٹلہ فن اور شخصیت نمبر وغیرہ۔

مجلّہ مالیرکوٹلہ (ماضی حال اور مستقبل)۔اس انسٹی ٹیوٹ سے شائع ہونے والے تین مجلّات قدیم شعرائے مالیرکوٹلہ فن اور شخصیت، پنجاب میں اردو ادب ،نثر نگاران مالیرکوٹلہ فن اور شخصیت نمبر میرے مطالعہ میں آئے ہیں۔پنجاب کے اردو ادب کے حوالے سے یہ تینوں مجلّے کافی اہم ہیں۔مگر پنجاب کے اردو ادب کی بدقسمتی کہیے یا اردو طبقہ کی لاپرواہی کہ ۲۰۰۹ کے بعد اس انسٹی ٹیوٹ سے کوئی مجلّہ شائع نہیں ہوا ہے۔اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کہ پنجاب میں اردو تحقیق کا مستقبل کیا ہوگا۔؟ اس میں شک نہیں ہے کہ یہ مجلّے ادبی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں اور تقسیم کے بعد اس خطے میں اردو کے فروغ میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔مالیرکوٹلہ کے اردو ادب اور تہذیب وثقافت کو سمجھنے کے لئے بھی ان مجلّات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔مالیرکوٹلہ کے گمشدہ قلمکاروں کو بروئے کار لانے میں ان مجلّات کا اہم رول رہا ہے۔

کلیرین: سرکاری کالج مالیرکوٹلہ سے یہ سالانہ کلیرین ہر سال شائع کیا جاتا ہے۔اس میں کالج کے دیگر شعبوں کی مانند اردو اور فارسی بھی اس کا حصہ ہیں اور اس اردو حصہ کیلئے ۱۶ صفحات مختص ہیں۔کلیرین کا اردو سیکشن اس بات کا شاہد ہے کا یہ حصہ اردو قلمکاروں کی پچھلی کئی دہائیوں سے کالج کی سطح سے ہی تربیت کرتا آیا ہے اور آگے بھی کرتا رہے گا۔اس کلیرین کے اردو حصہ کا نگران صدرِ شعبہ ہوتا ہے۔مدیر اور معاون مدیر کالج کے طالب علم حضرات میں سے ہی ہوتے

ہیں۔اس کلیرین کے بارے میں ڈاکٹر محمد اسلم لکھتے ہیں کہ:۔

''ضرورت اس بات کی ہے کہ گورنمنٹ کالج میں پڑھنے والے اردو طلباء کو اس کلیرین سے جوڑا جائے،ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ ماضی کی طرح حال میں بھی اس سرزمین مالیرکوٹلہ سے منظور حسن نامی، پریم وار برٹنی، خالد کفایت، محمد بشیر مالیرکوٹلوی، اشرف محمود نندن اور سلک جمیل براڑ جیسے قلمکار ابھر کر سامنے آتے رہیں اور یہ نسل در نسل کا سلسلہ چلتے رہے۔''

(مشرقی پنجاب کا صحافتی سفر،ص۱۰۸)

پنج آب:مشرقی پنجاب سے کئی رسالے شائع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بند بھی ہوگئے۔حال ہی میں سالک جمیل براڑ نے''پنج آب''نام کا ایک ادبی رسالہ مالیرکوٹلہ سے شائع کیا ہے۔اس کے پانچ شمارے نکل چکے ہیں۔اس کتابی سلسلہ نما رسالہ میں تحقیقی و تنقیدی مضامین کے علاوہ ادبی تخلیقات بھی شائع کی جاتی ہیں۔اس رسالے نے کچھ ادبی شخصیات کے پر بھی مخصوص نمبر بھی نکالے ہیں۔اس کا پہلا شمارہ ''نئی نسل تحقیق و تنقید نمبر''تھا۔دوسرے شمارے میں اردو کی چار ادبی شخصیات کے گوشوں کے علاوہ چند تحقیقی و تنقیدی مضامین بھی شامل تھے۔تیسرا شمارہ گوشہ بشیر چراغ کے نام سے شائع ہوا ہے۔چوتھا شمارہ خورشید بسمل حیات کے نام اور اس کا پانچوں شمارہ مرغوب اثر فاطم کے نام شائع ہو اہے۔ابھی یہ رسالہ ابتدائی مراحل میں ہے اس کا معیار اور اس کی رفتار ابھی ذرا دھیمی اور کم ہے۔امید ہے کہ اس کا مستقبل روشن ہوگا۔

آزادی کے بعد مشرقی پنجاب سے کافی تعداد میں رسائل و جرائد شائع ہوتے رہے ہیں اور تھوڑی مدت کے بعد بند بھی ہو جاتے ہیں۔ان کے بند ہونے کی جو وجوہات سامنے آئی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ اس خطے میں اردو کا چلن بہت کم ہے اور جو تھوڑے بہت اردو جاننے والے ہیں بھی ان کی ان رسائل سے قلمی اور مالی تعاون کرنے سے کنارہ کشی

اختیار کرنا ہے۔اس خطہ میں اردو پڑھنے اور لکھنے والوں کا شوق کم ہی نہیں ہوا بلکہ اس کی تعلیم بھی حاصل نہیں کرنا چاہتے ۔عصر حاضر میں صرف دو ہی رسالے اس خطے سے شائع ہو رہے ہیں ایک ''پروازِ ادب'' اور دوسرا ''پنج آب'' اگر اردو طبقہ کا قلمی اور مالی تعاون ان رسائل کو مستقبل میں میسر نہ رہا تو وہ دن دور نہیں کہ یہ رسائل بھی اس خطے سے شائع ہونے والے دوسرے رسائل کی طرح ماضی کا قصہ پارینہ بن کر رہ جائیں گئے۔

اردو زبان و ادب اور تحقیق و تنقید کے فروغ میں رسائل کے علاوہ اخبارات کا بھی اہم حصہ رہا ہے اور آج بھی ہے۔دنیا بھر سے اردو کے سینکڑوں اخبارات نکل رہے ہیں۔مشرقی پنجاب سے بھی آزادی کے بعد تا حال تقریباً ۲۰ اخبار شائع ہوئے ہونگے مگر ماسوائے ''ہند سماچار'' تمام اخبارات بند ہو گئے ہیں۔بند ہونے کی وجہ صرف یہی رہی کہ اردو اخبار پڑھنے والوں کی تعداد اس خطے میں بالکل سکڑ کر رہ گئی ہے۔اس وقت اردو پڑھنے اور لکھنے والے سوائے مالیر کوٹلہ کے پورے مشرقی پنجاب میں مشکل سے ہی ملیں گے۔جس علاقے میں اردو پڑھنے والے ہی نہیں ہونگے اس خطے میں اردو اخبار شائع کرنا یا کرنے کی سوچنا ''بھینس کے آگے بین بجانا'' کے مترادف ہے۔لہذا رسائل کی طرح اخبارات بھی شائع ہونا بند ہو گئے ہیں۔آزادی کے بعد اس خطے سے روزنامے ہفت روزہ،اور پندرہ روزہ اخبارات شائع ہوتے رہے ہیں۔ان میں سے چند اخبارات کا ذکر کرنا لازمی سمجھتا ہوں۔

ان روزناموں میں جالندھر سے شائع ہونے والوں میں ملاپ، پرتاپ،اجیت اور ہند سماچار اور لدھیانہ ایکسپرس لدھیانہ سے شائع ہوئے تھے۔ہفتہ وار اخبارات میں لیڈی راج اور صدائے اہل پنجاب مالیر کوٹلہ سے،''چنگاری'' فیروز پور اور ''جذبات'' جالندھر سے شائع ہو رہے تھے۔پندرہ روزہ اخبارات میں ''صدائے وطن'' موگا نرالی دنیا ،فاران اور تابناک مالیر کوٹلہ سے شائع ہوتے تھے۔

ان اخبارات کے نام اور مقام اشاعت سے ایسا لگتا ہے کہ اس علاقے میں اردو پڑھنے والے رہے ہونگے۔لیکن رفتہ رفتہ اردو پڑھنے والوں کا حلقہ کم ہونے کی وجہ سے ان اخبارات کی سرکولیشن کم ہو گئی تھی۔یہی ایک وجہ تھی کہ ان کے

مالکان کوانھیں بند کرنا پڑا تھا۔اب ان اخبارات کو بند ہوئے بھی ایک عرصہ بیت گیا ہے۔

اردو تحقیق کے فروغ میں لائبریریوں کا بھی اہم رول ہوتا ہے۔آج ہزاروں کی تعداد میں ایسی لائبریاں موجود ہیں جن میں اردو کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے جن سے اردو طبقہ استفادہ کرسکتا ہے۔آج سائنس اور تکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں اردو والوں نے بھی ترقی کی ہے اور کئی آن لائن اردو لائبریریاں وجود میں آئی ہیں۔جن سے کوئی بھی آسانی سے اپنے گھر میں بیٹھ کر استفادہ کرسکتا ہے۔ریختہ ایک ایسی آن لائن لائبریری ہے جس سے اردو کی نہ صرف جدید بلکہ نادرونایاب کتابیں بھی پڑھنے کوملتی ہیں۔ان آن لائن لائبریریوں سے پڑھنے میں وہ مزہ کہاں ہے جو لائبریری میں بیٹھ کر کتاب سامنے رکھ کر مطالعہ کرنے میں ہے۔تحقیقی لائبریریوں کے متعلق سید فرحت حسین لکھتے ہیں کہ:۔

تحقیق کے میدان میں لائبریری کا اہم مقام ہے۔لائبریری کی سہولت اور اس میں موجود کتابوں اور مخطوطات کے ذخائر تحقیق کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ہر یونیورسٹی میں ایک سینٹرل لائبریری ہے۔بعض میں ریسرچ لائبریری کا علیحدہ بھی انتظام ہے۔ان کے علاوہ بہت سی سرکاری،غیر سرکاری اور ذاتی لائبریریاں اور کتب خانے بھی ہیں جن میں انتہائی مفید اور معلوماتی خزینے جمع ہیں اور تحقیق کے بعض نئے ابواب ان ہی کے استفادے سے کھل سکتے ہیں''

(اردو میں اصولِ تحقیق،مرتبہ ڈاکٹر سلطانہ بخش،ص ۳۷۴)

عصر حاضر میں محقق کو ہر طرح کی آسانیاں میسر ہیں گھر بیٹھے ہی کتابیں دنیا کے کسی بھی کونے سے منگوا سکتے ہیں۔اس کے علاوہ پہلے زمانے میں جب کبھی محقق کتاب ڈھونڈنے لائبریری کی الماریاں چھان مارتا اور گھنٹوں اور دنوں کی محنت بھی کبھی کبھار رائیگاں جاتی تھی مگر آج لائبریری میں جاؤ وہاں پر لگے کمپیوٹر سسٹم میں کتاب کو اس کے ٹائٹل یا مصنف کے نام سے سرچ کر کے لائبریری میں رکھی کتاب کا پتہ مل جاتا ہے۔

مشرقی پنجاب میں بھی کافی لائبریریوں میں اردو کی کتابیں ہیں ۔ان لائبریریوں میں راجندر سنگھ بیدی لائبریری شعبہ فارسی ،اردو وعربی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، بھائی کاہن سنگھ لائبریری پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ،مرکزی لائبریری پٹیالہ ،بھاشا وبھاگ لائبریری پٹیالہ، پنجاب اردو اکیڈمی مالیرکوٹلہ،نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز لائبریری مالیرکوٹلہ اسی طرح پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ اور گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر میں بھی اردو کی لائبریریاں ہیں جن میں اردو کی کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔

پنجاب ایک ایسا خطہ ہے جہاں سے اردو کی داغ بیل پڑی ہے۔مگر آج اردو اپنے ہی گھر میں اجنبیوں کی سی زندگی گزار رہی ہے۔ان صفحات کو سیاہ کرنے ،اردو کے ماضی اور حال کا تجزیہ کرنے سے اس خطے میں اردو اور اردو تحقیق پر جو روشنی پڑی ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس علاقے میں اردو کا مستقبل نہ ہی زیادہ تشویشناک ہے اور نہ زیادہ تابناک ہے البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو اور اردو تحقیق کو اس خطے میں بہتر بنانے کوشش کی جانی چاہیئے تا کہ اس کا مستقبل بہتر ہو سکے۔

اس خطے میں اردو تحقیق کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے چند نکات پیش کرنے کی کوشش کروں گا جن پر حال میں عملی جامہ پہنانا ہوگا تو اس سے اردو تحقیق کا مستقبل کافی اچھا ہوسکتا ہے۔

ا۔اردو تحقیق کے مستقبل کے بارے میں سوچنے اور پیشن گوئی کرنے سے بہتر ہے کہ اردو میں تحقیق کی جائے اور تحقیق کروائی جائے۔اس سے اردو اور اردو تحقیق دونوں کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے۔

۲۔اس خطے کی یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق کا لازمی ہونا۔

۳۔اس خطے کی جامعات میں اردو کے مستقل پروفیسروں کی تقرریاں عمل میں لانا تا کہ ہر سال زیادہ سے زیادہ اسکالر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے داخلہ لے سکیں۔

۴۔اردو کا یونیورسٹیوں کے علاوہ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھایا جانا چاہیئے۔

۵۔اردو محققین کی اصلاحی اور معاشی طور پر امداد کرنا۔ان کی تحقیقی کتابوں کو مفت چھپوانا۔

۶۔اس خطے کے محققین کو ان کے تحقیقی کارناموں کے عوض حوصلہ افزائی کی صورت میں انعامات سے نوازا جانا چاہیئے۔

۷۔اس خطے میں ریاستی،قومی اور بین الاقوامی سطح کے سیمینار منعقد کروانا اور پنجاب اور بیرونِ پنجاب کی مختلف ادبی شخصیات کو ان میں مدعو کرنا۔

۸۔اردو محققین کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ اردو تحقیق کے موقع پر تحقیقی کام کو ایمانداری اور تندہی سے کریں کٹ اور پیسٹ سے احتراز کریں۔

حاصل مطالعہ

پنجاب کی دھرتی صرف تاریخی، تہذیبی، مذہبی اور روحانی اعتبار سے ہی منفرد و یکتا نہیں بلکہ ادبی لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے۔اسے گیان اور دھیان کی دھرتی بھی کہا جاتا ہے۔اس سرزمین پر مختلف صوفی، سنتوں، عالموں اور قلمکاروں وغیرہ نے جنم لیا ہے۔ان لوگوں نے صرف اس خطے کی عوام کو ہی نہیں بلکہ پوری عالمِ انسانیت کو اپنی تخلیقات اور پیغامات سے محبت، بھائی چارہ اور آپسی رواداری کا درس دیا تھا جس کا اثر آج تک اس خطے میں دکھائی دے رہا ہے۔اس خطے نے نہ صرف یہاں کی مادری زبان پنجابی کی پرورش کی اور فروغ دیا بلکہ علاقائی زبان کے ساتھ ساتھ کئی دوسری زبانوں کا بھی مسکن ہے اور انہیں فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔اس خطے کی زبانوں میں اردو بھی ایک اہم زبان ہے۔جس کے متعلق ایک مدت تک بلکہ اب بھی محمود شیرانی کا یہ نظریہ قابلِ قبول ہے کہ اس زبان کا جنم پنجاب میں ہوا ہے۔محمود شیرانی کے اس نظریے کی تائید پنجاب کے قلمکاروں اور دانشوروں کے علاوہ دیگر علاقہ جات کے قلمکاروں نے بھی کی ہے۔ان دانشوروں میں نظر شیر علی خان سرخوش، پروفیسر حمید احمد خان اور ڈاکٹر جمیل جالبی وغیرہ شامل ہیں۔

اردو زبان و ادب کی پرورش و پرداخت پنجاب کے قلمکاروں نے خوب کی اور اسے ترقی دینے اور بامِ عروج تک پہنچانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔اس علاقے میں اب بھی پنجابی، ہندی اور اردو زبانوں میں ادب تخلیق ہو رہا ہے۔یہاں پر اردو ادب کے حوالے سے بات کرنا مقصود ہے لہذا اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرتے ہوئے یہ بات قابلِ رقم ہے کہ پنجاب نے اردو کی آبیاری کرنے میں ایک نمایاں رول ادا کیا ہے۔اردو زبان و ادب سے وابستہ پنجاب کے قلمکاروں نے تقریباً ادب کی تمام نثری و شعری اصناف ہی نہیں بلکہ ہر میدان میں گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔اردو ادب کے کئی ایسے میدان جن میں تحقیق، تنقید، ناول، سوانح اور جدید نظم نگاری کے علاوہ کئی ادبی تحریکات وغیرہ کا سنگِ میل پنجاب کو ہی کہا جا سکتا ہے۔اردو میں تحقیق کا آغاز بھی اسی خطے سے ہوا تھا اور پہلا ادبی محقق محمد حسین آزاد کو تسلیم کیا گیا ہے۔ہم اردو کی پہلی ادبی تحقیقی کتاب آزادؔ کی تصنیف ''آبِ حیات'' کو کہہ سکتے ہیں۔آزادؔ کے ساتھ ساتھ الطاف حسین حالیؔ نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اور حیاتِ سعدیؔ، حیاتِ جاوید اور یادگارِ غالبؔ جیسی سوانح

عمریاں لکھ کر اردو تحقیق کی روایت کو مستحکم کیا۔حالؔی سے قبل اردو تحقیق ہمیں صرف ''آبِ حیات'' سمیت دیگر تذکروں میں ہی دکھائی دیتی ہے۔مگر حالؔی نے تذکرہ نگاری سے ہٹ کر انفرادی تحقیق کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔تذکروں میں مکمل تحقیقی شواہد دستیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ ان تذکروں میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو تخلیق کے وقت ذاتی پسند اور ناپسند پر کی بنا پر بھی لکھے گئے تھے لیکن پھر بھی اردو تحقیق کی ابتداء و ارتقاء میں ان تذکروں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔اردو ادب میں تذکرہ نگاری کا آغاز میر تقی میؔر سے ہوتا ہے اور ان کا تذکرہ ''نکات الشعراء'' ۱۷۵۲ء کو اردو کا اولین تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس کے بعد اسی طرز پر ان گنت تذکرے لکھے گئے جن میں سے چند قابلِ ذکر تذکرے ''تذکرہ ریختہ گویاں''، ''تذکرہ شعرائے اردو''، تذکرہ مخزن الشعراء، تذکرہ ہندی، تذکرہ گلشنِ ہند، طبقات الشعراء اور گلدستہ نازنین وغیرہ ہیں۔

بلاشبہ یہ تذکرے نہ تو مکمل تحقیق ہیں کے اور نہ ہی تحقیقی اصولوں کے مطابق لکھے گئے ہیں مگر ان کی ادبی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ان ہی تذکروں سے ہمیں اردو کے چند مشاہیر شعراء کی سوانح، مختصر انتخاب اور کلام پر تجزیہ دستیاب ہو جاتا ہے۔تحقیق کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوتا ہے اور تحقیق کے حوالے سے مولوی عبدالحق کا نام سرفہرست ہے۔مولوی عبدالحق نے کتابوں، مخطوطات اور شعرائے اردو کے تذکروں کی بازیافت کی ہے۔نکات الشعراء، تذکرہ ریختہ گویاں، ریاض الفصحا، سب رس، قطب مشتری، گلشنِ عشق اور معراج العاشقین یہ سب آپ کی کوششوں سے منظر عام پر آئیں ہیں۔اس کے علاوہ متعدد دواوین کی تلاش و تحقیق کر کے ان پر تحقیقی مقدمات بھی لکھے ہیں۔تیسرا اہم نام قاضی عبدالودود کا ہے جنھوں نے محمود شیرانی کی روایت کو آگے بڑھایا۔عیارستان، اشتر و سوزن اور غالبؔ بحیثیت محقق وغیرہ ان کی تحقیقی کارنامے ہیں۔اردو تحقیق کو مزید وسعت بخشنے میں مولانا امتیاز علی عرشی ہیں۔انہوں نے تدوین کی طرف خصوصی توجہ دی۔غالبیات سے متعلق بھی کئی کتابیں دریافت کیں ہیں۔اردو محققین میں رشید حسن خان کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے تحقیق سے آپ کی خاص مزاجی مناسبت تھی۔فسانۂ عجائب، باغ و بہار، مثنوی سحر البیاں اور گلزار نسیم وغیرہ کی ترتیب و تدوین کی گئی ہے۔

پنجاب کے قلمکاروں نے جہاں ایک طرف ادب کے ہر میدان میں اپنی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں وہیں دوسری

جانب تحقیق وتنقید کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔پنجاب میں ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کا آغاز بھی محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات سے ہوتا ہے۔آزاد ایک متنوع شخصیت کے مالک تھے انہوں نے اردو ادب چاہے وہ نثر ہو یا نظم تحقیق ہو یا تنقید ہر میدان میں گراں قدر اضافے کیے ہیں۔ان کی مایہ ناز کتاب نے نہ صرف آزاد کو ہی حیات بخشی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اردو کی تاریخ کو مکمل کرنے اور حیاتِ جاوِداں بخشی ہے تو بے جا ہوگا۔اس میں شک نہیں ہے کہ آزاؔد کی یہ کتاب تاریخ بھی ہے، تذکرہ بھی اور تحقیقی کتاب بھی ہے۔اس کتاب کو آزاؔد نے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے اور ولؔی دکنی سے لے کر غالبؔ تک کے چند مشاہیر شعراء کو شامل کیا ہے۔اس کتاب میں شعراء کی مختصر سوانح کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کا انتخاب اور تجزیہ بھی کیا ہے۔اس کتاب پر کافی تنقید بھی کی گئی ہے جو بے بنیاد نہیں ہے مگر پھر بھی ہم اس تذکرہ کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔

محمد حسین کے ساتھ ساتھ اس تحقیقی کام کو تقویت بخشنے والوں میں حالؔی، محمود شیرانی، مولانا غلام سول مہؔر، شیخ محمد اکرام اور مالک رام کے نام کافی اہم ہیں۔ان محققین نے اردو تحقیق میں کافی اضافے کیے ہیں۔آزادی اور تقسیم ہند سے قبل یہ خطہ یعنی پنجاب اردو کا ایک اہم مرکز تھا اور اردو کے بہت بڑے بڑے اور معتبر عالم، فاضل، ادیب وشاعر اور ناقد و محقق اے خطے میں آباد تھے اور اردو زبان وادب بڑے ہی آب وتاب کے ساتھ پھل پھول رہے تھے لیکن پھر حالات میں کچھ ایسا الٹ پھیر آیا کہ اس خطے میں موجود اردو کے اکثر وبیشتر دانشور منتشر ہو گئے جس سے اردو زبان وادب کو بہت زق پہنچا جس کا ذمہ دار تقسیمِ ہند کا المیہ ہے۔اس تقسیم نے نہ صرف ایک نئے ملک کو جنم دیا بلکہ پنجاب جو کہ ایک خوشحال صوبہ تھا اسے بھی تقسیم کر دیا گیا اور پنجاب کا ایک بڑا حصہ اس نئے ملک پاکستان میں شامل کر دیا گیا۔تقسیم کی افراتفری سے جو خوفناک حالات پیدا ہوئے اس سے ہجرت کا عمل شروع ہوا اور عام لوگوں کے ساتھ ساتھ قلم کار اور فنکار بھی ہجرت کر کے محفوظ مقامات پر منتقل ہو گئے۔ان ہجرت کرنے والوں میں اردو کے ایسے ادیب وشاعر بھی شامل تھے جو عرصہ دُراز سے اس خطے میں اردو کی آبیاری کر رہے تھے۔ان کی ہجرت نے اس خطے کے اردو ادب کو بہت نقصان پہنچایا۔اس خطے میں اردو کی محفلیں سونی پڑ گئیں۔اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک برتا گیا گویا یہ اپنے ہی گھر سے بے گھر کر دی گئی۔اردو تحقیق جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوئی ہی تھی کہ تقسیم سے ایسے متاثر ہوئی

کہ ایک مدت تک اس میدان میں کوئی کارنامہ سامنے نہیں آیا تھا لیکن جب حالات تھوڑے سازگار ہوئے اس تحقیقی میدان میں جو خاموشی چھائی ہوئی تھی وہ ٹوٹی اور پھر ہندو پاک میں ادبی تحقیق کو ایسا فروغ حاصل ہوا کہ اس دور کو ہم اگر اردو تحقیق کا عہدِ زریں کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس دور میں سندی اور غیر سندی تحقیق میں گراں قدر اضافے ہوئے اور جامعات اردو تحقیق کا مرکز بن گئیں۔ جامعات سے باہر بھی کئی بلند پایہ محققین نے اپنی تحقیق کے ذریعے ادبی تاریکیوں کو روشن کیا اور تحقیق کے نئے اصول بھی وضع کیے۔ اس تحقیقی کام میں مشرقی پنجاب بھی پیش پیش رہا۔ اگرچہ اس خطے میں تحقیقی کام کافی تاخیر سے شروع ہوا پھر اردو تحقیق کے تئیں یہاں کافی اہم کام انجام دئے گئے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں غیر سندی تحقیق کی شروعات

تقسیم کے بعد ہی شروع ہوگئی تھی مگر سندی تحقیق کی ابتداء ستر کی دہائی میں ہوئی۔ اس کے بعد بکثرت سندی و غیر سندی تحقیقی کارنامے منظر عام پر آئے۔ ان کارناموں میں متون کی تصحیح و ترتیب، اصناف، عہد اور مشاہیر ادب پر تحقیق، رسائل کے حواشی، کتابوں کی فہرس، ادبی تاریخ، لغات اور تبصرے وغیرہ تصنیف کئے گئے ہیں۔ اس خطے میں جو تحقیقی کام ہوا اس کا اجمالی جائزہ لینا مشکل ہے۔

مشرقی پنجاب میں اردو ادب کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ تحقیق و تدوین کا کام بھی بڑی آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے اور کئی تحقیقی و تدوینی کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اس خطے میں ادباء و شعراء کے علاوہ ناقدین اور محققین بھی کافی تعداد موجود ہیں جنہوں نے اس میدان میں کافی کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ جب میں نے مشرقی پنجاب میں کی گئی تحقیق کے حوالے سے مطالعہ کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ یہاں کی تحقیق اور محققین کے موضوع پر ابھی تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا تھا اور یہ ہی کوئی باضابطہ تصنیف سامنے آئی ہے جس سے ہمیں اس خطہ میں کی گئی اردو تحقیق کے متعلق جانکاری فراہم ہوتی کہ یہاں پر تحقیق کا آغاز کب ہوا؟ اس خطے کا پہلا محقق کون ہے اور پہلی تحقیقی تصنیف کون سی اور کب تحریر میں آئی۔؟ ان ہی سوالوں کے جواب کی خاطر مقالہ نگار نے اپنے تحقیقی کام کے لئے ''**مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق: ایک مطالعہ**'' کے عنوان سے موضوع کا انتخاب کیا تاکہ پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں کی گئی تحقیق منظر عام پر آسکے اور اس میدان میں ایک اہم اور نئے باب کا اضافہ ہوسکے۔ اس کے

علاوہ فکر و تحقیق کے نئے در بھی وا ہو سکیں۔اس موضوعِ تحقیق کو میں نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

میرے مقالے کا پہلا باب ''پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت'' ہے جسے راقم الحروف نے دو ذیلی ابواب میں منقسم کیا ہے۔ پہلا'' آزادی سے قبل پنجاب میں اردو تحقیق''اور دوسرا'' آزادی کے بعد پنجاب میں اردو تحقیق'۔ پنجاب میں جہاں تک اردو تحقیق کی روایت کا ذکر ہے اس کا آغاز انیسویں صدی کے آخری دہائیوں میں ہوا۔پنجاب میں اردو تحقیق کی ابتداء محمد حسین آزاد کے ہاتھوں ۱۸۸۰ء میں آب حیات کی اشاعت سے ہوتی ہے۔اگر چہ یہ کتاب تحقیقی اصولوں کے مطابق نہیں ہے لیکن ایک نیا تجربہ ہونے کے ناطے اس میں چند خامیوں اور کمیوں کا ہونا میرے نزدیک کوئی خامی نہیں ہے۔ان خامیوں کو جب ہم نظر انداز کر کے دیکھتے ہیں تو ''آب حیات'' میں ہمیں صرف اردو تحقیق کے ابتدائی نقوش ہی نہیں ملتے بلکہ یہ ایک با قاعدہ ادبی تحقیق کا نمونہ ہے۔آبِ حیات کے متعلق ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ

> ''آبِ حیات ہماری صنف غزل کی طرح ہے۔اس میں لاکھ کیڑے نکالیے لیکن اس سے مفر ممکن نہیں۔۔۔آج ہمارے سامنے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہر اہم شاعر کا جو تصور ہے وہ آبِ حیات ہی کا عطا کردہ ہے۔تاریخی اعتبار آبِ حیات ہر جگہ درست نہ سہی لیکن ہماری ہر تاریخ ادب پر بھاری ہے۔اس میں جو چہکتی بولتی زندگی جو روح جھندہ ہے وہ دوسری تاریخوں میں کہاں۔ یہ تاریخ بھی ہے تخلیق بھی۔اس نے آبِ حیات پیا ہے، پلایا ہے۔''

(اردو میں اصولِ تحقیق ،مرتبہ رؤف پاریکھ،ص۲۸۲)

اردو تحقیق میں آزاد کے سامنے اس وقت ماسوائے تذکروں کے کوئی تحقیقی نمونے پیشِ نظر نہیں تھے لہذا ان کمیوں کا ہونا فطری تھا۔آنے والے محققین نے آبِ حیات کو ہی نمونہ بنا کر تحقیقی میدان میں قدم رکھا۔اس کے بعد اس خطے میں تحقیق کی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں حالؔی کا نام بھی قابل ذکر ہے انہوں نے نہ صرف تحقیقی روایت کے آغاز کو استحکام بخشا بلکہ اردو میں سوانح نگاری کے آغاز کا سہرا بھی ان ہی کے سر جاتا ہے۔اس دور کے دوسرے محققین میں محمود

شیرانی ''پنجاب میں اردو'' کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے، موصوف نے لسانی اور ادبی تحقیق میں کافی کارنامے انجام دئے ہیں۔ غلام رسول مہر نے مولانا ابوالکلام آزاد اور غالبؔ کے حوالے سے تحقیق کی ہے۔ اس کے علاوہ مالک رام نے بھی غالبیات کو ہی موضوعِ تحقیق بنایا اور ''غالب نامہ'' ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ شیخ محمد اکرام کا نام بھی غالبیات کے سلسلے میں اہم ہے اور ''ارمغانِ غالب'' ان کا اہم کارنامہ ہے۔ مذکورہ بالا محققین نے اس خطے میں آزادی سے قبل اردو تحقیق کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے فروغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔

اس کے بعد دوسرے ذیلی عنوان میں '' آزادی کے بعد پنجاب میں اردو تحقیق'' کے حوالے سے متحدہ پنجاب کے محققین کی نشاندہی کرنے کے بعد ان محققین کی تحقیق کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ بیسویں دراصل اردو تحقیق کی صدی ہے اور اس میں اردو تحقیق نے جو منازل طے کئے وہ قابلِ رشک ہیں۔ جہاں تک اس خطے میں اردو تحقیق کا تعلق ہے وہ دوسری ریاستوں کے شانہ بشانہ ترقی کی راہوں کو سر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔ اردو کی ادبی تاریخ جیسے پنجاب کے قلمکاروں کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے اسی طرح اردو تحقیق کی تاریخ بھی پنجاب کے محققین کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔

آزادی کے بعد اس خطے کے محققین میں پہلا نام نظیر لدھیانوی کا ہے۔ ان کے اہم تحقیقی کام تذکرہ شعرائے اردو اور تاریخ ادب اردو ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اقبالیات کے حوالے سے ایک اہم نام ہے انہوں نے مسائلِ اقبال اور مقاماتِ اقبال اور اس کے علاوہ اور بھی جملہ مسائل کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ شیخ محمد اکرام اور مالک رام نے آزادی سے قبل اور مابعد آزادی بھی تحقیقی خدمات انجام دی ہیں۔ عین الحق فریدکوٹی کا بیسویں صدی کے ماہرینِ لسانیات کے حوالے سے ایک اہم نام ہے انہوں نے ''اردو زبان کی قدیم تاریخ'' کے نام سے ۱۹۷۲ء میں شائع کی تھی۔ انہوں نے اردو زبان کو ہند آریائی نہیں بلکہ دراوڑی گردانا ہے۔ ان کے علاوہ وزیر آغا، ڈاکٹر وحید قریشی، مشفق خواجہ، انیس ناگی، تبسم کاشمیری، محمد زکریا، سید معین الرحمٰن اور انور سدید وغیرہ جیسے باوقار محققین پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

مقالے کے دوسرا باب ''مشرقی پنجاب میں اردو کے اہم محقق'' کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں پہلے

تقسیمِ ہند کے پنجاب پر اثرات اور تقسیمِ پنجاب کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کے علاوہ مشرقی و مغربی پنجاب کا قیام اور تقسیم سے قبل پنجاب میں اردو کی صورتحال اور مابعد تقسیم مشرقی پنجاب میں اردو کی پامالی کا سرسری نقشہ کھینچا ہے۔اس باب میں مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے تقریباً بیس محققین کو شامل کر کے ان کی مختصر سوانح اور تحقیقی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ان محققین کی فہرست میں کچھ ایسے نام بھی شامل ہیں جنہوں نے تحقیق کے علاوہ اردو ادب کے ذخیرے میں بھی اپنی تصنیفات سے اضافہ کیا ہے۔شامل باب محققین کو تاریخِ پیدائش کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔سب سے پہلے پنڈت رتنؔ پنڈوروی کو شامل کیا ہے۔رتنؔ نے مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی شمع اور تحقیقی شمع کو اس وقت بھی جلائے رکھا جب یہ زبان اس خطے سے جلاوطن کر دگئی تھی۔ان کی تحقیقی خدمات نورتن، ہندی کے مسلمان شعراء اور تحقیقی مباحث کی شکل میں منظرِ عام پر آئیں۔اس سلسلے کا دوسرا نام رام لعل نابھوی کا ہے۔رام لعل طنز و مزاح نگار تھے مگر انہوں نے تلوک چند محروم اور چکبست جیسے بلند پایہ قلمکاروں پر تحقیقی کتب لکھ کر خود کو مشرقی پنجاب کے محققین کی صف میں شامل کر لیا تھا۔کالی داس گپتا رضاؔ مشرقی پنجاب میں غالبؔ اور ذوقؔ کے ناقد اور محقق کے حوالے سے جانے جاتے ہیں ۔غالبیات ان کا پسندیدہ موضوع تھا اور اس تعلق سے متعلقاتِ غالبؔ اور غالبؔ درونِ خانہ ان کی اہم کتب ہیں۔آزادؔ گلاٹی کی تحقیقی کتب اذکار اور افکار کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔امرت لعل عشرت نے تحقیق اور تدوین میں کافی اہم کام کیے ہیں جن سخنوارانِ بنارس اور ترتیب کلیاتِ سوداؔ اہمیت کے حامل ہیں۔ڈاکٹر نریش نے مشرقی پنجاب کے فکشن ،شاعری اور تحقیق و تنقید میں کافی نام کمایا ہے۔تحقیق کے حوالے سے ادب کی پرکھ اور جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر اہم کتابیں ہیں۔مذکورہ محققین کے علاوہ خالد کفایت ،انسپکٹر محمد حبیب (گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ حصہ نظم اور نثر)،انوار احمد انصاری (پنجاب کا طنزیہ و مذاحیہ نثری ادب) ڈاکٹر سلیم زبیری نے پنجاب کی غزلیہ شاعری کے حوالے سے ''آزادی کے بعد پنجاب میں اردو غزل'' کے عنوان سے کتاب شائع کی گئیں تھیں۔مشرقی پنجاب کی صحافت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اسلم نے اہم کام کیا ہے۔ان کی تحقیق کا موضوع ہی ادبی صحافت ہے۔انہوں نے صحافت کی تاریخ بھی ''تاریخ اردو صحافتِ پنجاب'' کے عنوان سے لکھ کر اس میدان میں ایک سنگ میل قائم کیا ہے۔اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد تحقیقی کتب ہیں۔پنجاب کی ڈرامہ نگاری کے حوالے ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے اہم کام کیا ہے اس کے علاوہ انہوں نے کافی

کتابیں مرتب بھی کی ہیں۔ مشرقی پنجاب کی تحقیق کے حوالے سے یہ باب کافی اہم ہے۔

اس مقالے کا تیسرا باب ''مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق'' کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں راقم نے ان جامعات میں ہونے والی تحقیق کی فہرست سازی کے علاوہ ان جامعات سے منسلک پروفیسر صاحبان کی تحقیقی خدمات کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اس باب کے آغاز میں ہندوستانی جامعات میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کا آغاز کب ہوا اور کس یونیورسٹی نے پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی اور کس کو کی؟ ان تمام سوالات کے جوابات مع دلائل پیش کئے ہیں اور اپنی تحقیق سے کچھ نظریات اور تحقیقات کو منسوخ بھی کیا ہے۔ ہندوستانی جامعات سے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ کلکتہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے ۱۹۳۱ء میں پہلی پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کو عطا کی ہے مگر میں نے مع دلائل اس بات کی تردید کی ہے کہ ڈاکٹر موموصوف نہ تو اردو کے پہلے پی ایچ ڈی ہیں اور نہ ہی اردو میں پی۔ ایچ ڈی ہیں بلکہ اردو کے پہلے پی ایچ۔ ڈی سید رفیق حسین ہیں اور انہیں الہ آباد یونیورسٹی نے ۱۹۴۲ء میں ڈگری عطا کی ہے اور پہلی ڈی لٹ کی ڈگری بھی اسی یونیورسٹی سے ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے حاصل کی تھی۔

مشرقی پنجاب میں تیس سے زائد جامعات ہیں مگر صرف تین جامعات میں اردو میں تحقیق کروائی جارہی ہے ان جامعات میں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ، گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر اور دیش بھگت یونیورسٹی گوبند گڑھ شامل ہیں۔ ان چاروں جامعات میں سے سب سے زیادہ تحقیقی کام پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں ہوا ہے۔ اس جامعہ کے شعبہ اردو کے پہلے صدر کرپال سنگھ بیدآر بنے اور تحقیقی کام کی شروعات ستر کی دہائی میں ہوگئی تھی اور پہلی ایم ۔فل کی ڈگری ذاکر حسین نقوی کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد یہ تحقیقی کارواں متواتر ترقی کرتا ہوا آج اکیسویں صدی کی تیسری دہائی میں داخل ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ اس جامعہ کے تقریباً نو پروفیسر صاحبان کی مختصر سی سوانح اور تحقیقی خدمات پر بھی گفتگو کی ہے۔ اس خطے کی دوسری جامعہ پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ اس میں اردو تحقیق کا آغاز اسی کی دھائی میں ہوا تھا ۔اس جامعہ نے پہلی پی ایچ ڈی کی سند سوہن سنگھ نے حاصل کی اور پہلے صدرِ شعبہ کا صدر ہونے کا اعزاز ڈاکٹر ہارون ایوب کو حاصل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بھی ہے اور چنڈی گڑھ میں بھی لیکن اردو زبان وادب کی تحقیق اور تدریس کے حوالے سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کا نام ومقام کافی بلند ہے۔ مشرقی پنجاب کی اردو کے حوالے سے تیسری

اہم جامعہ گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر ہے۔اس جامعہ میں اردو تحقیق کا آغاز ستر کی دہائی میں ہی ہوا تھا اور پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری برکت علی ہے نے ۱۹۸۱ء میں حاصل کی تھی۔اس جامعہ کے پہلے صدرِ شعبہ پروفیسر قمر رئیس بنے۔ دیش بھگت یونیورسٹی گوبندگڑھ نے بھی سال رواں سے اردو تحقیق کا کام شروع کرایا ہے جہاں ڈاکٹر سالک جمیل بطورِ پروفیسر کام کررہے ہیں۔

اس مقالے کا چوتھا باب ''مشرقی پنجاب کی جامعات میں تخلیق کردہ اہم تحقیقی وتنقیدی مقالے'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں اول تو سندی اور غیر سندی تحقیق کے حوالے سے مختصرسی وضاحت کی گئی ہے۔پھر جامعات میں کی جانے والی تحقیقی کاموں کے معیار پر بھی سرسری بحث کی گئی ہے۔اس باب کو مزید چار ضمنی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا ذیلی باب شاعری کے حوالے سے لکھے گئے اہم مقالات،اس باب میں پانچ مقالات پنجاب کی اردو غزل،اردو مرثیہ،اردو نظم،سکھ شعراء اور پنجاب کی شاعرات شامل کر کے ان پر تبصرہ کیا ہے۔دوسرے ذیلی باب میں نثر کے حوالے سے پانچ مقالات شامل کئے ہیں جن میں ناول،افسانہ،خواتین افسانہ نگار،سکھ نثر نگار اور اردو ڈرامے کی روایت کے متعلق مقالات کا مختصر تبصرہ کیا گیا ہے۔تیسرا ذیلی باب شخصیات کے حوالے سے ہیں۔اس باب میں تین اہم شخصیات کے مقالے شامل کئے ہیں جن کا تعلق مشرقی پنجاب سے ہی ہے۔ان شخصیات میں گوپال متل،کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر اور پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی شامل ہیں۔متفرقات کے حوالے سے بھی دو مقالے شامل کئے ہیں جن میں سے ایک پنجاب میں اردو زبان کی درس وتدریس اور دوسرا پنجاب کی اردو خود نوشت نگاری کے متعلق ہے۔ویسے تو ان جامعات میں تحریر کردہ تمام مقالات اپنے موضوع اور معیار کے اعتبار سے اہم ہیں مگر راقم الحروف نے صرف مشرقی پنجاب کے اردو ادب کے تعلق سے لکھے گئے مقالات میں سے چند کو شامل کر کے ان پر ہی تبصرہ کیا ہے۔شاملِ باب مقالات کا انتخاب مذکورہ تینوں جامعات سے کیا گیا ہے۔

اس مقالے کا پانچواں اور آخری باب ''مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کا مستقبل'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں راقم نے مشرقی پنجاب میں اردو کے ماضی،حال اور مستقبل کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اس خطے میں اردو تحقیق کے مستقبل کو اس خطے میں اردو کے مستقبل کے ساتھ جوڑنے کی سعی کی ہے کہ اگر اس خطے میں اردو رہے گی تو اردو تحقیق کا

وجود بھی قائم رہے گا۔اس خطے میں نئی نسل کے چند محققین کا مختصر تعارف اوران کی تحقیقی کاوشوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن کے ہاتھوں میں اس خطے کی اردو تحقیق اور اردو زبان کا مستقبل ہے۔لائبریریوں ،ادبی رسائل وجرائد اور تحقیقی و تعلیمی مراکز کا بھی اردو تحقیق کے فروغ میں ایک اہم کردار ہوتا ہے۔اس خطے میں موجود لائبریریوں اور رسائل وجرائد کا بھی مختصر تعارف پیش کیا ہے۔اردو زبان اور تحقیق کے مستقبل کے متعلق چند نکات بھی پیش کئے ہیں۔ان میں سے ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ

> ''اردو تحقیق کے مستقبل کے بارے میں سوچنے اور پیشن گوئی کرنے سے بہتر ہوگا کہ اردو میں تحقیق کی جائے اور تحقیق کروائی جائے۔اس سے اردو اور اردو تحقیق دونوں کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے۔''

اس باب میں جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس خطے میں اردو تحقیق کا مستقبل تابناک ہے۔

مجموعی طور پر اس تحقیقی مقالے میں مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کے حوالے سے جو جو کام ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد جائزہ لیا گیا ہے۔جس سے پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت اور موجودہ صورتِ حال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا ہے میں نے مشرقی پنجاب کی تحقیق کے حوالے سے تمام پہلوؤں کو سمیٹ لیا ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے اپنی بساط کے مطابق تمام کوشش کی ہے اور جو پہلو سامنے لائے ہیں وہ آنے والے محققین کے لئے کافی معاون ہونگے اور مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کے حوالے سے اس نوعیت کا پہلا مقالہ بھی ہوگا۔مجھے امیدِ کامل ہے کہ اس خطے ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کے حوالے سے یہ مقالہ کافی اہم ثابت ہوگا اور اردو تحقیق کی تاریخ میں ایک نئے باب کو وا کرنے کی کوشش کریگا۔اس مقالے کے ذریعے مشرقی پنجاب کے اکثر و بیشتر محققین کو اردو تحقیق کی دنیا سے متعارف کرایا گیا ہے۔مجھے امید ہے کہ مستقبل میں جب بھی مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کا مطالعہ کیا جائے گا میرا یہ مقالہ اس ضمن میں ضرور معاون ومددگار ثابت ہوگا۔

☆☆☆

Ph.D. THESIS SUMMARY

MASHRIQI PUNJAB MEIN URDU KI ADABI TEHQEEQ: EK MUTALIA

مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق: ایک مطالعہ

فیکلٹی آف لینگویجز پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ
میں پیش کیا گیا خلاصہ برائے پی ایچ۔ڈی۔

اردو

۲۰۲۱

نگران

ڈاکٹر محمد جمیل
(پروفیسر و سابقہ صدر)

مقالہ نگار

اقبال احمد

Registration Date 17/09/2018

شعبۂ فارسی، اردو و عربی پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ
(پنجاب)

پنجاب کی دھرتی صرف تاریخی ،تہذیبی ، مذہبی اور روحانی اعتبار سے ہی منفرد و یکتا نہیں ہے بلکہ ادبی لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے۔اسے گیان اور دھیان کی دھرتی بھی کہا جاتا ہے۔اس سرزمین پر مختلف صوفی ،سنتوں ، عالموں اور قلمکاروں وغیرہ نے جنم لیا ہے۔ان لوگوں نے صرف اس خطے کی عوام کو ہی نہیں بلکہ پوری عالمِ انسانیت کو اپنی تخلیقات اور پیغامات سے محبت ، بھائی چارے اور آپسی رواداری کا درس دیا تھا جس کا اثر آج تک اس خطے میں دکھائی دے رہا ہے۔اس خطے نے نہ صرف یہاں کی مادری زبان پنجابی کی پرورش کی اور فروغ دیا بلکہ علاقائی زبان کے ساتھ ساتھ کئی دوسری زبانوں کا بھی مسکن ہے اور انہیں فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔اس خطے کی زبانوں میں اردو بھی ایک اہم زبان ہے۔جس کے متعلق ایک مدت تک بلکہ اب بھی محمود شیرانی کا یہ نظریہ قابلِ قبول ہے کہ اس زبان کا جنم پنجاب میں ہوا ہے۔محمود شیرانی کے اس نظریے کی تائید پنجاب کے قلمکاروں اور دانشوروں کے علاوہ دیگر علاقہ جات کے قلمکاروں نے بھی کی ہے۔ان دانشوروں میں نظر شیر علی خان سرخوش، پروفیسر حمید احمد خان اور ڈاکٹر جمیل جالبی وغیرہ شامل ہیں۔

اردو زبان وادب کی پرورش و پرداخت پنجاب کے قلمکاروں نے خوب کی اور اسے ترقی دینے اور بامِ عروج تک پہنچانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔اس علاقے میں اب بھی پنجابی، ہندی اور اردو زبانوں میں ادب تخلیق ہو رہا ہے۔یہاں پر اردو ادب کے حوالے سے بات کرنا مقصود ہے لہذا اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرتے ہوئے یہ بات قابلِ رقم ہے کہ پنجاب نے اردو کی آبیاری کرنے میں ایک نمایاں رول ادا کیا ہے۔اردو زبان و ادب سے وابستہ پنجاب کے قلمکاروں نے تقریباً ادب کی تمام نثری وشعری اصناف ہی نہیں بلکہ ہر میدان میں گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔اردو ادب

کے کئی ایسے میدان جن میں تحقیق ،تنقید، ناول ،سوانح اور جدید نظم نگاری کے علاوہ کئی ادبی تحریکات وغیرہ کا سنگِ میل پنجاب کو ہی کہا جا سکتا ہے۔اردو میں تحقیق کا آغاز بھی اسی خطے سے ہوا تھا اور پہلا ادبی محقق محمد حسین آزآد کو تسلیم کیا گیا ہے۔ہم اردو کی پہلی ادبی تحقیقی کتاب آزآد کی تصنیف ''آبِ حیات'' کو کہہ سکتے ہیں ۔آزآد کے ساتھ ساتھ الطاف حسین حاؔلی نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اور حیاتِ سعدیؔ، حیاتِ جاوید اور یادگارِ غالبؔ جیسی سوانح عمریاں لکھ کر اردو تحقیق کی روایت کو مستحکم کیا۔حاؔلی سے قبل اردو تحقیق ہمیں صرف ''آبِ حیات'' سمیت دیگر تذکروں میں ہی دکھائی دیتی ہے۔مگر حاؔلی نے تذکرہ نگاری سے ہٹ کر انفرادی تحقیق کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔تذکروں میں مکمل تحقیقی شواہد دستیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ ان تذکروں میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو تخلیق کے وقت ذاتی پسند اور ناپسند پر کی بنا پر بھی لکھے گئے تھے لیکن پھر بھی اردو تحقیق کی ابتداء وارتقاء میں ان تذکروں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔اردو ادب میں تذکرہ نگاری کا آغاز میر تقی میؔر سے ہوتا ہے اور ان کا تذکرہ ''نکات الشعراء'' ۱۷۵۲ء کو اردو کا اولین تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس کے بعد اسی طرز پر ان گنت تذکرے لکھے گئے جن میں سے چند قابلِ ذکر تذکرے ''تذکرہ ریختہ گویاں''، ''تذکرہ شعرائے اردو''، تذکرہ مخزن الشعراء، تذکرہ ہندی، تذکرہ گلشنِ ہند، طبقات الشعراء اور گلدستہ نازنین وغیرہ ہیں۔

بلاشبہ یہ تذکرے نہ تو مکمل تحقیق ہیں کے اور نہ ہی تحقیقی اصولوں کے مطابق لکھے گئے ہیں مگر ان کی ادبی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ان ہی تذکروں سے ہمیں اردو کے چند مشاہیر شعراء کی سوانح ،مختصر انتخاب اور کلام پر تجزیہ دستیاب ہو جاتا ہے۔تحقیق کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوتا ہے اور تحقیق کے حوالے سے مولوی عبدالحق کا نام سرِ فہرست ہے۔مولوی عبدالحق نے کتابوں ،مخطوطات اور شعرائے اردو کے تذکروں کی بازیافت کی ہے۔نکات الشعراء، تذکرہ ریختہ گویاں ،ریاض الفصحا ،سب رس ،قطب مشتری ،گلشنِ عشق اور معراج العاشقین یہ سب آپ کی کوششوں سے منظر عام پر آئیں ہیں۔اس کے علاوہ متعدد دواوین کی تلاش و تحقیق کر کے ان پر تحقیقی مقدمات بھی لکھے ہیں۔تیسرا اہم نام

قاضی عبدالودود کا ہنے جنھوں نے محمود شیرانی کی روایت کو آگے بڑھایا عیارستان، اشتر وسوزن اور غالبؔ بحیثیت محقق وغیرہ ان کی تحقیقی کارنامے ہیں۔اردو تحقیق کو مزید وسعت بخشنے میں مولانا امتیاز علی عرشی ہیں۔انہوں نے تدوین کی طرف خصوصی توجہ دی۔غالبیات سے متعلق بھی کئی کتابیں دریافت کیں ہیں۔اردو محققین میں رشید حسن خان کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے تحقیق سے آپ کی خاص مزاجی مناسبت تھی۔فسانۂ عجائب، باغ وبہار، مثنوی سحرالبیاں اور گلزار نسیم وغیرہ کی ترتیب وتدوین کی۔

پنجاب کے قلمکاروں نے جہاں ایک طرف ادب کے ہر میدان میں اپنی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں وہیں دوسری جانب تحقیق وتنقید کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔پنجاب میں ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کا آغاز بھی محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات سے ہوتا ہے۔آزاد ایک متنوع شخصیت کے مالک تھے انہوں نے اردو ادب چاہے وہ نثر ہو یا نظم تحقیق ہو یا تنقید ہر میدان میں گران قدر اضافے کیے ہیں۔ان کی مایہ ناز کتاب نے نہ صرف آزاد کو ہی حیات بخشی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اردو کی تاریخ کو مکمل کرنے اور حیاتِ جاوِداں بخشی ہے تو بے جا ہوگا۔اس میں شک نہیں ہے کہ آزادؔ کی یہ کتاب تاریخ بھی ہے، تذکرہ بھی اور تحقیقی کتاب بھی ہے۔اس کتاب کو آزادؔ نے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے اور ولیؔ دکنی سے لے کر غالبؔ تک کے چند مشاہیر شعراء کو شامل کیا ہے۔اس کتاب میں شعراء کی مختصر سوانح کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کا انتخاب اور تجزیہ بھی کیا ہے۔اس کتاب پر بہت تنقید بھی کی گئی ہے جو بے بنیاد نہیں ہے مگر پھر بھی ہم اس تذکرہ کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔

محمد حسین کے ساتھ ساتھ اس تحقیقی کام کو تقویت بخشنے والوں میں حالیؔ، محمود شیرانی، مولانا غلام سول مہرؔ، شیخ محمد اکرام اور مالک رام کے نام کافی اہم ہیں۔ان بزرگوں نے اردو تحقیق میں کافی اضافے کیے ہیں۔آزادی اور تقسیم ہند سے قبل یہ خطہ یعنی پنجاب اردو کا ایک اہم مرکز تھا اور اردو کے بہت بڑے بڑے اور معتبر عالم، فاضل، ادیب وشاعر اور ناقد ومحقق اے خطے میں آباد تھے اور اردو زبان وادب بڑے ہی آب وتاب کے ساتھ پھل پھول رہے تھے لیکن پھر حالات میں کچھ

ایساالٹ پھیر آیا کہ اس خطے میں موجوداردو کے اکثر و بیشتر دانشور منتشر ہو گئے جس سے اردو زبان وادب کو بہت زق پہنچا جس کا ذمہ دار تقسیم ہند کا المیہ ہے۔اس تقسیم نے نہ صرف ایک نئے ملک کو جنم دیا بلکہ پنجاب جو کہ ایک خوشحال صوبہ تھا اسے بھی تقسیم کر دیا گیا اور پنجاب کا ایک بڑا حصہ اس نئے ملک پاکستان میں شامل کر دیا گیا۔تقسیم کی افراتفری سے جو خوفناک حالات پیدا ہوئے اس سے ہجرت کا عمل شروع ہوا اور عام لوگوں کے ساتھ ساتھ قلم کار اور فنکار بھی ہجرت کر کے محفوظ مقامات پر منتقل ہو گئے ۔ان ہجرت کرنے والوں میں اردو کے ایسے ادیب وشاعر بھی شامل تھے جو عرصہ دراز سے اس خطے میں اردو کی آبیاری کر رہے تھے۔ان کی ہجرت نے اس خطے کے اردو ادب کو بہت نقصان پہنچایا۔اس خطے میں اردو کی محفلیں سونی پڑ گئیں ۔اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک برتا گیا گویا یہ اپنے ہی گھر سے بے گھر کر دی گئی ۔اردو تحقیق جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوئی ہی تھی کہ تقسیم سے ایسے متاثر ہوئی کہ ایک مدت تک اس میدان میں کوئی کارنامہ سامنے نہیں آیا تھا لیکن جب حالات تھوڑے سازگار ہوئے اس تحقیقی میدان میں جو خاموشی چھائی ہوئی تھی وہ ٹوٹی اور پھر ہندو پاک میں ادبی تحقیق کو ایسا فروغ حاصل ہوا کہ اس دور کو ہم اگر اردو تحقیق کا عہدِ زریں کہیں تو بے جا نہ ہوگا ۔اس دور میں سندی اور غیر سندی تحقیق میں گراں قدر اضافے ہوئے اور جامعات اردو تحقیق کا مرکز بن گئیں۔جامعات سے باہر بھی کئی بلند پایہ محققین نے اپنی تحقیق کے ذریعے ادبی تاریکیوں کو روشن کیا اور تحقیق کے نئے اصول بھی وضع کیے۔اس تحقیقی کام میں مشرقی پنجاب بھی پیش پیش رہا۔اگر چہ اس خطے میں تحقیقی کام کافی تاخیر سے شروع ہوا پھر اردو تحقیق کے تئیں یہاں کافی اہم کام انجام دئے گئے ہیں۔مشرقی پنجاب میں غیر سندی تحقیق کی شروعات تقسیم کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی مگر سندی تحقیق کی ابتداء ستر کی دہائی میں ہوئی ۔اس کے بعد بکثرت سندی و غیر سندی تحقیقی کارنامے منظر عام پر آئے ۔ان کارناموں میں متون کی تصحیح و ترتیب،اصناف ،عہد اور مشاہیرِ ادب پر تحقیق ،رسائل کے حواشی،کتابوں کی فہرس،ادبی تاریخ،لغات اور تبصرے وغیرہ تصنیف کئے گئے ہیں۔اس خطے میں جو تحقیقی کام ہوا اس کا اجمالی جائزہ لینا مشکل ہے۔

مشرقی پنجاب میں اردو ادب تخلیقیت کے ساتھ ساتھ تحقیق وتدوین کا کام بھی بڑی آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے اور کئی تحقیقی وتدوینی کتابیں زیورِطباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آ چکی ہیں۔اس خطے میں ادباء وشعراء کے علاوہ ناقدین اور محققین بھی کافی تعداد موجود ہیں جنہوں نے اس میدان میں کافی کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔جب میں نے مشرقی پنجاب میں کی گئی تحقیق کے حوالے سے مطالعہ کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ یہاں کی تحقیق اور محققین کے موضوع پر ابھی تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا تھا اور یہ ہی کوئی باضابطہ تصنیف سامنے آئی ہے جس سے ہمیں اس خطہ میں کی گئی اردو تحقیق کے متعلق جانکاری فراہم ہوتی کہ یہاں پر تحقیق کا آغاز کب ہوا؟ اس خطے کا پہلا محقق کون ہے اور پہلی تحقیقی تصنیف کون سی اور کب تحریر میں آئی۔؟ان ہی سوالوں کے جواب کی خاطر مقالہ نگار نے اپنے تحقیقی کام کے لئے ''مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق: ایک مطالعہ'' کے عنوان سے موضوع کا انتخاب کیا تا کہ پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں کی گئی تحقیق منظرِعام پر آ سکے اور اس میدان میں ایک اہم اور نئے باب کا اضافہ ہو سکے۔اس کے علاوہ فکر و تحقیق کے نئے در بھی وا ہو سکیں۔اس موضوعِ تحقیق کو میں نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

میرے مقالے کا پہلا باب ''پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت'' ہے جسے راقم الحروف نے دو ذیلی ابواب میں منقسم کیا ہے ۔پہلا ''آزادی سے قبل پنجاب میں اردو تحقیق'' اور دوسرا ''آزادی کے بعد پنجاب میں اردو تحقیق'۔پنجاب میں جہاں تک اردو تحقیق کی روایت کا ذکر ہے اس کا آغاز انیسویں صدی کے آخری دہایئوں میں ہوا۔پنجاب میں اردو تحقیق کی ابتداء محمد حسین آزاد کے ہاتھوں ۱۸۸۰ء میں آب حیات کی اشاعت سے ہوتی ہے۔اگر چہ یہ کتاب تحقیقی اصولوں کے مطابق نہیں ہے لیکن ایک نیا تجربہ ہونے کے ناطے اس میں چند خامیوں اور کمیوں کا ہونا میرے نزدیک کوئی خامی نہیں ہے۔ان خامیوں کو جب ہم نظر انداز کر کے دیکھتے ہیں تو ''آب حیات'' میں ہمیں صرف اردو تحقیق کے ابتدائی نقوش ہی نہیں ملتے بلکہ یہ ایک باقاعدہ ادبی تحقیق کا نمونہ ہے۔آبِ حیات کے متعلق ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ

''آبِ حیات ہماری صنف غزل کی طرح ہے۔اس میں لاکھ کیڑے نکالیے لیکن اس سے

مفر ممکن نہیں۔۔۔آج ہمارے سامنے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہر اہم شاعر کا جو تصور ہے وہ آب حیات ہی کا عطا کردہ ہے۔تاریخی اعتبار آبِ حیات ہر جگہ درست نہ سہی لیکن ہماری ہر تاریخ ادب پر بھاری ہے۔اس میں جو چہکتی ہولتی زندگی جو روح جھندہ ہے وہ دوسری تاریخوں میں کہاں۔یہ تاریخ بھی ہے تخلیق بھی۔اس نے آبِ حیات پیا ہے، پلایا ہے۔''

(اردو میں اصولِ تحقیق،مرتبہ رؤف پاریکھ،ص۲۸۲)

اردو تحقیق میں آزاد کے سامنے اس وقت ماسوائے تذکروں کے کوئی تحقیقی نمونے پیش نظر نہیں تھے لہذا ان کمیوں کا ہونا فطری تھا۔آنے والے محققین نے آبِ حیات کو ہی نمونہ بنا کر تحقیقی میدان میں قدم رکھا۔اس کے بعد اس خطے میں تحقیق کی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں حالؔی کا نام بھی قابل ذکر ہے انہوں نے نہ صرف تحقیقی روایت کے آغاز کو استحکام بخشا بلکہ اردو میں سوانح نگاری کے آغاز کا سہرا بھی ان ہی کے سر جاتا ہے۔اس دور کے دوسرے محققین میں محمود شیرانی ''پنجاب میں اردو'' کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے،موصوف نے لسانی اور ادبی تحقیق میں کافی کارنامے انجام دئے ہیں۔غلام رسول مہر نے مولانا ابوالکلام آزاد اور غالبؔ کے حوالے تحقیق کی ہے۔اس کے علاوہ مالک رام نے بھی غالبیات کو ہی موضوعِ تحقیق بنایا اور ''غالب نامہ'' ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔شیخ محمد اکرام کا نام بھی غالبیات کے سلسلے میں اہم ہے اور ''ارمغانِ غالب'' ان کا اہم کارنامہ ہے۔مذکورہ بالا محققین نے اس خطے میں آزادی سے قبل اردو تحقیق کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے فروغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔

اس کے بعد دوسرے ذیلی عنوان میں ''آزادی کے بعد پنجاب میں اردو تحقیق'' کے حوالے سے متحدہ پنجاب کے محققین کی نشاندہی کرنے کے بعد ان محققین کی تحقیق کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔بیسویں دراصل اردو تحقیق کی صدی ہے اور اس میں اردو تحقیق نے جو منازل طے کئے ہیں وہ قابل رشک ہیں۔جہاں تک اس خطے میں اردو تحقیق کا تعلق ہے

وہ دوسری ریاستوں کے شانہ بشانہ ترقی کی راہوں کو سر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔اردو کی ادبی تاریخ جیسے پنجاب کے قلمکاروں کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے اسی طرح اردو تحقیق کی تاریخ بھی پنجاب کے محققین کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔

آزادی کے بعد اس خطے کے محققین میں پہلا نام نظیر لدھیانوی کا ہے۔ان کے اہم تحقیقی کام تذکرہ شعرائے اردو اور تاریخ ادب اردو ہیں۔ڈاکٹر سید عبداللہ اقبالیات کے حوالے سے ایک اہم نام ہے انہوں نے مسائلِ اقبال اور مقاماتِ اقبال اور اس کے علاوہ اور بھی جملہ مسائل کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔شیخ محمد اکرام اور مالک رام نے آزادی سے قبل اور مابعد آزادی بھی تحقیقی خدمات انجام دی ہیں۔عین الحق فرید کوٹی کا بیسویں صدی کے ماہرینِ لسانیات کے حوالے سے ایک اہم نام ہے انہوں نے ''اردو زبان کی قدیم تاریخ'' کے نام سے ۱۹۷۲ء میں شائع کی۔انہوں نے اردو زبان کو ہند آریائی نہیں بلکہ دراوڑی گردانا ہے۔ان کے علاہ وزیر آغا، ڈاکٹر وحید قریشی، مشفق خواجہ، انیس ناگی، تبسم کاشمیری، محمد زکریا، سید معین الرحمٰن اور انور سدید وغیرہ جیسے باوقار محققین پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

مقالے کے دوسرا باب ''مشرقی پنجاب میں اردو کے اہم محقق'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں پہلے تقسیمِ ہند کے پنجاب پر اثرات اور تقسیمِ پنجاب کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کے علاوہ مشرقی و مغربی پنجاب کا قیام اور تقسیم سے قبل پنجاب میں اردو کی صورتحال اور مابعد تقسیم مشرقی پنجاب میں اردو کی پامالی کا سرسری نقشہ کھینچا ہے۔اس باب میں مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے تقریباً بیس محققین کو شامل کر کے ان کی مختصر سوانح اور تحقیقی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ان محققین کی فہرست میں کچھ ایسے نام بھی شامل ہیں جنہوں نے تحقیق کے علاوہ اردو ادب کے ذخیرے میں بھی اپنی تصنیفات سے اضافہ کیا ہے۔شامل باب محققین کو تاریخِ پیدائش کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔سب سے پہلے پنڈت رتنؔ پنڈوروی کو شامل کیا ہے۔رتنؔ نے مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی شمع اور تحقیقی شمع کو اس وقت بھی جلائے رکھا جب یہ زبان اس خطے سے جلاوطن کر دی گئی تھی۔ان کی تحقیقی خدمات نورتن، ہندی کے مسلمان شعراء اور تحقیقی مباحث کی

شکل میں منظرِ عام پر آئیں۔اس سلسلے کا دوسرا نام رام لعل نابھوی کا ہے۔رام لعل طنز و مزاح نگار تھے مگر انہوں نے تلوک چند محروم اور چکبست جیسے بلند پایہ قلمکاروں پر تحقیقی کتب لکھ کر خود کو مشرقی پنجاب کے محققین کی صف میں شامل کر لیا۔کالی داس گپتا رضاؔ مشرقی پنجاب میں غالبؔ اور ذوقؔ کے ناقد اور محقق کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔غالبیات ان کا پسندیدہ موضوع تھا اور اس تعلق سے متعلقاتِ غالبؔ اور غالبؔ درونِ خانہ ان کی اہم کتب ہیں۔آزادؔ گلاٹی کی تحقیقی کتب اذکار اور افکار کے نام سے شائع ہوئیں۔امرت لعل عشرت نے تحقیق اور تدوین میں کافی اہم کام کیے ہیں جن سخنواران بنارس اور ترتیب کلیاتِ سوداؔ اہمیت کے حامل ہیں۔ڈاکٹر نریش نے مشرقی پنجاب کے فکشن،شاعری اور تحقیق وتنقید میں کافی نام کمایا ہے تحقیق کے حوالے سے ادب کی پرکھ اور جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر اہم کتابیں ہیں۔مذکورہ محققین کے علاوہ خالد کفایت،انسپکٹر محمد حبیب (گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ حصہ نظم اور نثر)،انوار احمد انصاری (پنجاب کا طنزیہ ومذاحیہ نثری ادب) ڈاکٹر سلیم زبیری نے پنجاب کی غزلیہ شاعری کے حوالے سے ''آزادی کے بعد پنجاب میں اردو غزل'' کے عنوان سے کتاب شائع کی۔مشرقی پنجاب کی صحافت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اسلم نے اہم کام کیا ہے ۔ان کی تحقیق کا موضوع ہی ادبی صحافت ہے۔انہوں نے صحافت کی تاریخ بھی ''تاریخ اردو صحافتِ پنجاب'' کے عنوان سے لکھ کر اس میدان میں ایک سنگ میل قائم کیا۔اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد تحقیقی کتب ہیں۔پنجاب کی ڈرامہ نگاری کے حوالے ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے اہم کام کیا ہے اس کے علاوہ انہوں نے کافی کتابیں مرتب بھی کی ہیں۔مشرقی پنجاب کی تحقیق کے حوالے سے یہ باب کافی اہم ہے۔

اس مقالے کا تیسرا باب ''مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں راقم نے ان جامعات میں ہونے والی تحقیق کی فہرست سازی کے علاوہ ان جامعات سے منسلک پروفیسر صاحبان کی تحقیقی خدمات کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے۔اس باب کے آغاز میں ہندوستانی جامعات میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری کا آغاز کب ہوا اور کس یونیورسٹی نے پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی اور کس کو کی؟ ان تمام سوالات کے جوابات مع دلائل پیش کیے ہیں اور

اپنی تحقیق سے کچھ نظریات اور تحقیقات کو منسوخ بھی کیا ہے۔ ہندوستانی جامعات سے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ کلکتہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے ۱۹۳۱ء میں پہلی پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کو عطا کی ہے مگر میں نے مع دلائل اس بات کی تردید کی ہے کہ ڈاکٹر موموصوف نہ تو اردو کے پہلے پی ایچ ڈی ہیں اور نہ ہی اردو میں پی۔ایچ ڈی ہیں بلکہ اردو کے پہلے پی ایچ۔ڈی سید رفیق حسین ہیں اور انہیں الہ آباد یونیورسٹی نے ۱۹۴۲ء میں ڈگری عطا کی ہے اور پہلی ڈی لٹ کی ڈگری بھی اسی یونیورسٹی سے ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے حاصل کی۔

مشرقی پنجاب میں تیس سے زائد جامعات ہیں مگر صرف تین جامعات میں اردو میں تحقیق کروائی جارہی ہے ان جامعات میں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ اور گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر شامل ہیں۔ان تینوں جامعات میں سے سب سے زیادہ تحقیقی کام پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں ہوا ہے۔اس جامعہ کے شعبہ اردو کے پہلے صدر کرپال سنگھ بیدآر بنے اور تحقیقی کام کی شروعات ستر کی دہائی میں ہوگئی تھی اور پہلی ایم۔فل کی ڈگری ذاکر حسین نقوی کو عطا ہوئی۔اس کے بعد یہ تحقیقی کارواں متواتر ترقی کرتا ہوآج اکیسویں صدی کی تیسری دہائی میں داخل ہوگیا ہے۔اس کے علاوہ اس جامعہ کے تقریباً نو پروفیسر صاحبان کی مختصرسی سوانح اور تحقیقی خدمات پر بھی گفتگو کی ہے۔اس خطے کی دوسری جامعہ پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ اس میں اردو تحقیق کا آغاز اسی کی دھائی میں ہوا تھا۔اس جامعہ نے پہلی پی ایچ ڈی کی سند سوہن سنگھ نے حاصل کی اور پہلے صدرِ شعبہ کا سدر ہونے کا اعزاز ڈاکٹر ہارون ایوب کو حاصل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بھی ہے اور چنڈی گڑھ میں بھی لیکن اردو زبان وادب کی تحقیق اور تدریس کے حوالے سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کا نام ومقام کافی بلند ہے۔مشرقی پنجاب کی اردو کے حوالے سے تیسری اہم جامعہ گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر ہے ۔اس جامعہ میں اردو تحقیق کا آغاز ستر کی دہائی میں ہی ہوا تھا اور پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری برکت علی ہے ۱۹۸۱ء می ں حاصل کی۔اس جامعہ کے پہلے صدرِ شعبہ پروفیسر قمر رئیس بنے۔

اس مقالے کا چوتھا باب ''مشرقی پنجاب کی جامعات میں تخلیق کردہ اہم تحقیقی وتنقیدی مقالے'' کے عنوان سے ہے۔اس

باب میں اول تو سندی اور غیر سندی تحقیق کے حوالے سے مختصر سی وضاحت کی ہے پھر جامعات میں کی جانے والی تحقیقی کاموں کے معیار پر بھی سرسری بحث کی ہے۔اس باب کو مزید چار ضمنی ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا ذیلی باب شاعری کے حوالے سے لکھے گئے اہم مقالات،اس باب میں پانچ مقالات پنجاب کی اردو غزل،اردو مرثیہ،اردو نظم،سکھ شعراء اور پنجاب کی شاعرات شامل کر کے ان پر تبصرہ کیا ہے۔دوسرے ذیلی باب میں نثر کے حوالے سے پانچ مقالات شامل کئے ہیں جن میں ناول،افسانہ،خواتین افسانہ نگار،سکھ نثر نگار اور اردو ڈرامے کی روایت کے متعلق مقالات کا مختصر تجزیہ کیا ہے۔تیسرا ذیلی باب شخصیات کے حوالے سے ہیں۔اس باب میں تین اہم شخصیتوں کے مقالے شامل کئے ہیں جن کا تعلق مشرقی پنجاب سے ہی ہے۔ان شخصیات میں گوپال متل،کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ اور پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی شامل ہیں۔متفرقات کے حوالے سے بھی دو مقالے شامل کئے ہیں جن میں سے ایک پنجاب مین اردو زبان کی درس وتدریس اور دوسرا پنجاب کی اردو خودنوشت نگاری کے متعلق ہے۔ویسے تو ان جامعات میں تحریر کردہ تما مقالات اپنے موضوع اور معیار کے اعتبار سے اہم ہیں مگر راقم الحروف نے صرف مشرقی پنجاب کے اردو ادب کے تعلق سے لکھے گئے مقالات میں سے چند کو شامل کر کے ان پر ہی تبصرہ کیا ہے۔شامل باب مقالات کا انتخاب مذکورہ تینوں جامعات سے کیا گیا ہے۔

اس مقالے کا پانچواں اور آخری باب ''مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کا مستقبل'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں راقم نے مشرقی پنجاب میں اردو کے ماضی،حال اور مستقبل کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اس خطے میں اردو تحقیق کے مستقبل کو اس خطے میں اردو کے مستقبل کے ساتھ جوڑا ہے کہ اگر اس خطے میں اردو رہے گی تو اردو تحقیق کا وجود بھی قائم رہے گا۔اس خطے میں نئی نسل کے چند محققین کا مختصر تعارف اور ان کی تحقیقی کاوشوں کا ذکر بھی کیا جن کے ہاتھوں میں اس خطے کی اردو تحقیق اور اردو زبان کا مستقبل ہے۔لائبریریوں،ادبی رسائل وجرائد اور تحقیقی وتعلیمی مراکز کا بھی اردو تحقیق کے فروغ میں ایک اہم کردار ہوتا ہے۔اس خطے میں موجود لائبریریوں اور رسائل و جرائد کا بھی مختصر تعارف پیش کیا

ہے۔اردو زبان اور تحقیق کے مستقبل کے متعلق چند نکات بھی پیش کئے ہیں۔ان میں سے ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ

> ''اردو تحقیق کے مستقبل کے بارے میں سوچنے اور پیشن گوئی کرنے سے بہتر ہے کہ اردو میں تحقیق کی جائے اور تحقیق کروائی جائے۔اس سے اردو اور اردو تحقیق دونوں کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے۔''

اس باب میں جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس خطے میں اردو تحقیق کا مستقبل تابناک ہے۔

مجموعی طور پر اس تحقیقی مقالے میں مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کے حوالے جو جو کام ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد جائزہ لیا گیا ہے۔جس سے پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت اور موجودہ صورتِ حال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا ہے میں نے مشرقی پنجاب کی تحقیق کے حوالے سے تمام پہلوؤں کو سمیٹ لیا ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے اپنی بساط کے مطابق تمام کوشش ہے اور جو پہلو سامنے لائے ہیں وہ آنے والے محققین کے لئے کافی معاون ہونگے اور مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کے حوالے سے اس نوعیت کا پہلا مقالہ بھی ہے۔ مجھے امیدِ کامل ہے کہ اس خطے ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کے حوالے سے یہ مقالہ کافی اہم ثابت ہوگا اور اردو تحقیق کی تاریخ میں ایک نئے باب کو وا کرنے کی کوشش کریگا۔اس مقالے کے ذریعے مشرقی پنجاب کے اکثر و بیشتر محققین کو اردو تحقیق کی دنیا سے متعارف کرایا گیا ہے۔مجھے امید ہے کہ مستقبل میں جب بھی مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کا مطالعہ کیا جائے گا میرا یہ مقالہ اس میں ضرور معاون کا کام کریگا۔

Ph.D. THESIS SUMMARY

MASHRIQI PUNJAB MEIN URDU KI ADABI TEHQEEQ: EK MUTALIA

Presented to the Faculty of Languages
Punjabi University,Patiala (Punjab)
Ph.D. URDU
2021

SUPERVISOR	RESEARCH SCHOLAR
Dr Mohd Jameel	**Iqbal Ahmed**
(Professer & Ex Head)	

Registration Date 17/09/2018

DEPARTMENT OF PERSIAN,URDU AND ARABIC
PUNJABI UNIVERSITY PATIALA (PUNJAB)

اردو تحقیق میں مالک رام کا حصّہ

اقبال احمد

ریسرچ اسکالر شعبہ فارسی، اردو و عربی، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ (۱۴۷۰۰۲)۔انڈیا

سرزمین پنجاب اردو دنیا کے لئے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ بلکہ ازل سے ہی لسانی وادبی اعتبار سے اردو کا اس سے گہرا تعلق رہا ہے۔علم وادب کے بارے میں یہ زمین ہمیشہ ہی زرخیز رہی ہے۔اسی سرزمین سے صوفیوں ،سنتوں، عالموں ،دانشوروں اور قلمکاروں نے جنم لیا ہے۔اردو کے نامور شاعروں ادیبوں نقادوں اور محققین کے لیے اردوزبان ہمیشہ کے لئے اس دھرتی کی قرض دار اور احسان مندر ہے گی، اسی سرزمین پنجاب سے اردو کے نامور محقق مالک رام جو دنیائے اردو میں ماہرِ غالبیات کے نام سے مشہور ہیں جنم لیا۔ماہر غالبیات مالک رام کی پیدائش ۲۲دسمبر۱۹۰۶ء میں متحدہ پنجاب کے ایک علاقہ پھالیہ میں ہوئی۔محمد ارشد مالک رام کی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

’شہر گجرات کے قصبہ پھالیہ میں ایک کھتری اروڑہ خاندان کے فرد لالہ چندنہال کے گھر ایک خوبرو بچہ بروز ہفتہ۲۲دسمبر شام ۷ بجے پیدا ہوا جو آگے چل کر ماہرِ غالبیات کے نام سے مشہور ہوا‘ [۱]

پھالیہ مغربی پنجاب کے ضلع منڈی بہاؤالدین کی ایک تحصیل ہے۔مالک رام نے اپنی ابتدائی تعلیم وزیرآباد جو ضلع گوجرانوالہ پنجاب کا ایک شہر ہے میں مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور کالج میں داخلہ لیا۔ڈاکٹر محمد ایوب مالک رام کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

’مالک رام کی ابتدائی تعلیم ضلع گجرات موضع پھالیہ اور بعد میں لاہور میں ہوئی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد بسلسلہ ملازمت دہلی منتقل ہوئے‘ [۲]

مالک رام نے۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۷ء تک صحافت کی خدمات انجام دیں اس کے بعد۱۹۳۹ء سے۱۹۶۵ء تک انہوں نے انڈین فارن سروس میں شمولیت کی۔۱۹۶۵ء میں سبکدوشی کے بعد انڈین نیشنل اکیڈمی آف لیٹرز،ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی میں شمولیت اختیار کی۔۸۶ برس کی عمر میں ۱۶ اپریل۱۹۹۳کو نئی دہلی میں اردو کے اس مجاہد، عالم محقق اور غالب شناس نے ہمیشہ کیلئے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔

دنیا کے معرض وجود میں آنے سے لے کر آج تک بہتر سے بہتر کی تلاش اور تحقیق و جستجو جاری ہے۔یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ ہمیشہ بہتر سے بہترین کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔بقول حالؔی:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

مالک رام تحقیق کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

’تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ح ق ق۔جس کے معنی ہیں، کھرے کھوٹے کی چھان بین یا کسی بات کی تصدیق کرنا دوسرے لفظوں میں تحقیق کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے علم وادب میں کھرے کو کھوٹے سے، مغز کو چھلکے سے، حق کو باطل سے الگ کریں۔انگریزی لفظ ریسرچ کے بھی یہی معنی اور مقاصد ہیں‘ [۳]

منصور عالم تحقیق کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

’تلاش و جستجو سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو وہ تحقیق ہے اگر نہ بھی ثابت ہو تو بھی تحقیق ہے۔ یہ بنیادی نقطہ نظر ہمیشہ پیش نظر ہونا چاہیے کہ تحقیق یافت کا نام نہیں یافت کی سعی کا نام ہے۔ اور اسی سعی کا نتیجہ ہاں بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی یعنی ایک فیصلہ۔ تحقیق کی ابتداء شخص سے ہوئی ہے اور اس کا انجام ہمیشہ قطعی فیصلے پر ہوتا ہے ‘[۴]

زندگی کا چاہے کوئی بھی میدان ہو تحقیق کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے بغیر تحقیق کے کوئی بھی بات قابل قبول نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ جب کوئی شخص ہمیں آ کر کوئی بات سناتا ہے تو ہم سب سے پہلے اس شخص سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے۔ تحقیق ایک کٹھن راستہ ہے۔ یہ بہت زیادہ محنت، ہمت اور صبر کی متقاضی ہے۔ اسی لئے ہر کوئی اس میدان میں قدم نہیں رکھتا بقول غالبؔ:

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

اردو میں تحقیق کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ اردو تحقیق کی روایت کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق کے اولین نقوش شاہ حاتمؔ کے دیوان زادہ، خان آرزوؔ کی نوادرالالفاظ، سرسید کی آئین اکبری، آثارالصنادید، محمد حسین آزاد کی آبِ حیات وغیرہ میں ملتے ہیں۔ لیکن انہیں باقاعدہ تحقیق کا مثالی نمونہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اردو کے تذکروں میں بعض تحقیقی عناصر پائے جاتے ہیں مگر صحیح معنوں میں تحقیق کی ابتداء حافظ محمود شیرانی نے کی ان کو تحقیق کا معلم اول بھی کہا جاتا ہے۔ پرتھوی راج راسو، خالقِ باری (ترتیب) اور پنجاب میں اردو وغیرہ ان کی تحقیقی کتابیں ہیں۔ ان کے بعد تحقیق کی روایت کو قاضی عبدالودود نے آگے بڑھایا ان کے بعد بھی کئی محققین سلسلہ وار آئے اور تحقیق سے اردو ادب کے سرمائے میں اضافہ کرتے رہے۔

تحقیق کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوتا ہے۔ اس صدی میں سرفہرست نام مولوی عبدالحق کا ہے۔ مولوی عبدالحق نے کتابوں، مخطوطات اور شعرائے اردو کے تذکروں کی بازیافت کی ہے۔ نکات الشعراء، تذکرہ ریختہ گویاں، ریاض الفصحا، سب رس قطب مشتری، گلشن عشق اور معراج العاشقین یہ سب آپ کی کوششوں سے منظر عام پر آئیں ہیں۔ اس کے علاوہ دواوین کی تلاش و تحقیق کر کے ان پر تحقیقی مقدمات بھی لکھے۔ تیسرا اہم نام قاضی عبدالودود کا ہے جنھوں نے محمود شیرانی کی روایت کو آگے بڑھایا عیارستان، اشتر وسوزن اور غالب بحیثیت محقق وغیرہ ان کی تحقیقی کارنامے ہیں۔ اردو تحقیق کو مزید وسعت بخشنے میں مولانا امتیاز علی عرشی ہیں۔ انہوں نے تدوین کی طرف خصوصی توجہ دی۔ غالبیات سے متعلق بھی کئی کتابیں دریافت کیں۔ اردو محققین میں رشید حسن خان کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے تحقیق سے آپ کی خاص مزاجی مناسبت تھی۔ فسانۂ عجائب، باغ و بہار، مثنوی سحر البیاں اور گلزار نسیم وغیرہ کی ترتیب و تدوین کی۔ اردو محققین کے اسی کاروان میں مالک رام بھی شامل ہیں۔ مالک رام اردو کے نامور محقق تھے اور اصل موضوع غالبیات تھا۔ مالک رام اردو کی قد آور اور کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار صحافتی، تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی ادب کے ذریعے اپنے منفرد انداز میں کیا وہ نہ صرف ماہر غالبیات بلکہ ماہر اسلامیات، صحافی، معتبر محقق تاریخ کا اچھا ذوق اور معلومات رکھتے تھے۔۔ مالک رام نے پرانی روایت سے ہٹ کر اردو میں تحقیق کو ایک نئی سمت دکھائی غالب کی تلاش و جستجو ان کا نصب العین رہا۔ اگرچہ تحقیق اور وہ بھی غالب پر تحقیق میں اختصاص حاصل رہا۔ صرف غالبیات ہی نہیں دوسرے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا۔ مالک رام ایک ایسے ادیب تھے جو اپنے عقیدے کے مدار میں رہ کر دوسرے عقائد کے لوگوں کے لیے دل میں محبت و احترام رکھتے تھے۔ زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے نئے نئے مراحل اور خوب سے خوب تر کی جستجو میں اکثر رہا کرتے تھے۔ ادبی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا بھارت ماتا اور نیرنگ خیال وغیرہ ان کی صحافتی زندگی کے گواہ ہیں مالک رام زندگی بھر اردو کی خدمت کرتے رہے وہ اردو کے نہ صرف خادم بلکہ زبردست حامی تھے اس کی بقا و ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے اردو کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار رہتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ:

’مذہب چھوڑ دوں گا مگر اردو کو نہیں چھوڑوں گا‘

مالک رام کو تحقیق سے بے انتہا رغبت تھی ان کا مزاج بڑا تحقیقی تھا وہ ہر بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے ان کو ناموری اور مالی منفعت کی پرواہ نہیں تھی وہ تو

اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے محققانہ عمل میں مصروف رہتے تھے ان کے تحقیقی شغف کا اس بات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سرکاری ملازمت کے دوران مختلف ذمہ داریوں اور پابندیوں کے باوجود بیرون ملک جہاں اردو کتب، مخطوطات ودیگر مواد میسر نہ ہوسکا وہاں بھی انہوں نے اپنے ذوقِ تحقیق کو بحال رکھا اور ایسے کام کیے کہ دوسرے لوگ سہولیات میسر اور دیگر پابندیوں سے آزاد ہوتے ہوئے بھی نہ کرسکے اسی سلسلے میں علی جواد زیدی لکھتے ہیں کہ:

'مالک رام کے لیے تحقیق ان کا فرض منصبی تھا نہ کہ بیکاری کا مشغلہ اہم منصبی کاموں سے وقت نکال کر چراغ نیم شب روشن کرنا اور بہت سا مواد صرف کثیر اور بڑی جدوجہد کے بعد حاصل کرنا پڑتا تھا ان کی راہ میں دشواریاں نسبتاً زیادہ تھیں صرف شوقِ بے پایاں ان کا راہبر اور معاون تھا' ۔۵

تحقیق کے میدان میں ذکرِ غالب مالک رام کی باقاعدہ پہلی کوشش تھی۔ مالک رام کے تحقیقی کام کی ابتدا ایک مختصر تحقیقی مضمون 'ذوق اور غالب' سے ہوئی جس میں انہوں نے زبان وبیان کے لحاظ سے ذوقؔ کو غالبؔ پر ترجیح دی لیکن اس مضمون کی اشاعت کے بعد اپنے وسیع مطالعہ اور غالبؔ سے ذہنی لگاؤ کے سبب تحقیق کا موضوع غالبؔ ہی کو بنایا اور پھر اپنی لگاتار تحقیق کی مدد سے غالبؔ کی زندگی کے بہت سے نامعلوم گوشوں کی تلاش ودریافت کرکے ماہرین غالبیات میں ایک اہم مقام بنایا اور اردو کے معتبر محقق تسلیم کیے گئے۔ مالک رام کی غالبیات سے متعلق تحقیقی کتابیں یعنی ذکر غالب، تلامذۂ غالب اور فسانۂ غالب میں سوانحی تحقیق کے عمدہ نمونے پائے جاتے ہیں۔

ذکرِ غالب: یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ غالب کی حالات زندگی، اردو فارسی تصانیف کی تفصیلات اور آخر میں عادات واطوار درج کئے گئے ہیں۔ اس کے پانچویں ایڈیشن میں جو ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا جس میں اصلاح واضافے کیے گئے۔ پروفیسر گیان چندجین کے مطابق:

'غالبیات میں ان کا سب سے اہم کارنامہ ذکر غالب ہے'۔۶

پروفیسر مختارالدین احمد مالک رام کی کتاب ذکر غالب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:'

مالک رام کی تصنیف ذکر غالب کئی حیثیتوں سے بڑی اہم ہے۔اس نے غالب کی زندگی کے مخفی گوشوں کو روشن کیا ہے۔اردو میں تحقیق کی روایت کو مستحکم کیا اور خود مالک رام صاحب کو تحقیق کی طرف مائل کیا'۔ے

تلامذۂ غالب: پہلی بار ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔اس میں غالبؔ کے ۱۴۶ طلباء اور ان کے نمونۂ کلام کو پیش کیا گیا ہے۔اس کے بعد دوسرے ایڈیشن میں غالب کے طلباء کی تعداد بڑھ گئی اور ۱۸۱ شاگردوں کے حالات اور نمونۂ کلام کو پیش کیا گیا ہے۔اس شمارے میں ان اغلاط کو دور کیا جو پہلے ایڈیشن میں سہواً رہ گئیں تھیں۔

فسانہ غالب: غالبؔ کی سوانح سے متعلق ۱۵ مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ یہ مضامین پہلے بھی شائع ہوچکے تھے۔اس مجموعے میں وہی مضامین شامل ہیں جن کا تعلق غالبؔ کی زندگی سے ہے۔جس کے بیشتر مضامین معیاری تحقیق کا نمونہ ہیں۔ یہ تحقیقی کتاب ایک طرح سے ذکر غالبؔ کے بعض بیانات کی تشریح کے لیے مفید ہے۔ان مضامین میں مرزا یوسف، عبدالصمد استادِ غالب، نواب شمس الدین خان، قتیل پنجابی الاصل تھا اور دربار رامپور سے تعلقات نہایت اہم تحقیقی مضامین ہیں۔فسانۂ غالبؔ کے متعلق پروفیسر گیان چندجین لکھتے ہیں کہ:

'اس میں غالبیات سے متعلق اہم تحقیقی مضامین شامل ہیں ان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماہر غالبیات کے کیا معنی ہیں اور اس لقبِ جلیل کا سزاوار ہونے کے لیے کتنی گہری اور وسیع واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے یہ مہارت تبھی حاصل ہوگی جب آدمی اسی کا ہوکر رہ جائے گا'۔۸

ڈاکٹر شارب ردولوی لکھتے ہیں کہ:

'مالک رام نے تلامذۂ غالبؔ، خطوطِ غالبؔ اور ذکرِ غالبؔ کو پیش کرکے غالبیات میں اہم تحقیقی اضافے کئے'۔۹

درج بالا تحقیقی کتب کے علاوہ تحقیقی مضامین، (مجموعہ) حالؔی ہندوستانی ادب کے معمار، عیارِ غالبؔ، گفتارِ غالب، قدیم دہلی کالج، وہ صورتیں الٰہی اور، کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں وغیرہ تحقیقی کتابیں ہیں۔ان میں سے چند کتب کا مختصر سا تعارف پیش ہے۔

متنی تحقیق کے سلسلے میں غالبؔ سے متعلق ان کی تین اہم کتابیں ہیں سبد چیں، دیوان غالبؔ اور گلِ رعنا۔ اس کے علاوہ مالک رام نے تصانیف آزاد کی تدوین مع حواشی کی ہے۔ غالبؔ سے متعلق متنی تحقیق کرنے والوں میں مالک رام کا مقام دیگر محققین سے کافی بلند و بالا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

'جن متنی نقادوں نے غالب کے خطوط اور دیوان ترتیب دیے ان میں مولانا امتیاز علی خان عرشی اور جن حضرات نے غالبؔ، ان کے شاگردوں دوستوں ،عزیزوں کی سوانح پر کام کیا اور غالب کی مختلف تحریریں مرتب کر کے شائع کیں ان میں مالک رام کا نام سرفہرست ہے'۱۰

سبد چیں: اس میں انہوں نے ایک مقدمہ اور جگہ جگہ حواشی درج کیے ہیں۔ یہ ان کی مرتب کردہ پہلی کتاب ہے جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ دیوانِ غالبؔ کی اشاعت مالک رام کا ایک اہم کارنامہ ہے جو ان کے مقدمے اور حواشی کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ غالب نے جس کلام کو اپنے دیوان میں شامل نہیں کیا تھا اسے بھی شامل کیا گیا اور آخر میں نسخہ حمیدیہ کا ایک انتخاب بھی درج ہے۔

گلِ رعنا: غالبؔ پنشن کے سلسلے میں ۲۱ فروری ۱۸۲۸ء میں کلکتہ پہنچے تو وہاں تقریباً ۲ سال تک قیام کیا۔ کلکتہ میں دوران قیام غالبؔ نے سراج الدین احمد کی فرمائش پر گلِ رعنا کو ترتیب دیا۔ گلِ رعنا غالبؔ کی اردو اور فارسی شاعری پر مشتمل ہے حصہ اردو میں کل ۱۱۶ غزلیں اور ۴۵۵ اشعار ہیں۔ اس کتاب کے فارسی حصہ جو ۲۷ غزلیات ۲ قطعات ا مثنوی اور ا قصیدے پر مشتمل ہے اس میں بھی اشعار کی تعداد ۴۵۵ ہی ہے۔ اتفاق سے یہ نایاب ہو گیا تھا۔ سید نقی بلگرامی کے ذریعے اس کا مخطوطہ جب مالک رام کو حاصل ہوا تو انہوں نے ترتیب و تدوین کے جدید تقاضوں کے مطابق ۱۹۷۰ء میں شائع کیا۔

اردو میں تذکرہ نگاری کی روایت فارسی سے آئی۔ اردو شاعروں کا پہلا تذکرہ فارسی زبان میں نکات الشعراء کے نام سے میر تقی میرؔ نے لکھا اس کے علاوہ بھی کئی تذکرے لکھے گے اردو زبان میں مرزا علی لطف کا تذکرہ گلشنِ ہند پہلا تذکرہ ہے۔ جسے مرزا لطفؔ نے ۱۸۰۱ء میں تصنیف کیا۔ مالک رام نے اردو تذکروں کا مطالعہ کرنے کے بعد جدید اصولوں کے مطابق اردو میں تذکرہ نگاری کی روایت کو قائم کرتے ہوئے تذکرے لکھے۔ ان کے دو تذکرے تذکرۂ معاصرین اور تذکرہ ماہ و سال بہت مشہور ہیں۔

تذکرۂ معاصرین: مالک رام کا چار جلدوں پر مشتمل تذکرہ ہے۔ ان چار جلدوں میں مالک رام نے ان معاصر ادباء کے جو ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۷ء کے درمیان وفات پا گئے حالات و نمونہ کلام کو قلمبند کیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی جلد میں ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۱ء کے درمیان وفات پانے والے ۴۷ ادباء کے حالات و کلام کو تاریخِ وفات کے اعتبار سے قلمبند کیا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں پہلی جلد مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی سے شائع ہوئی۔ دوسری جلد ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی اس میں ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۳ء تک وفات پانے والے ۳۷ ادیبوں کے مختصر حالات و کلام شامل ہے۔ تیسری جلد ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی اس میں ۱۹۷۴ اور ۱۹۷۵ء میں وفات پانے والے ۵۶ اباء کے حالات و کلام کو شامل کیا گیا ہے اور اس سلسلے کا آخری حصہ ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ۱۹۷۶ اور ۱۹۷۷ء میں فوت ہونے والے ۵۲ ادباء کے حالات و نمونہ کلام شامل ہے۔ دس سال کے عرصے یعنی ۱۹۶۷ سے ۱۹۷۷ء کے درمیان فوت ہونے والے ۲۱۹ ادباء کے مختصر حالات اور کلام کو محفوظ کر لیا ہے۔ ادیبوں اور شاعروں کی سوانح اور کلام کو تحقیقی انداز میں مرتب کر کے شائع کیا۔ اس طرح مالک رام نے نہ صرف اپنی تحقیقی بصیرت کا ثبوت دیا بلکہ بہت سے ادیبوں اور شاعروں کو گمنامی سے بچا کر تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر دیا۔ مالک رام تذکروں کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

'اردو میں تذکرہ نویسی کی روایت بہت پرانی ہے۔ شروع میں ان تذکروں کی اہمیت بیاض سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔ تذکرہ نگار کی بیشتر توجہ اشعار کے جمع کرنے پر رہتی تھی، حالات ضمناً اور وہ بھی صرف ایک سطر میں لکھ دیے جاتے تھے، جوں جوں وقت گزرتا گیا حالات مفصل تر ہوتے چلے گئے۔ لیکن قدیم تذکروں کی وہی مختصر یاداشتیں آج تاریخ ادبِ اردو کا خام مواد ثابت ہو رہی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر کہیں قدماء نے یہ تذکرے مرتب نہ کیے ہوتے تو تاریخ ادب کی تکمیل کا اور کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا۔۔۔۔اسی خیال سے میں نے مرحومین کے حالات جہاں تک ہو سکا پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند کر دیے ہیں'۱۱

تذکرہ ماہ و سال: مالک رام کا مرتب کردہ نہایت ہی اہم تذکرہ ہے۔ اس میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے ادباء و شعراء اور چند اہم اشخاص کی پیدائش و

وفات اورضروری معلومات درج ہیں۔جن قلمکاروں کی تاریخ وفات مالک رام کومعلوم نہ ہوسکیں ان کی صرف تاریخ ولادت ہی درج کر دی گئی ہے۔اس تذکرہ میں صرف رفتگان کی تاریخیں ہی درج نہیں ہیں بلکہ مالک رام نے معاصرتخلیق کاروں کی تاریخِ ولادت بھی درج کی ہیں اور لکھتے ہیں: کہ

'کارڈوں میں متعدد ہمعصرادیبوں کی تاریخ ہائے ولادت بھی،جوحتی الوسع معلوم ہوسکیں،محفوظ تھیں،خداانھیں صدوسی سال زندہ رکھے اور وہ اردوعلم وادب کی خدمت کرتے رہیں' [۱۲]

(یہ تذکرہ۱۹۹۱ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی سے شائع ہوا۔)

قدیم دلی کالج:فورٹ ولیم کالج کے بعد ہندوستان میں یہ دوسرا کالج تھا جسے انگریزوں نے قائم کیا تھا۔اس کا قیام ۱۸۲۵ء میں عمل میں آیا۔پہلے یہ غازی الدین کا مدرسہ تھا جسے دہلی کالج میں تبدیل کیا گیا۔۱۸۷۷ء میں یہ کالج مکمل طور پر بند ہوگیا تھا۔مالک رام نے دلی کالج کی ابتداء سے بند ہونے تک کے تمام حالات وواقعات اورادبی خدمات کوقلمبند کیا ہے،یہ کتاب ۱۹۷۶ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے دوسری بارشائع ہوئی۔

تحقیقی مضامیں:اس مجموعے میں مالک رام کے۱۳تحقیقی وتنقیدی نوعیت کے مضامین شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں،مالک رام کے کچھ دوستوں کی ایماء پر مالک رام نے ان مضامین کومرتب کر کے۱۹۸۴ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے شائع کیا۔

کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں:مولانا مرحوم ایک نامور عالم،ادیب،صحافی،معلم اور سیاست دان تھے،آپ کی خدامت کا اعترف ہرایک ذی شعورانسان نے کیا ہے۔مالک رام نے بھی آپ کی خدمات کے اعتراف میں لکھنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔۱۱مضامین پرمشتمل اس کتاب مین مالک رام نے مولانا آزدکی حیات وخدمات کے علاوہ دومضامین غبارِخاطراورتذکرہ کےعنون سے شامل کیے ہیں جوان کی مرتب کردہ کتابوں کے مقدمے ہیں۔یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی سے شائع ہوئی۔

جنوری۱۹۶۷ء میں مالک رام نے سہ ماہی اردوتبصرہ جاری کیا اوراس کا نام تحریر رکھا۔مالک رام اوران کے رفقاء کے تحقیقی کام تحریر میں شائع ہوتے تھے۔نوجوان محققین اور مصنفین کی ایک تنظیم علمی مجلس کی حمایت بھی جاری رکھی اورانہیں اصلی تحقیقی موادپیش کرنے کی اہمیت بھی سمجھائی۔انگریزی روزنامے دی سٹیٹس مین نے مالک رام کی شخصیت پرلکھا:

'تحقیق کی ترقی کے لئے مالک نام کی شراکتیں اہم ہیں ان کی صف اول میں شمار کیا جاتا ہے اوران کی اہم ترین خدمات میں سے نوجوان محققین کی مجلس کا قیام ہے' [۱۳]

'ان کا سہ ماہی تحریرہراس جگہ پڑھا جاتا ہے یہاں اردوپڑھی جاتی ہے' [۱۴]

المختصراردوتحقیق میں جن محققین نے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں ان میں مالک رام کافی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔مالک رام نے اردوتحقیق خصوصاً غالبیات پرجوکام کیا ہے اس کی وجہ سے اردوتحقیق میں ان کا نہایت بلند مقام ہے۔ذکرِغالبؔ،فسانۂ غالبؔ،تلامذۂ غالبؔ وغیرہ غالبؔ پرانہوں نے اتنا لکھا ہے کہ انہیں ماہرینِ غالبیات کے زمرے میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔مالک رام کے ذریعے اردوادب کی جوخدمات کی گئیں ان میں سب سے اہم تحقیق کوفروغ دینا،اسے نئے اسلوب وآہنگ سے آشنا کرنااورنئی سمت عطا کرنا ہے۔مالک رام ایک اہم ماہرِغالبیات واسلامیات،محقق،تاریخ داں،بلند پایہ مدون اورایک بڑے صاحبِ قلم تھے۔مالک رام نے تقریباً اسّی کتابیں تصنیف،تدوین اورترتیب دے کرشائع کروائی ہیں۔ تحقیقی کتب کے علاوہ مالک رام کی تحقیقی کاوشیں مضامین اورمقالات کی شکل میں اردو،فارسی،عربی اورانگریزی زبانوں میں ملکی اورغیرملکی رسائل وجرائد کی زینت بنتی رہی ہیں اوران کے مطبوعہ مضامین اورمقالات کی تعداددوسو سے زائد ہے۔مالک کی ادبی وتحقیقی خدمات کا اس چھوٹے سے اورمختصر مقالے میں حق ادانہیں ہوسکتا البتہ اپنی علمیت کے حساب سے اس ناچیز نے ایک حقیرسی کوشش کی ہے۔ دیگر ماہرینِ غالبیات کی طرح ان کا نام ہمیشہ اردوادب میں زندہ وجاویدرہےگا۔

حواشی:

۱۔(مالک رام، حیات اور ادبی خدمات، محمد ارشد، صفحہ ا علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ۲۰۰۲ء)

۲۔(ڈاکٹر محمد ایوب تاباں، مالک رام کی اردو خدمات، مالک نامہ صفحہ ۹۱۔۹۲)

۳۔(آل انڈیا اورینٹل کانفرنس علیگڑھ، اردو میں تحقیق، خطبہ مالک رام صفحہ ۳)

۴۔ (بحوالہ، مالک رام، حیات اور ادبی خدمات، محمد ارشد، صفحہ ۲۲۳ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ۲۰۰۲ء)

۵۔(مالک رام، ایک مطالعہ علی جواد زیدی صفحہ ۱۹ اشاعت ۲۰۱۱ء)

۶۔(مالک رام بحثیت ماہر غالبیات، ڈاکٹر گیان چند، مشمولہ مالک رام ایک مطالعہ، مرتبہ علی جواد زیدی صفحہ ۱۰۴)

۷۔(مالک رام معاصرین کی نظر میں، شاہد علی خان، مشمولہ مالک نامہ، مرتبہ کرنل بشیر حسین زیدی، ص ۱۰۷ اشاعت ۱۹۸۷ء)

۸۔(بحوالہ، مالک رام، حیات اور ادبی خدمات، محمد ارشد، صفحہ ۲۳۳ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ۲۰۰۲ء)

۹۔ (جدید اردو تنقید اصول و نظریات۔ شارب ردولوی ص ۴۵۵ اشاعت ۱۹۸۶ء)

۱۰۔ (شاہد علی خان، مالک رام معاصرین کی نظر میں، مالک نامہ، مرتبہ کرنل بشیر زیدی، ص ۱۲۰ اشاعت ۱۹۸۷ء)

۱۱۔ (تذکرہ معاصرین، مالک رام حصہ اوّل ص ۷۔۶ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۱۹۷۲ء)

۱۲۔ (تذکرہ ماہ و سال، مالک رام، ص ۹ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۰۱۱ء)

۱۳۔(بحوالہ dia.org/wiki/http//ur.m.wikipe)

اقبال احمد
ریسرچ اسکالر پنجابی یونی ورسٹی پٹیالہ

اردو ادب میں مولانا ابوالکلام آزاد کا حصّہ

مدت کے بعد پیدا ہوتے ہیں کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں زمانے سے جن کے نقشِ پا

مولانا ابوالکلام آزاد ۱۸۸۸ء میں مکہ المکرّمہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا تاریخی نام فیروز بخت اور اصل نام محی الدین احمد، کنیت ابوالکلام اور آزاد تخلص تھا۔ اِن کے والد مولانا خیر الدین کا اپنے زمانے کے نامور عالمِ دین میں شمار ہوتا تھا۔ ابوالکلام آزاد کے والد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ہندوستان سے ہجرت کر کے سعودی عرب چلے گئے۔ ۱۸۹۵ء میں ان کے والد ہندوستان واپس آئے اور کلکتہ میں سکونت پزیر ہوئے۔ ابوالکلام آزاد کو بچپن ہی سے مطالعے کا شوق تھا اور یہ شوقِ مطالعہ تاحیات کم نہ ہوا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے ذہن نے علم و فضل کی تمام بلندیوں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ وہ ایسے گوناگوں اوصاف اور محاسن کے مالک تھے جو کسی ایک شخصیت میں بہت کم جمع ہوتے ہیں۔ ابوالکلام آزاد نے مختلف دائروں میں رہ کر وہ مقام حاصل کیا جہاں تک ہر کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ علم و فضل، حقائقِ دین، حکمت و فلسفہ، شعر و ادب، تصنیف و تالیف، تقریر و خطابت، اخبار نویسی و صحیفہ

نگاری، سیاست و وزارت غرض وہ کونسا حلقہ اور دائرہ تھا جس میں ان کی انفرادیت اور یکتائی ثابت و مسلم نہ تھی۔

مولانا کی ادبی زندگی کا آغاز گیارہ بارہ برس کی عمر سے ہی ہو گیا تھا۔ مولانا ابوالکلام کی ابتدائی ادبی خدمات میں شاعری کے مختصر ذخیرے کے علاوہ جس کا آغاز ۱۸۹۸ء میں ہو چکا تھا، چند عربی فارسی رسائل کے ترجمے، ماخوذ مضامین اور کچھ چھوٹے رسائل کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ درسی کتابوں کے مطالعے کے ساتھ ساتھ شعراء کا کلام پڑھنے کا بھی شوق ہوا اور شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ یہ شغل ۱۹۰۴ء تک رہا۔ اس قلیل عرصے میں چند غزلیں، ایک مثنوی، چند قطعات، رباعیات اور نعتیں ان کی شعر گوئی کا نمونہ ہیں۔ ابتداء میں اپنے کلام پر امیر مینائی سے اصلاح لی ۱۹۰۰ء میں ان کے انتقال کے بعد مولانا ظہیر احسن شوق سے اصلاح لینی شروع کی ۱۹۰۱ء میں کلکتہ سے ماہوار رسالہ نیرنگِ عالم کے نام سے جاری کیا ۱۹۰۴ء میں شاعری ترک کر دی۔ پہلے دور کی تحریروں میں خاص طور سے تذکرہ مشہور ہے اس کے علاوہ الہلال کے مضامین بھی بے حد اہم ہیں۔

مولانا ابوالکلام ابتداء میں شاعری پھر نثر کی طرف متوجہ ہوئے۔ اردو نثر میں جن ادیبوں کو صاحب طرز کہا جاتا ہے اور جن کی تحریریں اِن کے منفرد اسلوب کی وجہ سے شاہکار سمجھی جاتی ہیں، اِن میں غالب، محمد حسین آزاد، رجب علی بیگ سرور، میر امن، رتن ناتھ سرشار، سرسید، شبلی، نذیر احمد، مہدی آفادی اور ابوالکلام آزاد اہم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ادیب کے اسلوب کی الگ الگ خوبیاں ہیں لیکن مولانا آزاد کی نثر کا اسلوب سب سے الگ مانا جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام کی نثر اردو کی آن بان ہے اور یہ ایک ایسی شمع ہے جس کے بغیر اردو نثر کی

بزم میں اُجالا نہیں ہو سکتا۔ حسرتؔ موہانی نے مولانا ابوالکلام کی نثر کی عظمت کا اعتراف کچھ یوں کیا ہے ؎

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرتؔ میں کچھ مزا نہ رہا

مولانا ابوالکلام نے اردو صحافت کے میدان میں بھی اپنے جوہر دکھائے اور محض دس بارہ سال کی عمر میں صحافت میں قدم رکھا۔ مولانا نے کئی ادبی رسالے شائع کیے۔ سب سے پہلا رسالہ نیرنگِ عالم ۱۸۹۹ء میں شائع کیا۔ اس وقت مولانا کی عمر صرف گیارہ برس تھی۔ المصباح، احسن الاخبار، ہفت روزہ پیغام، الجامعہ وغیرہ رسائل میں بھی خدمات انجام دیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مولانا ایک انقلابی صحافی کی شکل میں اردو صحافت کے افق پر ابھر کر سامنے آئے اور اردو صحافت کو ایک نئی راہ دکھائی۔ مولانا نے ۳۱ جولائی ۱۹۰۶ء کو ہفت روزہ الہلال کا پہلا شمارہ شائع کیا۔ اس کا اہم مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا تھا۔ الہلال میں علمی، ادبی، سیاسی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ جب الہلال کو حکومت نے ضبط کر کے اس کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی تو مولانا ابوالکلام نے البلاغ کے نام سے دوسرا اخبار جاری کر دیا۔ جس میں ادب، تاریخ، مذہب اور معاشرت کے مسائل بیان کیے جاتے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں ماہ نامہ رسالہ لسان الصدق کا پہلا شمارہ کلکتہ سے جاری کیا۔ اس کا اول مقصد اصلاح معاشرت، دوسرا مقصد ترقی، تیسرا مقصد علمی ذوق اور چوتھا مقصد تنقید یعنی اردو تصانیف کا منصفانہ جائزہ لینا تھا۔

اردو میں مقالہ نگاری کا آغاز سر سید سے شروع ہوا اور حالی، شبلی اور محمد حسین آزادؔ نے اسے پروان چڑھایا۔ لیکن ابوالکلام کے مقالات ان تمام

حضرات کے مقالات و مضامین سے ذرا مختلف ہیں۔ مولانا کے مقالات بھی ادبی لحاظ سے کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر مقالات تحریر کیے ہیں۔ مذہبی، علمی، سیاسی اور تعلیمی مقالات کافی اہم ہیں۔

مذہبی مقالے : مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مقالات کے ذریعے مسلمانوں کو یہ درس دیا کہ اسلام محض عقائد اور عبادات مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل قانونِ حیات اور مکمل زندگی ہے۔ جو زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈال کر راہِ ہدایت دکھاتا ہے۔ مسلمانوں کی برتری اور اہمیت کو واضع کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

'تم تمام امتوں میں سے بہتر امت ہو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو دنیا کے لیے ایک عدل کرنے والی امت بنایا کہ دنیا کے لیے تم گواہ عادل کی شہادت دے سکو'

سیاسی مقالے : یہ حقیقت ہے کی ملک کے حالات بدلنے کے لئے جمود کی جگہ حرکت اور غفلت کی جگہ بیداری پیدا کرنے میں مولانا کے قلمی اور لسانی جہاد نے بڑا کام کیا۔ انھوں نے سیاسی معاملوں پر بے شمار مقالے تحریر کیے۔ ہندوستانی لیڈروں بالخصوص مسلمانوں کے رہنماؤں کو اپنے مقالوں کے ذریعے ناصحانہ مشورے دیے۔ مگر ان کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں۔ مسلم لیگ اور کانگریس سے ہٹ کر انھوں نے ایک الگ جماعت تشکیل دے کر حزب اللہ نام تجویز کیا۔

علمی مقالے : مولانا آزاد نے سیاسی اور مذہبی مقالات کے علاوہ علمی و ادبی مقالات بھی تحریر کیے۔ الہلال کے مقالات میں اِن کے علمی

نظر آتے ہیں۔ جب وہ ملک کی سیاست میں ہمہ تن مصروف تھے۔ صدارتی خطبات میں مولانا کا خطاب عام طور پر تمام ہندوستانیوں سے ہوتا تھا۔

سن ۱۹۴۷ء کے بعد کی تقریریں: ملک کی آزادی کے بعد عام طور پر مولانا جلسوں یا سرکاری تقریبوں سے بھی گریز کرتے تھے۔ لیکن یہ تقریریں اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتی ہیں کہ اس زمانے میں مولانا بحیثیت وزیرِ تعلیم اور ایک قومی رہنما کے طور پر ملک وحکومت کی ذمہ داری سنبھال چکے تھے۔

ملک کے لسانی مسئلہ اور علمی وادبی موضوعات کے علاوہ بھی مولانا نے حسبِ موقع تعلیمی، تہذیبی وثقافتی مسائل پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ اردو ادب میں مولانا کے خطبات کی اہمیت موضوعات کے اعتبار سے ہی نہیں ہے بلکہ ان میں طرزِ ادا اور اسلوبِ نگارش بھی موجود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مولانا بحیثیت خطیب کامیاب ہیں۔ یہ خطیبانہ انداز نہ صرف ان کے خطبات میں موجود ہے۔ بلکہ دوسری تحریروں میں بھی اس کا اثر پایا جاتا ہے۔

مکاتیب آزاد: مولانا کا پہلا خط جو اب تک دستیاب ہوسکا ہے، عبدالرزاق کانپوری کے نام ہے یہ ۱۹۰۰ء میں لکھا گیا ہے۔ لسان الصدق کے بعد مولانا علمی وادبی حلقوں میں کافی متعارف ہوگئے اور مشاہیرِ ادب مولانا علامہ شبلی نعمانی، مولانا حالی اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ سے مراسلت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ اُنہوں نے مختلف مسائل، موضوعات اور موقعوں پر بیشتر حضرات کو خطوط لکھے۔ غبارِ خاطر میں شامل خطوط جو مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کو لکھے ہیں کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ غبارِ خاطر مولانا کے خطوط کا پہلا مجموعہ تھا جسے اجمل خان نے مرتب کر کے ۱۹۴۶ء میں شائع کیا۔ دوسرا مجموعہ کاروان خیال

مقالے مولانا کی ادبی دلچسپیوں کی گواہی دیتے ہیں۔ مولانا نے الہلال کے صفحات پر جنگ سے متعلق متعدد مقالے لکھے لیکن البلاغ کے چند مقالے اردو ادب میں غیر فانی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن مقالات میں تربیتِ عَسکری اور قران، جنگ کا اثر اخلاق پر اور جنگ کا اثر روایت پر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ ان مضامین سے مولانا کی علمی بصیرت، ادبی فضیلت اور قوت بیان کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا نے تعلیمی موضوع سے متعلق بھی کچھ مقالے لکھے ہیں۔ ان میں زیادہ تر توجہ مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی اور ان کے تعلیمی اداروں کے مختلف مسائل پر رہی۔ مسلمانانِ ہند اور گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی ان کا اہم مقالہ ہے۔ تعلیمی اداروں میں مولانا نے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ندواۃ العلماء لکھنؤ اور مجوزہ شیعہ کالج سے متعلق بھی مقالات سپردِ قلم کیے۔ اس طرح مولانا ابوالکلام آزاد کے یہ مقالات مذہبی، علمی، تعلیمی اور سیاسی نوعیت رکھتے ہیں۔ ان کے مقالات کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ ان میں خطیبانہ رنگ موجود ہے۔

خطبات: مولانا کو تقریر کا شوق لڑکپن ہی سے تھا۔ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے ایک جلسہ میں پہلی تقریر کی۔ ان کے زمانہ خطابت کا آغاز ۱۹۰۱ء سے ہوتا ہے اور آخری دم ۱۹۵۸ء تک قائم رہا۔ مولانا کے خطبات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

خطبات عیدین: یہ اولین خطابت کا نمونہ ہیں۔ عیدین کے خطبوں میں مسلمانوں سے مخاطب ہوئے۔ اِن میں مسلمانوں کو اسلامی فرائض کی پابندی، مذہب کو پوری سچائی کے ساتھ اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔

صدارتی خطبات: ۱۹۲۰ء سے ان کے صدارتی خطبات کا آغاز باقاعدہ طور سے شروع ہوتا ہے۔ یہ خطبات اس دور کے فکر و فن کے حامل

اس کے علاوہ ایک اور مجموعہ تبرکات آزاد کے نام سے شائع ہوا۔

ترجمان القرآن: ابوالکلام آزاد کی تفسیرِ قرآن ہے۔ پہلی بار ۱۹۳۱ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۴ء میں مالک رام کی حواشی کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ انہوں نے قرآن کو ایک زندہ کتاب کے طور پیش کیا ہے جو مسلمانوں کیلئے واحد رہنما ہو سکتی ہے۔ سیاست میں مشغولیت کی بناء پر وہ قرآن کی مکمل تفسیر نہیں کر سکے تھے۔ مولانا کی اہم تصانیف: اعلان الحق، دیوانِ غزلیات، چہار مقالہ، فرہنگِ جدید، البرہان، الدین الخالص، تذکرہ اور ترجمان القرآن وغیرہ۔

مختصر یہ کہ مولانا نے جو کچھ اردو ادب کو اپنے فکر کی توانائی اور خیالات کی رنگینی کے باعث دیا ہے وہ معیاری ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ ترجمان القرآن ان کا بلند پایہ علمی و ادبی کارنامہ ہے۔ مولانا کی عظمت کے اعتراف میں آج ہندوستان میں کئی تعلیمی ادارے قائم کیے گے ہیں۔ ۱۱ نومبر کو جو کہ مولانا کا یومِ پیدائش ہے ہر سال قومی یومِ تعلیم کے طور پر منایا جاتا ہے۔

مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق : ایک مطالعہ

MASHRIQI PUNJAB MEIN URDU KI ADABI TEHQEEQ:EK MUTALIA

فیکلٹی آف لینگویجز پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں پیش کیا گیا تحقیقی مقالہ

برائے

ڈاکٹر آف فلاسفی (Ph.D.) اردو

مقالہ نگار:

اقبال احمد

ریسرچ اسکالر

نگران:

ڈاکٹر محمد جمیل

(پروفیسر و سابقہ صدر)

(Established Under Punjab Act No.35 of 1961)

شعبہ فارسی، اردو و عربی

پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، پنجاب

اپریل۔۲۰۲۱ء

حاصل مطالعہ

پنجاب کی دھرتی صرف تاریخی ،تہذیبی ، مذہبی اور روحانی اعتبار سے ہی منفرد و یکتا نہیں بلکہ ادبی لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے۔اسے گیان اور دھیان کی دھرتی بھی کہا جاتا ہے۔اس سرزمین پر مختلف صوفی ،سنتوں ، عالموں اور قلمکاروں وغیرہ نے جنم لیا ہے۔ان لوگوں نے صرف اس خطے کی عوام کو ہی نہیں بلکہ پوری عالمِ انسانیت کو اپنی تخلیقات اور پیغامات سے محبت ، بھائی چارہ اور آپسی رواداری کا درس دیا تھا جس کا اثر آج تک اس خطے میں دکھائی دے رہا ہے۔اس خطے نے نہ صرف یہاں کی مادری زبان پنجابی کی پرورش کی اور فروغ دیا بلکہ علاقائی زبان کے ساتھ ساتھ کئی دوسری زبانوں کا بھی مسکن ہے اور انہیں فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔اس خطے کی زبانوں میں اردو بھی ایک اہم زبان ہے۔جس کے متعلق ایک مدت تک بلکہ اب بھی محمود شیرانی کا یہ نظریہ قابلِ قبول ہے کہ اس زبان کا جنم پنجاب میں ہوا ہے۔محمود شیرانی کے اس نظریے کی تائید پنجاب کے قلمکاروں اور دانشوروں کے علاوہ دیگر علاقہ جات کے قلمکاروں نے بھی کی ہے۔ان دانشوروں میں نظر شیر علی خان سرخوش، پروفیسر حمید احمد خان اور ڈاکٹر جمیل جالبی وغیرہ شامل ہیں۔

اردو زبان و ادب کی پرورش و پرداخت پنجاب کے قلمکاروں نے خوب کی اور اسے ترقی دینے اور بامِ عروج تک پہنچانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔اس علاقے میں اب بھی پنجابی، ہندی اور اردو زبانوں میں ادب تخلیق ہو رہا ہے۔یہاں پر اردو ادب کے حوالے سے بات کرنا مقصود ہے لہذا اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرتے ہوئے یہ بات قابلِ رقم ہے کہ پنجاب نے اردو کی آبیاری کرنے میں ایک نمایاں رول ادا کیا ہے۔اردو زبان و ادب سے وابستہ پنجاب کے قلمکاروں نے تقریباً ادب کی تمام نثری و شعری اصناف ہی نہیں بلکہ ہر میدان میں گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔اردو ادب کے کئی ایسے میدان جن میں تحقیق ،تنقید، ناول، سوانح اور جدید نظم نگاری کے علاوہ کئی ادبی تحریکات وغیرہ کا سنگِ میل پنجاب کو ہی کہا جا سکتا ہے۔اردو میں تحقیق کا آغاز بھی اسی خطے سے ہوا تھا اور پہلا ادبی محقق محمد حسین آزاد کو تسلیم کیا گیا ہے۔ہم اردو کی پہلی ادبی تحقیقی کتاب آزاؔد کی تصنیف ''آبِ حیات'' کو کہہ سکتے ہیں۔آزاؔد کے ساتھ ساتھ الطاف حسین حاؔلی نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اور حیاتِ سعدیؔ، حیاتِ جاوید اور یادگارِ غالبؔ جیسی سوانح

عمریاں لکھ کر اردو تحقیق کی روایت کو مستحکم کیا۔ حالؔی سے قبل اردو تحقیق ہمیں صرف ''آبِ حیات'' سمیت دیگر تذکروں میں ہی دکھائی دیتی ہے۔ مگر حالؔی نے تذکرہ نگاری سے ہٹ کر انفرادی تحقیق کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ تذکروں میں مکمل تحقیقی شواہد دستیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ ان تذکروں میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو تخلیق کے وقت ذاتی پسند اور ناپسند پر کی بنا پر بھی لکھے گئے تھے لیکن پھر بھی اردو تحقیق کی ابتداء و ارتقاء میں ان تذکروں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اردو ادب میں تذکرہ نگاری کا آغاز میر تقی میرؔ سے ہوتا ہے اور ان کا تذکرہ ''نکات الشعراء'' ۱۷۵۲ء کو اردو کا اولین تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کے بعد اسی طرز پر ان گنت تذکرے لکھے گئے جن میں سے چند قابلِ ذکر تذکرے ''تذکرہ ریختہ گویاں''، ''تذکرہ شعرائے اردو''، تذکرہ مخزن الشعراء، تذکرہ ہندی، تذکرہ گلشنِ ہند، طبقات الشعراء اور گلدستہ نازنین وغیرہ ہیں۔

بلاشبہ یہ تذکرے نہ تو مکمل تحقیق ہیں کے اور نہ ہی تحقیقی اصولوں کے مطابق لکھے گئے ہیں مگر ان کی ادبی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان ہی تذکروں سے ہمیں اردو کے چند مشاہیر شعراء کی سوانح مختصر انتخاب اور کلام پر تجزیہ دستیاب ہو جاتا ہے۔ تحقیق کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوتا ہے اور تحقیق کے حوالے سے مولوی عبدالحق کا نام سرفہرست ہے۔ مولوی عبدالحق نے کتابوں، مخطوطات اور شعرائے اردو کے تذکروں کی بازیافت کی ہے۔ نکات الشعراء، تذکرہ ریختہ گویاں، ریاض الفصحا، سب رس، قطب مشتری، گلشنِ عشق اور معراج العاشقین یہ سب آپ کی کوششوں سے منظر عام پر آئیں ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد دواوین کی تلاش و تحقیق کر کے ان پر تحقیقی مقدمات بھی لکھے ہیں۔ تیسرا اہم نام قاضی عبدالودود کا ہے جنھوں نے محمود شیرانی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ عیارستان، اشتر و سوزن اور غالبؔ بحیثیت محقق وغیرہ ان کی تحقیقی کارنامے ہیں۔ اردو تحقیق کو مزید وسعت بخشنے میں مولانا امتیاز علی عرشی ہیں۔ انہوں نے تدوین کی طرف خصوصی توجہ دی۔ غالبیات سے متعلق بھی کئی کتابیں دریافت کیں ہیں۔ اردو محققین میں رشید حسن خان کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے تحقیق سے آپ کی خاص مزاجی مناسبت تھی۔ فسانۂ عجائب، باغ و بہار، مثنوی سحرالبیاں اور گلزارِ نسیم وغیرہ کی ترتیب و تدوین کی گئی ہے۔

پنجاب کے قلمکاروں نے جہاں ایک طرف ادب کے ہر میدان میں اپنی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں وہیں دوسری

جانب تحقیق وتنقید کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔پنجاب میں ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کا آغاز بھی محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات سے ہوتا ہے۔آزاد ایک متنوع شخصیت کے مالک تھے انہوں نے اردو ادب چاہے وہ نثر ہو یا نظم تحقیق ہو یا تنقید ہر میدان میں گراں قدر اضافے کیے ہیں۔ان کی مایہ ناز کتاب نے نہ صرف آزاد کو ہی حیات بخشی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اردو کی تاریخ کو مکمل کرنے اور حیاتِ جاوِداں بخشی ہے تو بے جا ہوگا۔اس میں شک نہیں ہے کہ آزاؔد کی یہ کتاب تاریخ بھی ہے،تذکرہ بھی اور تحقیقی کتاب بھی ہے۔اس کتاب کو آزاؔد نے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے اور ولیؔ دکنی سے لے کر غالبؔ تک کے چند مشاہیر شعراء کو شامل کیا ہے۔اس کتاب میں شعراء کی مختصر سوانح کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کا انتخاب اور تجزیہ بھی کیا ہے۔اس کتاب پر کافی تنقید بھی کی گئی ہے جو بے بنیاد نہیں ہے مگر پھر بھی ہم اس تذکرہ کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔

محمد حسین کے ساتھ ساتھ اس تحقیقی کام کو تقویت بخشنے والوں میں حالیؔ،محمود شیرانی،مولانا غلام سول مہرؔ،شیخ محمد اکرام اور مالک رام کے نام کافی اہم ہیں۔ان محققین نے اردو تحقیق میں کافی اضافے کیے ہیں۔آزادی اور تقسیم ہند سے قبل یہ خطہ یعنی پنجاب اردو کا ایک اہم مرکز تھا اور اردو کے بہت بڑے بڑے اور معتبر عالم،فاضل،ادیب وشاعر اور ناقد ومحقق اسے خطے میں آباد تھے اور اردو زبان وادب بڑے ہی آب وتاب کے ساتھ پھل پھول رہے تھے لیکن پھر حالات میں کچھ ایسا الٹ پھیر آیا کہ اس خطے میں موجود اردو کے اکثر وبیشتر دانشور منتشر ہوگئے جس سے اردو زبان وادب کو بہت زق پہنچا جس کا ذمہ دار تقسیمِ ہند کا المیہ ہے۔اس تقسیم نے نہ صرف ایک نئے ملک کو جنم دیا بلکہ پنجاب جو کہ ایک خوشحال صوبہ تھا اسے بھی تقسیم کر دیا گیا اور پنجاب کا ایک بڑا حصہ اس نئے ملک پاکستان میں شامل کر دیا گیا۔تقسیم کی افراتفری سے جو خوفناک حالات پیدا ہوئے اس سے ہجرت کا عمل شروع ہوا اور عام لوگوں کے ساتھ ساتھ قلم کار اور فنکار بھی ہجرت کر کے محفوظ مقامات پر منتقل ہوگئے۔ان ہجرت کرنے والوں میں اردو کے ایسے ادیب وشاعر بھی شامل تھے جو عرصہ دُراز سے اس خطے میں اردو کی آبیاری کرر ہے تھے۔ان کی ہجرت نے اس خطے کے اردو ادب کو بہت نقصان پہنچایا۔اس خطے میں اردو کی محفلیں سونی پڑ گئیں۔اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک برتا گیا گویا یہ اپنے ہی گھر سے بے گھر کر دی گئی۔اردو تحقیق جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوئی ہی تھی کہ تقسیم سے ایسے متاثر ہوئی

کہ ایک مدت تک اس میدان میں کوئی کارنامہ سامنے نہیں آیا تھا لیکن جب حالات تھوڑے سازگار ہوئے اس تحقیقی میدان میں جو خاموشی چھائی ہوئی تھی وہ ٹوٹی اور پھر ہندو پاک میں ادبی تحقیق کو ایسا فروغ حاصل ہوا کہ اس دور کو ہم اگر اردو تحقیق کا عہدِ زریں کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔اس دور میں سندی اور غیر سندی تحقیق میں گراں قدر اضافے ہوئے اور جامعات اردو تحقیق کا مرکز بن گئیں۔جامعات سے باہر بھی کئی بلند پایہ محققین نے اپنی تحقیق کے ذریعے ادبی تاریکیوں کو روشن کیا اور تحقیق کے نئے اصول بھی وضع کیے۔اس تحقیقی کام میں مشرقی پنجاب بھی پیش پیش رہا۔اگرچہ اس خطے میں تحقیقی کام کافی تاخیر سے شروع ہوا پھر اردو تحقیق کے تئیں یہاں کافی اہم کام انجام دئے گئے ہیں۔مشرقی پنجاب میں غیر سندی تحقیق کی شروعات

تقسیم کے بعد ہی شروع ہوگئی تھی مگر سندی تحقیق کی ابتداء ستر کی دہائی میں ہوئی۔اس کے بعد بکثرت سندی و غیر سندی تحقیقی کارنامے منظر عام پر آئے۔ان کارناموں میں متون کی تصحیح و ترتیب،اصناف،عہد اور مشاہیر ادب پر تحقیق ،رسائل کے حواشی،کتابوں کی فہرس،ادبی تاریخ،لغات اور تبصرے وغیرہ تصنیف کئے گئے ہیں۔اس خطے میں جو تحقیقی کام ہوا اس کا اجمالی جائزہ لینا مشکل ہے۔

مشرقی پنجاب میں اردو ادب کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ تحقیق و تدوین کا کام بھی بڑی آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے اور کئی تحقیقی و تدوینی کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔اس خطے میں ادباء و شعراء کے علاوہ ناقدین اور محققین بھی کافی تعداد موجود ہیں جنھوں نے اس میدان میں کافی کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔جب میں نے مشرقی پنجاب میں کی گئی تحقیق کے حوالے سے مطالعہ کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ یہاں کی تحقیق اور محققین کے موضوع پر ابھی تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا تھا اور یہ ہی کوئی باضابطہ تصنیف سامنے آئی ہے جس سے ہمیں اس خطہ میں کی گئی اردو تحقیق کے متعلق جانکاری فراہم ہوتی کہ یہاں پر تحقیق کا آغاز کب ہوا؟اس خطے کا پہلا محقق کون ہے اور پہلی تحقیقی تصنیف کون سی اور کب تحریر میں آئی۔؟ان ہی سوالوں کے جواب کی خاطر مقالہ نگار نے اپنے تحقیقی کام کے لئے''**مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق:ایک مطالعہ**''کے عنوان سے موضوع کا انتخاب کیا تا کہ پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں کی گئی تحقیق منظر عام پر آسکے اور اس میدان میں ایک اہم اور نئے باب کا اضافہ ہوسکے۔اس کے

علاوہ فکر و تحقیق کے نئے در بھی وا ہو سکیں۔اس موضوعِ تحقیق کو میں نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

میرے مقالے کا پہلا باب ''پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت'' ہے جسے راقم الحروف نے دو ذیلی ابواب میں منقسم کیا ہے۔ پہلا'' آزادی سے قبل پنجاب میں اردو تحقیق''اور دوسرا'' آزادی کے بعد پنجاب میں اردو تحقیق'۔ پنجاب میں جہاں تک اردو تحقیق کی روایت کا ذکر ہے اس کا آغاز انیسویں صدی کے آخری دہائیوں میں ہوا۔پنجاب میں اردو تحقیق کی ابتداء محمد حسین آزاد کے ہاتھوں ۱۸۸۰ء میں آب حیات کی اشاعت سے ہوتی ہے۔اگرچہ یہ کتاب تحقیقی اصولوں کے مطابق نہیں ہے لیکن ایک نیا تجربہ ہونے کے ناطے اس میں چند خامیوں اور کمیوں کا ہونا میرے نزدیک کوئی خامی نہیں ہے۔ان خامیوں کو جب ہم نظر انداز کر کے دیکھتے ہیں تو '' آب حیات'' میں ہمیں صرف اردو تحقیق کے ابتدائی نقوش ہی نہیں ملتے بلکہ یہ ایک باقاعدہ ادبی تحقیق کا نمونہ ہے۔آبِ حیات کے متعلق ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ

> '' آبِ حیات ہماری صنف غزل کی طرح ہے۔اس میں لاکھ کیڑے نکالیے لیکن اس سے مفر ممکن نہیں۔۔۔آج ہمارے سامنے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہر اہم شاعر کا جو تصور ہے وہ آب حیات ہی کا عطا کردہ ہے۔تاریخی اعتبار آبِ حیات ہر جگہ درست نہ سہی لیکن ہماری ہر تاریخ ادب پر بھاری ہے۔اس میں جو چہکتی بولتی زندگی جو روح جہندہ ہے وہ دوسری تاریخوں میں کہاں۔یہ تاریخ بھی ہے تخلیق بھی۔اس نے آبِ حیات پیا ہے، پلایا ہے۔''

(اردو میں اصولِ تحقیق ،مرتبہ رؤف پاریکھ، ص۲۸۲)

اردو تحقیق میں آزاد کے سامنے اس وقت ماسوائے تذکروں کے کوئی تحقیقی نمونے پیشِ نظر نہیں تھے لہذا ان کمیوں کا ہونا فطری تھا۔آنے والے محققین نے آبِ حیات کو ہی نمونہ بنا کر تحقیقی میدان میں قدم رکھا۔اس کے بعد اس خطے میں تحقیق کی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں حالؔی کا نام بھی قابل ذکر ہے انہوں نے نہ صرف تحقیقی روایت کے آغاز کو استحکام بخشا بلکہ اردو میں سوانح نگاری کے آغاز کا سہرا بھی ان ہی کے سر جاتا ہے۔اس دور کے دوسرے محققین میں محمود

شیرانی ''پنجاب میں اردو'' کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے،موصوف نے لسانی اور ادبی تحقیق میں کافی کارنامے انجام دئے ہیں۔غلام رسول مہر نے مولانا ابوا کلام آزاد اور غالبؔ کے حوالے سے تحقیق کی ہے۔اس کے علاوہ مالک رام نے بھی غالبیات کو ہی موضوعِ تحقیق بنایا اور ''غالب نامہ'' ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔شیخ محمد اکرام کا نام بھی غالبیات کے سلسلے میں اہم ہے اور ''ارمغانِ غالب'' ان کا اہم کارنامہ ہے۔مذکورہ بالا محققین نے اس خطے میں آزادی سے قبل اردو تحقیق کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے فروغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔

اس کے بعد دوسرے ذیلی عنوان میں '' آزادی کے بعد پنجاب میں اردو تحقیق'' کے حوالے سے متحدہ پنجاب کے محققین کی نشاندہی کرنے کے بعد ان محققین کی تحقیق کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔بیسویں دراصل اردو تحقیق کی صدی ہے اور اس میں اردو تحقیق نے جو منازل طے کئے وہ قابلِ رشک ہیں۔جہاں تک اس خطے میں اردو تحقیق کا تعلق ہے وہ دوسری ریاستوں کے شانہ بشانہ ترقی کی راہوں کو سر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔اردو کی ادبی تاریخ جیسے پنجاب کے قلمکاروں کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے اسی طرح اردو تحقیق کی تاریخ بھی پنجاب کے محققین کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔

آزادی کے بعد اس خطے کے محققین میں پہلا نام نظیر لدھیانوی کا ہے۔ان کے اہم تحقیقی کام تذکرہ شعرائے اردو اور تاریخ ادب اردو ہیں۔ڈاکٹر سید عبداللہ اقبالیات کے حوالے سے ایک اہم نام ہے انہوں نے مسائلِ اقبال اور مقاماتِ اقبال اور اس کے علاوہ اور بھی جملہ مسائل کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔شیخ محمد اکرام اور مالک رام نے آزادی سے قبل اور مابعد آزادی بھی تحقیقی خدمات انجام دی ہیں۔عین الحق فرید کوٹی کا بیسویں صدی کے ماہرینِ لسانیات کے حوالے سے ایک اہم نام ہے انہوں نے ''اردو زبان کی قدیم تاریخ'' کے نام سے ۱۹۷۲ء میں شائع کی تھی۔انہوں نے اردو زبان کو ہند آریائی نہیں بلکہ دراوڑی گردانا ہے۔ان کے علاہ وزیر آغا،ڈاکٹر وحید قریشی،مشفق خواجہ،انیس ناگی،تبسم کاشمیری،محمد زکریا،سید معین الرحمٰن اور انور سدید وغیرہ جیسے باوقار محققین پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

مقالے کے دوسرا باب ''مشرقی پنجاب میں اردو کے اہم محقق'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں پہلے

تقسیمِ ہند کے پنجاب پر اثرات اور تقسیمِ پنجاب کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کے علاوہ مشرقی و مغربی پنجاب کا قیام اور تقسیم سے قبل پنجاب میں اردو کی صورتحال اور مابعد تقسیم مشرقی پنجاب میں اردو کی پامالی کا سرسری نقشہ کھینچا ہے۔اس باب میں مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے تقریباً بیس محققین کو شامل کر کے ان کی مختصر سوانح اور تحقیقی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ان محققین کی فہرست میں کچھ ایسے نام بھی شامل ہیں جنہوں نے تحقیق کے علاوہ اردو ادب کے ذخیرے میں بھی اپنی تصنیفات سے اضافہ کیا ہے۔شامل باب محققین کو تاریخِ پیدائش کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔سب سے پہلے پنڈت رتنؔ پنڈوروی کو شامل کیا ہے۔رتنؔ نے مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی شمع اور تحقیقی شمع کو اس وقت بھی جلائے رکھا جب یہ زبان اس خطے سے جلاوطن کر دگئی تھی۔ان کی تحقیقی خدمات نورتن، ہندی کے مسلمان شعراء اور تحقیقی مباحث کی شکل میں منظرِ عام پر آئیں۔اس سلسلے کا دوسرا نام رام لعل نابھوی کا ہے۔رام لعل طنز و مزاح نگار تھے مگر انہوں نے تلوک چند محروم اور چکبست جیسے بلند پایہ قلمکاروں پر تحقیقی کتب لکھ کر خود کو مشرقی پنجاب کے محققین کی صف میں شامل کر لیا تھا۔کالی داس گپتا رضاؔ مشرقی پنجاب میں غالبؔ اور ذوقؔ کے ناقد اور محقق کے حوالے سے جانے جاتے ہیں ۔غالبیات ان کا پسندیدہ موضوع تھا اور اس تعلق سے متعلقاتِ غالبؔ اور غالبؔ درونِ خانہ ان کی اہم کتب ہیں۔آزادؔ گلاٹی کی تحقیقی کتب اذکار اور افکار کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔امرت لعل عشرت نے تحقیق اور تدوین میں کافی اہم کام کیے ہیں جن سخنوارانِ بنارس اور ترتیب کلیاتِ سوؔدا اہمیت کے حامل ہیں۔ڈاکٹر نریش نے مشرقی پنجاب کے فکشن ،شاعری اور تحقیق و تنقید میں کافی نام کمایا ہے۔تحقیق کے حوالے سے ادب کی پرکھ اور جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر اہم کتابیں ہیں۔مذکورہ محققین کے علاوہ خالد کفایت ،انسپکٹر محمد حبیب (گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ حصہ نظم اور نثر)،انوار احمد انصاری (پنجاب کا طنزیہ و مذاحیہ نثری ادب)ڈاکٹر سلیم زبیری نے پنجاب کی غزلیہ شاعری کے حوالے سے ’’آزادی کے بعد پنجاب میں اردو غزل‘‘ کے عنوان سے کتاب شائع کی گئیں تھیں۔مشرقی پنجاب کی صحافت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اسلم نے اہم کام کیا ہے۔ان کی تحقیق کا موضوع ہی ادبی صحافت ہے۔انہوں نے صحافت کی تاریخ بھی ’’تاریخ اردو صحافتِ پنجاب‘‘ کے عنوان سے لکھ کر اس میدان میں ایک سنگ میل قائم کیا ہے۔اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد تحقیقی کتب ہیں۔پنجاب کی ڈرامہ نگاری کے حوالے ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے اہم کام کیا ہے اس کے علاوہ انہوں نے کافی

کتابیں مرتب بھی کی ہیں۔مشرقی پنجاب کی تحقیق کے حوالے سے یہ باب کافی اہم ہے۔

اس مقالے کا تیسرا باب ''مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں راقم نے ان جامعات میں ہونے والی تحقیق کی فہرست سازی کے علاوہ ان جامعات سے منسلک پروفیسر صاحبان کی تحقیقی خدمات کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے۔اس باب کے آغاز میں ہندوستانی جامعات میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری کا آغاز کب ہوا اور کس یونیورسٹی نے پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی اور کس کو کی؟ ان تمام سوالات کے جوابات مع دلائل پیش کئے ہیں اور اپنی تحقیق سے کچھ نظریات اور تحقیقات کو منسوخ بھی کیا ہے۔ ہندوستانی جامعات سے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ کلکتہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے ۱۹۳۱ء میں پہلی پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کو عطا کی ہے مگر میں نے مع دلائل اس بات کی تردید کی ہے کہ ڈاکٹر موموصوف نہ تو اردو کے پہلے پی ایچ ڈی ہیں اور نہ ہی اردو میں پی۔ایچ ڈی ہیں بلکہ اردو کے پہلے پی ایچ۔ڈی سید رفیق حسین ہیں اور انہیں الہ آباد یونیورسٹی نے ۱۹۴۲ء میں ڈگری عطا کی ہے اور پہلی ڈی لٹ کی ڈگری بھی اسی یونیورسٹی سے ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے حاصل کی تھی۔

مشرقی پنجاب میں تیس سے زائد جامعات ہیں مگر صرف تین جامعات میں اردو میں تحقیق کروائی جارہی ہے ان جامعات میں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ، گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر اور دیش بھگت یونیورسٹی گوبند گڑھ شامل ہیں۔ان چاروں جامعات میں سے سب سے زیادہ تحقیقی کام پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں ہوا ہے۔اس جامعہ کے شعبہ اردو کے پہلے صدر کرپال سنگھ بیدآر بنے اور تحقیقی کام کی شروعات ستر کی دہائی میں ہوگئی تھی اور پہلی ایم ۔فل کی ڈگری ذاکر حسین نقوی کو عطا ہوئی۔اس کے بعد یہ تحقیقی کارواں متواتر ترقی کرتا ہوا آج اکیسویں صدی کی تیسری دہائی میں داخل ہوگیا ہے۔اس کے علاوہ اس جامعہ کے تقریباً نو پروفیسر صاحبان کی مختصر سی سوانح اور تحقیقی خدمات پر بھی گفتگو کی ہے۔اس خطے کی دوسری جامعہ پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ اس میں اردو تحقیق کا آغاز اسی کی دھائی میں ہوا تھا ۔اس جامعہ نے پہلی پی ایچ ڈی کی سند سوہن سنگھ نے حاصل کی اور پہلے صدرِ شعبہ کا صدر ہونے کا اعزاز ڈاکٹر ہارون ایوب کو حاصل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بھی ہے اور چنڈی گڑھ میں بھی لیکن اردو زبان وادب کی تحقیق اور تدریس کے حوالے سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کا نام ومقام کافی بلند ہے۔مشرقی پنجاب کی اردو کے حوالے سے تیسری

اہم جامعہ گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر ہے۔اس جامعہ میں اردو تحقیق کا آغاز ستر کی دہائی میں ہی ہوا تھا اور پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری برکت علی ہے نے ۱۹۸۱ء میں حاصل کی تھی۔اس جامعہ کے پہلے صدرِ شعبہ پروفیسر قمر رئیس بنے۔ دیش بھگت یونیورسٹی گوبندگڑھ نے بھی سال رواں سے اردو تحقیق کا کام شروع کرایا ہے جہاں ڈاکٹر سالک جمیل بطورِ پروفیسر کام کر رہے ہیں۔

اس مقالے کا چوتھا باب ''مشرقی پنجاب کی جامعات میں تخلیق کردہ اہم تحقیقی وتنقیدی مقالے'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں اول تو سندی اور غیر سندی تحقیق کے حوالے سے مختصر سی وضاحت کی گئی ہے۔پھر جامعات میں کی جانے والی تحقیقی کاموں کے معیار پر بھی سرسری بحث کی گئی ہے۔اس باب کو مزید چار ضمنی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا ذیلی باب شاعری کے حوالے سے لکھے گئے اہم مقالات،اس باب میں پانچ مقالات پنجاب کی اردو غزل،اردو مرثیہ،اردو نظم،سکھ شعراء اور پنجاب کی شاعرات شامل کر کے ان پر تبصرہ کیا ہے۔دوسرے ذیلی باب میں نثر کے حوالے سے پانچ مقالات شامل کئے ہیں جن میں ناول،افسانہ،خواتین افسانہ نگار،سکھ نثر نگار اور اردو ڈرامے کی روایت کے متعلق مقالات کا مختصر تبصرہ کیا گیا ہے۔تیسرا ذیلی باب شخصیات کے حوالے سے ہیں۔اس باب میں تین اہم شخصیات کے مقالے شامل کئے ہیں جن کا تعلق مشرقی پنجاب سے ہی ہے۔ان شخصیات میں گوپال متل،کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر اور پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی شامل ہیں۔متفرقات کے حوالے سے بھی دو مقالے شامل کئے ہیں جن میں سے ایک پنجاب میں اردو زبان کی درس وتدریس اور دوسرا پنجاب کی اردو خودنوشت نگاری کے متعلق ہے۔ویسے تو ان جامعات میں تحریر کردہ تمام مقالات اپنے موضوع اور معیار کے اعتبار سے اہم ہیں مگر راقم الحروف نے صرف مشرقی پنجاب کے اردو ادب کے تعلق سے لکھے گئے مقالات میں سے چند کو شامل کر کے ان پر ہی تبصرہ کیا ہے۔شاملِ باب مقالات کا انتخاب مذکورہ تینوں جامعات سے کیا گیا ہے۔

اس مقالے کا پانچواں اور آخری باب ''مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کا مستقبل'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں راقم نے مشرقی پنجاب میں اردو کے ماضی،حال اور مستقبل کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اس خطے میں اردو تحقیق کے مستقبل کو اس خطے میں اردو کے مستقبل کے ساتھ جوڑنے کی سعی کی ہے کہ اگر اس خطے میں اردو رہے گی تو اردو تحقیق کا

وجود بھی قائم رہے گا۔اس خطے میں نئی نسل کے چند محققین کا مختصر تعارف اوران کی تحقیقی کاوشوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن کے ہاتھوں میں اس خطے کی اردو تحقیق اور اردو زبان کا مستقبل ہے۔لائبریریوں ،ادبی رسائل وجرائد اور تحقیقی و تعلیمی مراکز کا بھی اردو تحقیق کے فروغ میں ایک اہم کردار ہوتا ہے۔اس خطے میں موجود لائبریریوں اور رسائل وجرائد کا بھی مختصر تعارف پیش کیا ہے۔اردو زبان اور تحقیق کے مستقبل کے متعلق چند نکات بھی پیش کیے ہیں۔ان میں سے ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ

> ''اردو تحقیق کے مستقبل کے بارے میں سوچنے اور پیشن گوئی کرنے سے بہتر ہوگا کہ اردو میں تحقیق کی جائے اور تحقیق کروائی جائے۔اس سے اردو اور اردو تحقیق دونوں کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے۔''

اس باب میں جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس خطے میں اردو تحقیق کا مستقبل تابناک ہے۔

مجموعی طور پر اس تحقیقی مقالے میں مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کے حوالے سے جو جو کام ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد جائزہ لیا گیا ہے۔جس سے پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت اور موجودہ صورتِ حال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا ہے میں نے مشرقی پنجاب کی تحقیق کے حوالے سے تمام پہلوؤں کو سمیٹ لیا ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے اپنی بساط کے مطابق تمام کوشش کی ہے اور جو پہلو سامنے لائے ہیں وہ آنے والے محققین کے لئے کافی معاون ہونگے اور مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کے حوالے سے اس نوعیت کا پہلا مقالہ بھی ہوگا۔مجھے امیدِ کامل ہے کہ اس خطے ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کے حوالے سے یہ مقالہ کافی اہم ثابت ہوگا اور اردو تحقیق کی تاریخ میں ایک نئے باب کو وا کرنے کی کوشش کریگا۔اس مقالے کے ذریعے مشرقی پنجاب کے اکثر و بیشتر محققین کو اردو تحقیق کی دنیا سے متعارف کرایا گیا ہے۔مجھے امید ہے کہ مستقبل میں جب بھی مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کا مطالعہ کیا جائے گا میرا یہ مقالہ اس ضمن میں ضرور معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

☆☆☆

Ph.D. THESIS SUMMARY

MASHRIQI PUNJAB MEIN URDU KI ADABI TEHQEEQ: EK MUTALIA

مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق: ایک مطالعہ

فیکلٹی آف لینگویجز پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ
میں پیش کیا گیا خلاصہ برائے پی ایچ۔ڈی۔
اردو
۲۰۲۱

نگران — مقالہ نگار

ڈاکٹر محمد جمیل
(پروفیسر وسابقہ صدر)

اقبال احمد

Registration Date 17/09/2018

شعبۂ فارسی، اردو وعربی پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ
(پنجاب)

پنجاب کی دھرتی صرف تاریخی، تہذیبی، مذہبی اور روحانی اعتبار سے ہی منفرد و یکتا نہیں ہے بلکہ ادبی لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے۔اسے گیان اور دھیان کی دھرتی بھی کہا جاتا ہے۔اس سرزمین پر مختلف صوفی، سنتوں، عالموں اور قلمکاروں وغیرہ نے جنم لیا ہے۔ان لوگوں نے صرف اس خطے کی عوام کو ہی نہیں بلکہ پوری عالمِ انسانیت کو اپنی تخلیقات اور پیغامات سے محبت، بھائی چارے اور آپسی رواداری کا درس دیا تھا جس کا اثر آج تک اس خطے میں دکھائی دے رہا ہے۔اس خطے نے نہ صرف یہاں کی مادری زبان پنجابی کی پرورش کی اور فروغ دیا بلکہ علاقائی زبان کے ساتھ ساتھ کئی دوسری زبانوں کا بھی مسکن ہے اور انہیں فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔اس خطے کی زبانوں میں اردو بھی ایک اہم زبان ہے۔جس کے متعلق ایک مدت تک بلکہ اب بھی محمود شیرانی کا یہ نظریہ قابلِ قبول ہے کہ اس زبان کا جنم پنجاب میں ہوا ہے۔محمود شیرانی کے اس نظریے کی تائید پنجاب کے قلمکاروں اور دانشوروں کے علاوہ دیگر علاقہ جات کے قلمکاروں نے بھی کی ہے۔ان دانشوروں میں نظر شیر علی خان سرخوش، پروفیسر حمید احمد خان اور ڈاکٹر جمیل جالبی وغیرہ شامل ہیں۔

اردو زبان و ادب کی پرورش و پرداخت پنجاب کے قلمکاروں نے خوب کی اور اسے ترقی دینے اور بامِ عروج تک پہنچانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔اس علاقے میں اب بھی پنجابی، ہندی اور اردو زبانوں میں ادب تخلیق ہو رہا ہے۔یہاں پر اردو ادب کے حوالے سے بات کرنا مقصود ہے لہٰذا اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرتے ہوئے یہ بات قابلِ رقم ہے کہ پنجاب نے اردو کی آبیاری کرنے میں ایک نمایاں رول ادا کیا ہے۔اردو زبان و ادب سے وابستہ پنجاب کے قلمکاروں نے تقریباً ادب کی تمام نثری و شعری اصناف ہی نہیں بلکہ ہر میدان میں گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔اردو ادب

پنجاب کو ہی کہا جا سکتا ہے۔ اردو میں تحقیق کا آغاز بھی اسی خطے سے ہوا تھا اور پہلا ادبی محقق محمد حسین آزادؔ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ہم اردو کی پہلی ادبی تحقیقی کتاب آزادؔ کی تصنیف ''آبِ حیات'' کو کہہ سکتے ہیں۔ آزادؔ کے ساتھ ساتھ الطاف حسین حالیؔ نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اور حیاتِ سعدیؔ، حیاتِ جاوید اور یادگارِ غالبؔ جیسی سوانح عمریاں لکھ کر اردو تحقیق کی روایت کو مستحکم کیا۔ حالیؔ سے قبل اردو تحقیق ہمیں صرف ''آبِ حیات'' سمیت دیگر تذکروں میں ہی دکھائی دیتی ہے۔ مگر حالیؔ نے تذکرہ نگاری سے ہٹ کر انفرادی تحقیق کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ تذکروں میں مکمل تحقیقی شواہد دستیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ ان تذکروں میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو تخلیق کے وقت ذاتی پسند اور ناپسند پر کی بنا پر بھی لکھے گئے تھے لیکن پھر بھی اردو تحقیق کی ابتداء وارتقاء میں ان تذکروں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اردو ادب میں تذکرہ نگاری کا آغاز میر تقی میرؔ سے ہوتا ہے اور ان کا تذکرہ ''نکات الشعراء'' ۱۷۵۲ء کو اردو کا اولین تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کے بعد اسی طرز پر ان گنت تذکرے لکھے گئے جن میں سے چند قابلِ ذکر تذکرے ''تذکرہ ریختہ گویاں''، ''تذکرہ شعرائے اردو''، تذکرہ مخزن الشعراء، تذکرہ ہندی، تذکرہ گلشنِ ہند، طبقات الشعراء اور گلدستہ نازنین وغیرہ ہیں۔

بلاشبہ یہ تذکرے نہ تو مکمل تحقیق ہیں کے اور نہ ہی تحقیقی اصولوں کے مطابق لکھے گئے ہیں مگر ان کی ادبی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان ہی تذکروں سے ہمیں اردو کے چند مشاہیر شعراء کی سوانح مختصر انتخاب اور کلام پر تجزیہ دستیاب ہو جاتا ہے۔ تحقیق کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوتا ہے اور تحقیق کے حوالے سے مولوی عبدالحق کا نام سرِفہرست ہے۔ مولوی عبدالحق نے کتابوں، مخطوطات اور شعرائے اردو کے تذکروں کی بازیافت کی ہے۔ نکات الشعراء، تذکرہ ریختہ گویاں، ریاض الفصحا، سب رس، قطب مشتری، گلشنِ عشق اور معراج العاشقین یہ سب آپ کی کوششوں سے منظر عام پر آئیں ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد دواوین کی تلاش و تحقیق کر کے ان پر تحقیقی مقدمات بھی لکھے ہیں۔ تیسرا اہم نام

قاضی عبدالودود کا ہے جنھوں نے محمود شیرانی کی روایت کو آگے بڑھایا عیارستان، اشتروسوزن اور غالبؔ بحیثیت محقق وغیرہ ان کی تحقیقی کارنامے ہیں۔اردو تحقیق کو مزید وسعت بخشنے میں مولانا امتیاز علی عرشی ہیں۔انہوں نے تدوین کی طرف خصوصی توجہ دی۔غالبیات سے متعلق بھی کئی کتابیں دریافت کیں ہیں۔اردو محققین میں رشید حسن خان کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے تحقیق سے آپ کی خاص مزاجی مناسبت تھی۔فسانئہ عجائب، باغ و بہار، مثنوی سحرالبیاں اور گلزار نسیم وغیرہ کی ترتیب وتدوین کی۔

پنجاب کے قلمکاروں نے جہاں ایک طرف ادب کے ہر میدان میں اپنی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں وہیں دوسری جانب تحقیق وتنقید کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔پنجاب میں ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کا آغاز بھی محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات سے ہوتا ہے۔آزاد ایک متنوع شخصیت کے مالک تھے انہوں نے اردو ادب چاہے وہ نثر ہو یا نظم تحقیق ہو یا تنقید ہر میدان میں گران قدر اضافے کیے ہیں۔ان کی مایہ ناز کتاب نے نہ صرف آزاد کو ہی حیات بخشی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اردو کی تاریخ کو مکمل کرنے اور حیاتِ جاوِداں بخشی ہے تو بے جا ہوگا۔اس میں شک نہیں ہے کہ آزاؔد کی یہ کتاب تاریخ بھی ہے،تذکرہ بھی اور تحقیقی کتاب بھی ہے۔اس کتاب کو آزاؔد نے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے اور ولؔی دکنی سے لے کر غالبؔ تک کے چند مشاہیر شعراء کو شامل کیا ہے۔اس کتاب میں شعراء کی مختصر سوانح کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کا انتخاب اور تجزیہ بھی کیا ہے۔اس کتاب پر بہت تنقید بھی کی گئی ہے جو بے بنیاد نہیں ہے مگر پھر بھی ہم اس تذکرہ کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔

محمد حسین کے ساتھ ساتھ اس تحقیقی کام کو تقویت بخشنے والوں میں حالؔی، محمود شیرانی، مولانا غلام سول مہرؔ، شیخ محمد اکرام اور مالک رام کے نام کافی اہم ہیں۔ان بزرگوں نے اردو تحقیق میں کافی اضافے کیے ہیں۔آزادی اور تقسیم ہند سے قبل یہ خطہ یعنی پنجاب اردو کا ایک اہم مرکز تھا اور اردو کے بہت بڑے بڑے اور معتبر عالم، فاضل، ادیب وشاعر اور ناقد ومحقق اے خطے میں آباد تھے اور اردو زبان وادب بڑے ہی آب وتاب کے ساتھ پھل پھول رہے تھے لیکن پھر حالات میں کچھ

ایسا الٹ پھیر آیا کہ اس خطے میں موجود اردو کے اکثر و بیشتر دانشور منتشر ہو گئے جس سے اردو زبان و ادب کو بہت زق پہنچا جس کا ذمہ دار تقسیمِ ہند کا المیہ ہے۔ اس تقسیم نے نہ صرف ایک نئے ملک کو جنم دیا بلکہ پنجاب جو کہ ایک خوشحال صوبہ تھا اسے بھی تقسیم کر دیا گیا اور پنجاب کا ایک بڑا حصہ اس نئے ملک پاکستان میں شامل کر دیا گیا۔ تقسیم کی افراتفری سے جو خوفناک حالات پیدا ہوئے اس سے ہجرت کا عمل شروع ہوا اور عام لوگوں کے ساتھ ساتھ قلم کار اور فنکار بھی ہجرت کر کے محفوظ مقامات پر منتقل ہو گئے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں اردو کے ایسے ادیب و شاعر بھی شامل تھے جو عرصۂ دراز سے اس خطے میں اردو کی آبیاری کر رہے تھے۔ ان کی ہجرت نے اس خطے کے اردو ادب کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس خطے میں اردو کی محفلیں سونی پڑ گئیں۔ اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک برتا گیا گویا یہ اپنے ہی گھر سے بے گھر کر دی گئی۔ اردو تحقیق جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوئی ہی تھی کہ تقسیم سے ایسے متاثر ہوئی کہ ایک مدت تک اس میدان میں کوئی کارنامہ سامنے نہیں آیا تھا لیکن جب حالات تھوڑے سازگار ہوئے اس تحقیقی میدان میں جو خاموشی چھائی ہوئی تھی وہ ٹوٹی اور پھر ہندو پاک میں ادبی تحقیق کو ایسا فروغ حاصل ہوا کہ اس دور کو ہم اگر اردو تحقیق کا عہدِ زریں کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس دور میں سندی اور غیر سندی تحقیق میں گراں قدر اضافے ہوئے اور جامعات اردو تحقیق کا مرکز بن گئیں۔ جامعات سے باہر بھی کئی بلند پایہ محققین نے اپنی تحقیق کے ذریعے ادبی تاریکیوں کو روشن کیا اور تحقیق کے نئے اصول بھی وضع کیے۔ اس تحقیقی کام میں مشرقی پنجاب بھی پیش پیش رہا۔ اگرچہ اس خطے میں تحقیقی کام کافی تاخیر سے شروع ہوا پھر اردو تحقیق کے تئیں یہاں کافی اہم کام انجام دئے گئے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں غیر سندی تحقیق کی شروعات تقسیم کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی مگر سندی تحقیق کی ابتداء ستر کی دہائی میں ہوئی۔ اس کے بعد بکثرت سندی و غیر سندی تحقیقی کارنامے منظر عام پر آئے۔ ان کارناموں میں متون کی تصحیح و ترتیب، اصناف، عہد اور مشاہیرِ ادب پر تحقیق، رسائل کے حواشی، کتابوں کی فہرس، ادبی تاریخ، لغات اور تبصرے وغیرہ تصنیف کئے گئے ہیں۔ اس خطے میں جو تحقیقی کام ہوا اس کا اجمالی جائزہ لینا مشکل ہے۔

مشرقی پنجاب میں اردو ادب تخلیقیت کے ساتھ ساتھ تحقیق و تدوین کا کام بھی بڑی آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے اور کئی تحقیقی و تدوینی کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اس خطے میں ادباء و شعراء کے علاوہ ناقدین اور محققین بھی کافی تعداد موجود ہیں جنہوں نے اس میدان میں کافی کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ جب میں نے مشرقی پنجاب میں کی گئی تحقیق کے حوالے سے مطالعہ کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ یہاں کی تحقیق اور محققین کے موضوع پر ابھی تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کوئی باضابطہ تصنیف سامنے آئی ہے جس سے ہمیں اس خطہ میں کی گئی اردو تحقیق کے متعلق جانکاری فراہم ہوتی کہ یہاں پر تحقیق کا آغاز کب ہوا؟ اس خطے کا پہلا محقق کون ہے اور پہلی تحقیقی تصنیف کون سی اور کب تحریر میں آئی۔؟ ان ہی سوالوں کے جواب کی خاطر مقالہ نگار نے اپنے تحقیقی کام کے لئے ''مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی تحقیق: ایک مطالعہ'' کے عنوان سے موضوع کا انتخاب کیا تا کہ پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں کی گئی تحقیق منظرِ عام پر آ سکے اور اس میدان میں ایک اہم اور نئے باب کا اضافہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ فکر و تحقیق کے نئے در بھی وا ہو سکیں۔ اس موضوعِ تحقیق کو میں نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

میرے مقالے کا پہلا باب ''پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت'' ہے جسے راقم الحروف نے دو ذیلی ابواب میں منقسم کیا ہے۔ پہلا ''آزادی سے قبل پنجاب میں اردو تحقیق'' اور دوسرا ''آزادی کے بعد پنجاب میں اردو تحقیق''۔ پنجاب میں جہاں تک اردو تحقیق کی روایت کا ذکر ہے اس کا آغاز انیسویں صدی کے آخری دہائیوں میں ہوا۔ پنجاب میں اردو تحقیق کی ابتداء محمد حسین آزاد کے ہاتھوں ۱۸۸۰ء میں آب حیات کی اشاعت سے ہوتی ہے۔ اگر چہ یہ کتاب تحقیقی اصولوں کے مطابق نہیں ہے لیکن ایک نیا تجربہ ہونے کے ناطے اس میں چند خامیوں اور کمیوں کا ہونا میرے نزدیک کوئی خامی نہیں ہے۔ ان خامیوں کو جب ہم نظر انداز کر کے دیکھتے ہیں تو ''آب حیات'' میں ہمیں صرف اردو تحقیق کے ابتدائی نقوش ہی نہیں ملتے بلکہ یہ ایک باقاعدہ ادبی تحقیق کا نمونہ ہے۔ آبِ حیات کے متعلق ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ

''آبِ حیات ہماری صنف غزل کی طرح ہے۔ اس میں لاکھ کیڑے نکالیے لیکن اس سے

مفر ممکن نہیں۔۔۔آج ہمارے سامنے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہر اہم شاعر کا جو تصور ہے وہ آب حیات ہی کا عطا کردہ ہے۔تاریخی اعتبار آبِ حیات ہر جگہ درست نہ سہی لیکن ہماری ہر تاریخ ادب پر بھاری ہے۔اس میں جو چہکتی ہولتی زندگی جو روح جھندہ ہے وہ دوسری تاریخوں میں کہاں۔یہ تاریخ بھی ہے تخلیق بھی۔اس نے آبِ حیات پیا ہے، پلایا ہے۔''

(اردو میں اصولِ تحقیق، مرتبہ رؤف پاریکھ، ص ۲۸۲)

اردو تحقیق میں آزاد کے سامنے اس وقت ماسوائے تذکروں کے کوئی تحقیقی نمونے پیشِ نظر نہیں تھے لہذا ان کمیوں کا ہونا فطری تھا۔آنے والے محققین نے آبِ حیات کو ہی نمونہ بنا کر تحقیقی میدان میں قدم رکھا۔اس کے بعد اس خطے میں تحقیق کی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں حالؔی کا نام بھی قابل ذکر ہے انہوں نے نہ صرف تحقیقی روایت کے آغاز کو استحکام بخشا بلکہ اردو میں سوانح نگاری کے آغاز کا سہرا بھی ان ہی کے سر جاتا ہے۔اس دور کے دوسرے محققین میں محمود شیرانی ''پنجاب میں اردو'' کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے، موصوف نے لسانی اور ادبی تحقیق میں کافی کارنامے انجام دئے ہیں ۔غلام رسول مہر نے مولانا ابوالکلام آزاد اور غالبؔ کے حوالے تحقیق کی ہے۔اس کے علاوہ مالک رام نے بھی غالبیات کو ہی موضوعِ تحقیق بنایا اور ''غالب نامہ'' ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔شیخ محمد اکرام کا نام بھی غالبیات کے سلسلے میں اہم ہے اور ''ارمغانِ غالب'' ان کا اہم کارنامہ ہے۔مذکورہ بالا محققین نے اس خطے میں آزادی سے قبل اردو تحقیق کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے فروغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔

اس کے بعد دوسرے ذیلی عنوان میں '' آزادی کے بعد پنجاب میں اردو تحقیق'' کے حوالے سے متحدہ پنجاب کے محققین کی نشاندہی کرنے کے بعد ان محققین کی تحقیق کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔بیسویں دراصل اردو تحقیق کی صدی ہے اور اس میں اردو تحقیق نے جو منازل طے کئے ہیں وہ قابل رشک ہیں۔جہاں تک اس خطے میں اردو تحقیق کا تعلق ہے

وہ دوسری ریاستوں کے شانہ بشانہ ترقی کی راہوں کو سر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔اردو کی ادبی تاریخ جیسے پنجاب کے قلمکاروں کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے اسی طرح اردو تحقیق کی تاریخ بھی پنجاب کے محققین کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔

آزادی کے بعد اس خطے کے محققین میں پہلا نام نظیر لدھیانوی کا ہے۔ان کے اہم تحقیقی کام تذکرہ شعرائے اردو اور تاریخ ادب اردو ہیں۔ڈاکٹر سید عبداللہ اقبالیات کے حوالے سے ایک اہم نام ہے انہوں نے مسائل اقبال اور مقاماتِ اقبال اور اس کے علاوہ اور بھی جملہ مسائل کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔شیخ محمد اکرام اور مالک رام نے آزادی سے قبل اور مابعد آزادی بھی تحقیقی خدمات انجام دی ہیں۔عین الحق فرید کوٹی کا بیسویں صدی کے ماہرینِ لسانیات کے حوالے سے ایک اہم نام ہے انہوں نے ''اردو زبان کی قدیم تاریخ'' کے نام سے ۱۹۷۲ء میں شائع کی۔انہوں نے اردو زبان کو ہند آریائی نہیں بلکہ دراوڑی گردانا ہے۔ان کے علاہ وزیر آغا، ڈاکٹر وحید قریشی، مشفق خواجہ، انیس ناگی، تبسم کاشمیری، محمد زکریا، سید معین الرحمٰن اور انور سدید وغیرہ جیسے باوقار محققین پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

مقالے کے دوسرا باب ''مشرقی پنجاب میں اردو کے اہم محقق'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں پہلے تقسیمِ ہند کے پنجاب پر اثرات اور تقسیمِ پنجاب کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کے علاوہ مشرقی و مغربی پنجاب کا قیام اور تقسیم سے قبل پنجاب میں اردو کی صورتحال اور مابعد تقسیم مشرقی پنجاب میں اردو کی پامالی کا سرسری نقشہ کھینچا ہے۔اس باب میں مشرقی پنجاب سے تعلق رکھنے والے تقریباً بیس محققین کو شامل کر کے ان کی مختصر سوانح اور تحقیقی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ان محققین کی فہرست میں کچھ ایسے نام بھی شامل ہیں جنہوں نے تحقیق کے علاوہ اردو ادب کے ذخیرے میں بھی اپنی تصنیفات سے اضافہ کیا ہے۔شامل باب محققین کو تاریخِ پیدائش کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔سب سے پہلے پنڈت رتن پنڈوروی کو شامل کیا ہے۔رتن نے مشرقی پنجاب میں اردو کی ادبی شمع اور تحقیقی شمع کو اس وقت بھی جلائے رکھا جب یہ زبان اس خطے سے جلاوطن کر دگئی تھی۔ان کی تحقیقی خدمات نورتن، ہندی کے مسلمان شعراء اور تحقیقی مباحث کی

شکل میں منظرِ عام پر آئیں ۔اس سلسلے کا دوسرا نام رام لعل نابھوی کا ہے ۔رام لعل طنز ومزاح نگار تھے مگر انہوں نے تلوک چند محروم اور چکبست جیسے بلند پایہ قلمکاروں پر تحقیقی کتب لکھ کر خود کو مشرقی پنجاب کے محققین کی صف میں شامل کرلیا۔کالی داس گپتا رضؔا مشرقی پنجاب میں غالبؔ اور ذوقؔ کے ناقد اور محقق کے حوالے سے جانے جاتے ہیں ۔غالبیات ان کا پسندیدہ موضوع تھا اور اس تعلق سے متعلقاتِ غالبؔ اور غالبؔ درونِ خانہ ان کی اہم کتب ہیں ۔آزادؔ گلاٹی کی تحقیقی کتب اذکار اور افکار کے نام سے شائع ہوئیں ۔امرت لعل عشرت نے تحقیق اور تدوین میں کافی اہم کام کیے ہیں جن سخنواران بنارس اور ترتیب کلیاتِ سوداؔ اہمیت کے حامل ہیں ۔ڈاکٹر نریش نے مشرقی پنجاب کے فکشن ،شاعری اور تحقیق وتنقید میں کافی نام کمایا ہے تحقیق کے حوالے سے ادب کی پرکھ اور جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر اہم کتابیں ہیں ۔مذکورہ محققین کے علاوہ خالد کفایت ،انسپکٹر محمد حبیب (گلدستہ ادب مالیر کوٹلہ حصہ نظم اور نثر)،انوار احمد انصاری (پنجاب کا طنزیہ ومذاحیہ نثری ادب)ڈاکٹر سلیم زبیری نے پنجاب کی غزلیہ شاعری کے حوالے سے ’’آزادی کے بعد پنجاب میں اردو غزل‘‘ کے عنوان سے کتاب شائع کی ۔مشرقی پنجاب کی صحافت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اسلم نے اہم کام کیا ہے ۔ان کی تحقیق کا موضوع ہی ادبی صحافت ہے ۔انہوں نے صحافت کی تاریخ بھی ’’تاریخ اردو صحافتِ پنجاب‘‘ کے عنوان سے لکھ کر اس میدان میں ایک سنگ میل قائم کیا۔اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد تحقیقی کتب ہیں ۔پنجاب کی ڈرامہ نگاری کے حوالے ڈاکٹر انعام الرحمٰن نے اہم کام کیا ہے اس کے علاوہ انہوں نے کافی کتابیں مرتب بھی کی ہیں ۔مشرقی پنجاب کی تحقیق کے حوالے سے یہ باب کافی اہم ہے۔

اس مقالے کا تیسرا باب ’’مشرقی پنجاب کی جامعات میں اردو تحقیق‘‘ کے عنوان سے ہے ۔اس باب میں راقم نے ان جامعات میں ہونے والی تحقیق کی فہرست سازی کے علاوہ ان جامعات سے منسلک پروفیسر صاحبان کی تحقیقی خدمات کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے ۔اس باب کے آغاز میں ہندوستانی جامعات میں پی ایچ ۔ڈی کی ڈگری کا آغاز کب ہوا اور کس یونیورسٹی نے پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی اور کس کو کی ؟ ان تمام سوالات کے جوابات مع دلائل پیش کیے ہیں اور

اپنی تحقیق سے کچھ نظریات اور تحقیقات کو منسوخ بھی کیا ہے۔ ہندوستانی جامعات سے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ کلکتہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے ۱۹۳۱ء میں پہلی پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کو عطا کی ہے مگر میں نے مع دلائل اس بات کی تردید کی ہے کہ ڈاکٹر موصوف نہ تو اردو کے پہلے پی ایچ ڈی ہیں اور نہ ہی اردو میں پی۔ایچ ڈی ہیں بلکہ اردو کے پہلے پی ایچ۔ڈی سید رفیق حسین ہیں اور انہیں الہ آباد یونیورسٹی نے ۱۹۴۲ء میں ڈگری عطا کی ہے اور پہلی ڈی لٹ کی ڈگری بھی اسی یونیورسٹی سے ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے حاصل کی۔

مشرقی پنجاب میں تیس سے زائد جامعات ہیں مگر صرف تین جامعات میں اردو میں تحقیق کروائی جارہی ہے ان جامعات میں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ اور گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر شامل ہیں۔ان تینوں جامعات میں سے سب سے زیادہ تحقیقی کام پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں ہوا ہے۔اس جامعہ کے شعبہ اردو کے پہلے صدر کرپال سنگھ بیدآر بنے اور تحقیقی کام کی شروعات ستر کی دہائی میں ہوگئی تھی اور پہلی ایم۔فل کی ڈگری ذاکر حسین نقوی کو عطا ہوئی۔اس کے بعد یہ تحقیقی کارواں متواتر ترقی کرتا ہوآج اکیسویں صدی کی تیسری دہائی میں داخل ہوگیا ہے۔اس کے علاوہ اس جامعہ کے تقریباً نو پروفیسر صاحبان کی مختصر سی سوانح اور تحقیقی خدمات پر بھی گفتگو کی ہے۔اس خطے کی دوسری جامعہ پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ اس میں اردو تحقیق کا آغاز اسی کی دھائی میں ہوا تھا۔اس جامعہ نے پہلی پی ایچ ڈی کی سند سوہن سنگھ نے حاصل کی اور پہلے صدرِ شعبہ کا سدر ہونے کا اعزاز ڈاکٹر ہارون ایوب کو حاصل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بھی ہے اور چنڈی گڑھ میں بھی لیکن اردو زبان وادب کی تحقیق اور تدریس کے حوالے سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کا نام ومقام کافی بلند ہے۔مشرقی پنجاب کی اردو کے حوالے سے تیسری اہم جامعہ گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر ہے ۔اس جامعہ میں اردو تحقیق کا آغاز ستر کی دہائی میں ہی ہوا تھا اور پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری برکت علی ہے ۱۹۸۱ء می ں حاصل کی۔اس جامعہ کے پہلے صدرِ شعبہ پروفیسر قمر رئیس بنے۔

اس مقالے کا چوتھا باب ''مشرقی پنجاب کی جامعات میں تخلیق کردہ اہم تحقیقی وتنقیدی مقالے'' کے عنوان سے ہے۔اس

باب میں اول تو سندی اور غیر سندی تحقیق کے حوالے سے مختصر سی وضاحت کی ہے پھر جامعات میں کی جانے والی تحقیقی کاموں کے معیار پر بھی سرسری بحث کی ہے۔اس باب کو مزید چار ضمنی ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا ذیلی باب شاعری کے حوالے سے لکھے گئے اہم مقالات،اس باب میں پانچ مقالات پنجاب کی اردو غزل،اردو مرثیہ،اردو نظم،سکھ شعراء اور پنجاب کی شاعرات شامل کر کے ان پر تبصرہ کیا ہے۔دوسرے ذیلی باب میں نثر کے حوالے سے پانچ مقالات شامل کئے ہیں جن میں ناول،افسانہ،خواتین افسانہ نگار،سکھ نثر نگار اور اردو ڈرامے کی روایت کے متعلق مقالات کا مختصر تجزیہ کیا ہے۔تیسرا ذیلی باب شخصیات کے حوالے سے ہیں۔اس باب میں تین اہم شخصیتوں کے مقالے شامل کئے ہیں جن کا تعلق مشرقی پنجاب سے ہی ہے۔ان شخصیات میں گوپال متل،کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر اور پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی شامل ہیں۔متفرقات کے حوالے سے بھی دو مقالے شامل کئے ہیں جن میں سے ایک پنجاب مین اردو زبان کی درس وتدریس اور دوسرا پنجاب کی اردو خودنوشت نگاری کے متعلق ہے۔ویسے تو ان جامعات میں تحریر کردہ تما مقالات اپنے موضوع اور معیار کے اعتبار سے اہم ہیں مگر راقم الحروف نے صرف مشرقی پنجاب کے اردو ادب کے تعلق سے لکھے گئے مقالات میں سے چند کو شامل کر کے ان پر ہی تبصرہ کیا ہے۔شامل باب مقالات کا انتخاب مذکورہ تینوں جامعات سے کیا گیا ہے۔

اس مقالے کا پانچواں اور آخری باب ''مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کا مستقبل'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں راقم نے مشرقی پنجاب میں اردو کے ماضی،حال اور مستقبل کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اس خطے میں اردو تحقیق کے مستقبل کو اس خطے میں اردو کے مستقبل کے ساتھ جوڑا ہے کہ اگر اس خطے میں اردو رہے گی تو اردو تحقیق کا وجود بھی قائم رہے گا۔اس خطے میں نئی نسل کے چند محققین کا مختصر تعارف اور ان کی تحقیقی کاوشوں کا ذکر بھی کیا جن کے ہاتھوں میں اس خطے کی اردو تحقیق اور اردو زبان کا مستقبل ہے۔لائبریریوں،ادبی رسائل و جرائد اور تحقیقی و تعلیمی مراکز کا بھی اردو تحقیق کے فروغ میں ایک اہم کردار ہوتا ہے۔اس خطے میں موجود لائبریریوں اور رسائل و جرائد کا بھی مختصر تعارف پیش کیا

ہے۔اردو زبان اور تحقیق کے مستقبل کے متعلق چند نکات بھی پیش کئے ہیں۔ان میں سے ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ

”اردو تحقیق کے مستقبل کے بارے میں سوچنے اور پیشن گوئی کرنے سے بہتر ہے کہ اردو میں تحقیق کی جائے اور تحقیق کروائی جائے۔اس سے اردو اور اردو تحقیق دونوں کا مستقبل تابناک ہو سکتا ہے۔“

اس باب میں جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس خطے میں اردو تحقیق کا مستقبل تابناک ہے۔

مجموعی طور پر اس تحقیقی مقالے میں مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کے حوالے جو جو کام ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد جائزہ لیا گیا ہے۔جس سے پنجاب بالخصوص مشرقی پنجاب میں اردو تحقیق کی روایت اور موجودہ صورتِ حال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے میں نے مشرقی پنجاب کی تحقیق کے حوالے سے تمام پہلوؤں کو سمیٹ لیا ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے اپنی بساط کے مطابق تمام کوشش ہے اور جو پہلو سامنے لائے ہیں وہ آنے والے محققین کے لئے کافی معاون ہونگے اور مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کے حوالے سے اس نوعیت کا پہلا مقالہ بھی ہے۔ مجھے امیدِ کامل ہے کہ اس خطے ہی نہیں بلکہ اردو تحقیق کے حوالے سے یہ مقالہ کافی اہم ثابت ہوگا اور اردو تحقیق کی تاریخ میں ایک نئے باب کو وا کرنے کی کوشش کریگا۔اس مقالے کے ذریعے مشرقی پنجاب کے اکثر و بیشتر محققین کو اردو تحقیق کی دنیا سے متعارف کرایا گیا ہے۔مجھے امید ہے کہ مستقبل میں جب بھی مشرقی پنجاب کی اردو تحقیق کا مطالعہ کیا جائے گا میرا یہ مقالہ اس میں ضرور معاون کا کام کریگا۔

Ph.D. THESIS SUMMARY

MASHRIQI PUNJAB MEIN URDU KI ADABI TEHQEEQ: EK MUTALIA

Presented to the Faculty of Languages
Punjabi University,Patiala (Punjab)
Ph.D. URDU
2021

SUPERVISOR — RESEARCH SCHOLAR

Dr Mohd Jameel (Professer & Ex Head) — **Iqbal Ahmed**

Registration Date **17/09/2018**

DEPARTMENT OF PERSIAN,URDU AND ARABIC
PUNJABI UNIVERSITY PATIALA (PUNJAB)

کتابیات

بنیادی ماخذات

نمبر شمار	مصنف	کتاب کا نام	پبلشر	اشاعت
۱	آزاد محمد حسین	آبِ حیات	اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ	۱۹۹۳ء
۲	آزاد محمد حسین	دیوانِ ذوقؔ	رفاہ عام پریس لاہور	۱۹۲۲ء
۳	آزاد محمد حسین	مقالاتِ آزاد	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۶ء
۴	انسپکٹر محمد حبیب	گلدستہ ادب مالیرکوٹلہ (حصہ نثر)	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس	۲۰۱۵
۵	انسپکٹر محمد حبیب	گلدستہ ادب مالیرکوٹلہ (حصہ نظم)	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس	۲۰۱۵
۶	انصاری ڈاکٹر انوار احمد	پنجاب کا طنزیہ و مزاحیہ نثری ادب	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس	۲۰۰۵ء
۷	انعام الرحمٰن ڈاکٹر	سید کوثر علی شاہد جعفری حیات	ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی	۲۰۱۶
۸	انعام الرحمٰن ڈاکٹر	شہر ندا میں اجنبی (مرتب)	ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی	۲۰۱۸
۹	انعام الرحمٰن ڈاکٹر	پنجاب میں اردو ڈرامے کی روایت	ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی	۲۰۱۹
۱۰	انور سدید	اردو ادب کی تحریکیں	کتابی دنیا دہلی	۲۰۰۴ء
۱۱	انور سدید	اقبال شناسی اور ادبی دنیا	بزم اقبال لاہور	۱۹۸۸ء
۱۲	انور سدید	اقبال کے کلاسیکی نقوش	اقبال اکیڈمی لاہور	۱۹۸۸ء
۱۳	انور سدید	مولانا صلاح الدین ایوبی ایک مطالعہ	اکیڈمی ادبیاتِ پاکستان	۱۹۹۱ء
۱۴	انور سدید	اردو افسانے کی کروٹیں	مکتبہ عالیہ لاہور	۱۹۹۱ء

۱۵	انور سدید	پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ	اکیڈمی ادبیات پاکستان	۱۹۹۲
۱۶	انیس ناگی	غالبؔ ایک شاعر ایک اداکار	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۱۹۸۷ء
۱۷	انیس ناگی	نثری نظمیں	مکتبہ جمالیات لاہور	۱۹۸۱ء
۱۸	انیس ناگی	نیا شعری افق	آصف جمال، جمالیات لاہور	۱۹۸۸ء
۱۹	انیس ناگی	پاکستانی ادب (حصہ شعر)	اکیڈمی ادبیات پاکستان	۱۹۹۴ء
۲۰	انیس ناگی	پاکستانی اردو ادب کی تاریخ	جمالیات لاہور	۲۰۰۴ء
۲۱	بیدارؔ کرپال سنگھ	صفیر خیال	پال برادرز پٹیالہ	۱۹۷۷
۲۲	پنڈوروی رتنؔ	ہندی کے مسلمان شعراء	مکتبہ شان ہند دہلی	۱۹۸۲ء
۲۳	پنڈوروی رتنؔ	تحقیقی مباحث	شان ہند پبلی کیشنز دہلی	۱۹۸۸
۲۴	پنڈوروی رتنؔ	نورتن	کتب خانہ انجمن ترقی ہند دہلی	۱۹۵۴
۲۵	حالیؔ الطاف حسین	حیات سعدی	امپریئل پریس لاہور	۱۸۸۷
۲۶	حالیؔ الطاف حسین	یادگار غالب	امپریئل پریس لاہور	۱۸۹۷
۲۷	حالیؔ الطاف حسین	حیات جاوید	امپریئل پریس لاہور	۱۹۰۱
۲۸	حالیؔ الطاف حسین	مقالات حالیؔ	امپریئل پریس لاہور	۱۹۳۴
۲۹	خالد کفایت	اشتہاروں والی حویلی	امروز کتب مالیر کوٹلہ	۱۹۹۱
۳۰	خالد کفایت	تنکا تنکا آشیاں	امروز کتب مالیر کوٹلہ	۲۰۰۱
۳۱	خواجہ محمد زکریا	اکبر الہٰ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۲۰۰۳
۳۲	خواجہ محمد زکریا	کلیات حفیظ جالندھری	فرید بک ڈپو لمیٹڈ دہلی	۲۰۰۸

۳۳	خواجہ محمد زکریا	کلیات مجید امجد	فرید بک ڈپو لمیٹڈ دہلی	۲۰۱۱
۳۴	خواجہ محمد زکریا	مختصر تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۲۰۱۶
۳۵	خواجہ مشفق	غالب اور صفیر بلگرامی	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱۹۵۴
۳۶	خواجہ مشفق	تذکرہ خوش معرکہ زیبا	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱۹۷۲
۳۷	خواجہ مشفق	اقبال از احمد دین	انجمن ترقی اردو پاک و ہند	۱۹۷۹
۳۸	خواجہ مشفق	تحقیق نامہ	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور	۱۹۹۱
۳۹	خواجہ مشفق	مرزا یگانہ شخصیت اور فن	آصف پبلی کیشنز علی گڑھ	۱۹۹۲
۴۰	ڈاکٹر رحمان اختر	پنجاب کی نمائندگی اردو پنجابی ناول میں	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۰۶
۴۱	ڈاکٹر رحمان اختر	اصناف ادب اور پنجاب کے نمائندہ قلمکار	یجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۹۸
۴۲	ڈاکٹر رحمان اختر	ادب پنجاب	یجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۵
۴۳	ڈاکٹر رحمان اختر	اشاریہ پرواد باز	بھاشا وبھاگ پٹیالہ	۲۰۱۶
۴۴	ڈاکٹر رحمان اختر	ادب تحقیق	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۳
۴۵	ڈاکٹر روبینہ	اردو غزل کی ماہ تمام	بھارت آفسیٹ دہلی	۲۰۰۴
۴۶	ڈاکٹر روبینہ	پروین شاکر کی نظمیہ شاعری	بھارت آفسیٹ دہلی	۲۰۰۶
۴۷	ڈاکٹر روبینہ	بشریٰ اعجاز کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ	بھارت آفسیٹ دہلی	۲۰۰۶
۴۸	ڈاکٹر سید عبداللہ	بحث ونظر	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۵۲
۴۹	ڈاکٹر سید عبداللہ	ادبیات فارسی میں اردو کا حصہ ۱۹۶۷	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۷
۵۰	ڈاکٹر سید عبداللہ	وجہی سے عبدالحق	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۵

۵۱	ڈاکٹر سید عبداللہ	ولی سے اقبال تک	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۵
۵۲	ڈاکٹر روبینہ	تنقیدی مطالعے	بھارت آفسیٹ دہلی	۲۰۰۶
۵۳	ڈاکٹر محمد جمیل	قدیم شعرائے مالیر کوٹلہ	مالیر کوٹلہ	۱۹۹۹
۵۴	ڈاکٹر محمد جمیل	ادبستان پنجاب	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۰۸
۵۵	ڈاکٹر محمد جمیل	اردو فارسی اور پنجاب	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۷
۵۶	ڈاکٹر محمد جمیل	کلیات بیدار	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۸
۵۷	ڈاکٹر محمد جمیل	دستور فارسی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۲۰
۵۸	ڈاکٹر ناشر نقوی	تحریک آزادی میں اردو کا حصہ	ہریانہ اردو اکادمی	۱۹۸۸
۵۹	ڈاکٹر ناشر نقوی	مہدی نظمی فن اور شخصیت	مہدی نظمی میموریل سوسائٹی	۱۹۸۸
۶۰	ڈاکٹر ناشر نقوی	حالی اور سرزمین حالی	ہریانہ اردو اکادمی	۱۹۸۹
۶۱	ڈاکٹر ناشر نقوی	اردو پنجاب اور سکھ شعراء	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۱۹۹۹
۶۲	ڈاکٹر ندیم احمد	چند مشاہیر ادب	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۳
۶۳	ڈاکٹر محمد اسلم	مشترکہ پنجاب کے اردو اخبارات	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۵
۶۴	ڈاکٹر محمد اسلم	مشترکہ پنجاب کے اردو صحافی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۶
۶۵	ڈاکٹر محمد اسلم	ادبی صحافت کے اولین نقوش	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۶
۶۶	ڈاکٹر محمد اسلم	تاریخ اردو صحافت پنجاب	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۶
۶۷	ڈاکٹر محمد اسلم	مشرقی پنجاب کا صحافتی سفر	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۹
۶۸	ڈاکٹر ندیم احمد	ادبی روش	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۰۹

۶۹	رضا کالی داس گپتا	متعلقات غالب	ول پبلی کیشنز بمبئی	۱۹۷۸
۷۰	رضا کالی داس گپتا	چکبست، باقیات چکبست	ساکار پبلی شعز بمبئی	۱۹۸۱
۷۱	رضا کالی داس گپتا	غالب درون خانہ	ساکار پبلی شعز بمبئی	۱۹۸۹
۷۲	رضا کالی داس گپتا	خاقانی ہند ذوق دہلوی	انجمن ترقی اردو ہند دہلی	۲۰۰۱
۷۳	رضا کالی داس گپتا	جہان استد داغ دہلوی	رسالہ اسباق	۱۹۹۷
۷۴	رؤف پاریکھ	پاکستان اور ہندوستان میں اردو تحقیق	ادارہ یادگار غالب کراچی	۲۰۱۳
۷۵	زینت اللہ جاوید	تلوک چند محروم شخصیت اور فن	محروم لٹریری سوسائٹی دہلی	۱۹۹۷
۷۶	زینت اللہ جاوید	مجلّہ نثر نگاران مالیر کوٹلہ	نواب شیر خان انسٹی ٹیوٹ	۲۰۰۸
۷۷	زینت اللہ جاوید	نئی اردو شاعری	امیج پبلی کیشنز مہاراشٹر	۱۹۷۷
۷۸	زینت اللہ جاوید	نظیری کا تخلیقی شعور	امیج پبلی کیشنز مہاراشٹر	۱۹۹۰
۷۹	زینت اللہ جاوید	شعری رویے	امیج پبلی کیشنز مہاراشٹر	۱۹۸۸
۸۰	سروری عبدالقادر	جدید اردو شاعری	انجمن ترقی اردو ہند حیدرآباد	۱۹۳۲
۱۸	سلیم زبیری	تنقیدی زاویے	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۱
۸۲	سلیم زبیری	آزادی کے بعد پنجاب میں اردو غزل	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۱۱
۸۳	شیخ محمد اکرام	حیات غالب	جہانگیر بک ڈپو	۱۹۵۷
۸۴	شیخ محمد اکرام	ارمغان غالب	تاج آفس بمبئی	۱۹۴۴
۸۵	شیخ محمد اکرام	حکیم فرزانہ	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	۱۹۷۷
۶۸	شیخ محمد اکرام	یادگار شبلی	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	۱۹۷۱

۷۸	شیرانی حافظ محمود	پنجاب میں اردو	اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ	۱۹۸۲
۷۹	شیرانی حافظ محمود	تنقید شعر العجم	انجمن ترقی اردو	۱۹۴۲
۸۰	شیرانی حافظ محمود	مقالات شیرانی	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۶
۸۱	عشرت امرت لعل	ایران صدیوں کے آئینے میں	ڈاکٹر امرت لعل عشرت	۱۹۸۵
۸۲	عشرت امرت لعل	سخنواران بنارس	ڈاکٹر امرت لعل عشرت	۱۹۶۸
۸۳	عشرت امرت لعل	کلیات سوداؔ	رام نارائن لال سینی مادھو	۱۹۷۱
۸۴	فرید کوٹی عین الحق	اردو زبان کی قدیم تاریخ	ارسلان پبلی کیشنز لاہور	۱۹۷۲
۸۵	قریشی ڈاکٹر وحید	شبلی کی حیات معاشقہ	مکتبہ جدید لاہور	۱۹۵۰
۸۶	قریشی ڈاکٹر وحید	کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ	مکتبہ جدید لاہور	۱۹۶۵
۸۷	قریشی ڈاکٹر وحید	نذر غالب	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۱۹۷۰
۸۸	قریشی ڈاکٹر وحید	علامہ اقبال کی تاریخ ولادت	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۱۹۹۴
۸۹	قریشی ڈاکٹر وحید	مقالات تحقیق	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۱۹۸۸
۹۰	قریشی ڈاکٹر وحید	مطالعہ حالی	مکتبہ جدید لاہور	۱۹۶۶
۹۱	کاشمیری ڈاکٹر تبسم	آب حیات	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۱۹۷۰
۹۲	کاشمیری ڈاکٹر تبسم	فسانہ آزاد تنقیدی جائزہ	اردو رائٹرس گولڈ الہ آباد	۱۹۸۰
۹۳	کاشمیری ڈاکٹر تبسم	ادبی تحقیق کے اصول	مقتدرہ قومی زبان پاکستان	۱۹۹۲
۹۴	کاشمیری ڈاکٹر تبسم	اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۹۵۷	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۲۰۰۳
۹۵	کمار ڈاکٹر نریش	ادب کی پرکھ	ماڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۸۳

۹۶	کمارڈاکٹرنریش	جدید ہندی شاعری پراردوکااثر	قومی کونسل فروغ برائے اردوزبان	۲۰۱۷
۹۷	گلاٹی آزاد	اذکار	طالب پریس سہارنپور	۱۹۸۷
۹۸	گلاٹی آزاد	اظہار	ماڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی	۱۹۹۶
۹۹	گلاٹی آزاد	آب سراب	ماڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی	۱۹۹۲
۱۰۰	لدھیانوی نظیر	تذکرہ شعرائے اردو	عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور	۱۹۵۳
۱۰۱	مالک رام	ذکر غالب	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱۹۷۶
۱۰۲	مالک رام	تلامذۂ غالب	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۵۸
۱۰۳	مالک رام	فسانۂ غالب	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۷۷
۱۰۴	مالک رام	سبد چین	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۵۷
۱۰۵	مالک رام	تذکرہ ماہ وسال	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۹۱
۱۰۶	مالک رام	تذکرہ معاصرین (آخری جلد)	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۸۲
۱۰۷	مالک رام	تحقیقی مضامین	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۸۴
۱۰۸	مالک رام	کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۸۹
۱۰۹	معین الرحمٰن سعید	بابائے اردواحوال وآثار	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۱۹۷۶
۱۱۰	معین الرحمٰن سعید	تحقیق غالب	اردواکیڈمی سندھ کراچی	۱۹۸۱
۱۱۱	معین الرحمٰن سعید	جہان غالب	اقبال اکیڈمی لاہور	۱۹۹۷
۱۱۲	معین الرحمٰن سعید	مطالعہ یلدرم	نذر سنز لاہور	۱۹۷۱
۱۱۳	معین الرحمٰن سعید	یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق	یونیورسل بک لاہور	۱۹۸۱

۱۱۴	نا بھوی رام لال	تبسم	انجمن ترقی اردو ہند	۱۹۸۶
۱۱۵	نا بھوی رام لال	آم کے آم	انجمن ترقی اردو ہند	۱۹۸۶
۱۱۶	نا بھوی رام لال	تلوک چند محروم ہندوستانی ادب کا معمار	انجمن ترقی اردو ہند	۱۹۹۲
۱۱۷	نا بھوی رام لال	چکبست حیات وادبی خدمات	انجمن ترقی اردو ہند	
۱۱۸	وزیر آغا	اردوادب میں طنز ومزاح	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس	۱۹۹۰
۱۱۹	وزیر آغا	عبدالرحمٰن چغتائی شخصیت اورفن	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس	

ثانوی ماخدات

نمبر	مصنف	کتاب کا نام	مقام اشاعت	سنہ
۱۲۰	احمد بیگ، مرزا خلیل	اردوزبان کی تاریخ	علی گڑھ	۲۰۰۷
۱۲۲	اعظمی شاہد	اردو تحقیق اور مالک رام	نئی دہلی	۱۹۷۵
۱۲۳	اکمل محمد	آزادی سے قبل اردو تحقیق	نئی دہلی	۲۰۱۳
۱۲۴	اکمل محمد	اردو تحقیق کا عہد زریں	نئی دہلی	۲۰۱۶
۱۲۵	انصاری، اسکوب احمد	ادب اور تنقید	الہ آباد	۱۹۶۸
۱۲۶	بیدی، ڈاکٹر کالا سنگھ	ہندوستانی تین زبانیں	دہلی	۱۹۶۴
۱۲۷	ادیب ظفر	کالی داس گپتا رضا	بمبئی	۱۹۸۲
۱۲۸	بھاشا وبھاگ پنجاب	پنجاب کا بہترین اردوادب	جالندھر	۲۰۰۱
۱۲۹	جالبی جمیل	ادبی تحقیق	دہلی	۱۹۹۶

۱۳۰	جالبی جمیل	تاریخ ادب اردو، حصہ اول	دہلی	۱۹۷۷
۱۳۱	جہازی سندباد	جدید جغرافیہ پنجاب	لاہور	۱۹۴۰
۱۳۲	جین گیان چند	تحقیق کا فن	دہلی	۲۰۰۵
۱۳۳	جین گیان چند	غالب شناس مالک رام	نئی دہلی	۱۹۶۶ء
۱۳۴	حسن محمد ،ڈاکٹر	جدید اردو ادب	نئی دہلی	۱۹۷۵
۱۳۵	خواجہ مشفق	تحقیق نامہ	لاہور	1991
۱۳۶	خان، رشید حسن	ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ		۱۹۷۸
۱۳۷	خان، رشید حسن	تدوین، تحقیق، روایت	نئی دہلی	1999
۱۳۸	زیدی علی جواد	مالک رام ایک مطالعہ	نئی دہلی	۱۹۸۶
۱۳۹	ساقی کے ایل نارنگ	ہندوستانی ادب کے معمار	دہلی	۲۰۰۷
۱۴۰	سکسینہ، رام بابو	تاریخ ادب اردو	پاکستان	۱۹۴۹
۱۴۱	سید محمد لطیف	تاریخ پنجاب	لاہور	۲۰۰۰
۱۴۲	سحر ابو محمد	ادبی تحقیق و تنقید	بھوپال	۲۰۰۲
۱۴۳	صدیقی نور الاسلام	ریسرچ کیسے کریں	نئی دہلی	۱۹۹۰

انگریزی کتب

Koul ,Lokesh Methodology of Educational Research,Vikas Publishing House Pvt.Ltd,New Delhi,1999

KVS Madaan — Teaching and Research Aptitude,Pearson India Education Services Pvt.Ltd Noida(UP),2019

Nagendra — Literary Criticism In India,Sarti Parkashan.Meerut ,1976

James L Harner — Literary Research Guide, 5th Edition ,Modern Language Association,2008

Andrew Bennett, — An Introduction to Literature,Criticism and Theory eBook,March2016

رسائل و جرائد

۱۴۹	آج کل (مالک رام نمبر)	ماہنامہ، دہلی، مارچ ۱۹۹۴
۱۵۰	اردو دنیا	ماہنامہ دہلی
۱۵۱	ایوان اردو	ماہنامہ، اردو اکادمی نئی دہلی
۱۵۲	پرواز ادب (تحقیقی مقالہ نمبر)	بھاشا و بھاگ پنجاب پٹیالہ ۲۰۰۱
۱۵۳	پرواز ادب (آزاد گلاٹی نمبر)	بھاشا و بھاگ پنجاب پٹیالہ، نومبر۔دسمبر ۱۹۹۰
۱۵۴	جمناتٹ (حالی اور سرزمین حالی نمبر)	ہریانہ اردو اکیڈمی ہریانہ ۱۹۹۲
۱۵۵	رہنمائے تعلیم	ماہنامہ، مکتبہ جامعہ نئی دہلی
۱۵۶	سہ ماہی فکر و تحقیق	قومی کونسل فروغ برائے اردو زبان دہلی
۱۵۷	ہماری زبان	ہفت روزہ، نئی دہلی
۱۵۸	ہمارا ادب	جموں و کشمیر کلچرل اکادمی

تحقیقی مقالات

شمار	مقالہ نگار	موضوع	یونیورسٹی	سنہ
۱۵۹	انعام الرحمٰن	پنجاب میں اردو ڈرامے کی روایت: ایک تجزیاتی مطالعہ	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۴
۱۶۰	سلیم زبیری	پنجاب میں اردو غزل کے پچاس سال	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۰۸
۱۶۱	شبنم حیات	سردار انجم شخصیت اور شاعری: تفہیم و تجزیہ	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۱
۱۶۲	عابدہ رفعت	پنجاب میں اردو مرثیہ: تفہیم و تجزیہ	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۵
۱۶۳	غلام رسول	مشرقی پنجاب میں اردو نظم آزادی کے بعد	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۹
۱۶۴	کہکشاں فلک	پنجاب کی خواتین افسانہ نگار: تفہیم و تجزیہ	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۷
۱۶۵	محمد امین نجار	اردو میں سکھ نثر نگاروں کی ادبی خدمات	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۹
۱۶۶	محمد ایوب	سردار پورن سنگھ ہنر: حیات اور ادبی خدمات	گرونانک دیو یونیورسٹی، امرتسر	۲۰۱۷
۱۶۷	محمد جمیل	عبدالحلیم شرر کی غیر تاریخی ناول نگاری	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۱۹۹۰
۱۶۸	محمد عرفان	مشرقی پنجاب میں اردو زبان و ادب کی تعلیم کا اجمالی جائزہ	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۲۰
۱۶۹	محمد قدیر	پنجاب میں اردو افسانہ ۱۹۵۰ کے بعد: ایک تجزیاتی مطالعہ	گرونانک دیو یونیورسٹی، امرتسر	۲۰۱۳
۱۷۰	نازنین	گوپال متل کی ادبی خدمات تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۰
۱۷۱	نازیہ کوثر	پنجاب میں اردو خودنوشت نگاری: تاریخی وفنی مطالعہ	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۸
۱۷۲	ناشر نقوی	اردو کے سکھ شعراء: ایک تجزیاتی مطالعہ	پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ	۱۹۹۲
۱۷۳	نسیم اختر	آزادی کے بعد اردو کی پنجابی شاعرات	پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ	۲۰۱۸
۱۷۴	ہرکرشن لعل	پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی: فن اور شخصیت	پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ	۱۹۸۸

Websites

www.punjabiuniversity,com

www.punjaburduacademy.com

www.puchd.ac.in

www.gndu.ac.an

www.rekhta.com

www.urdulinks.com

www.scholarsworld.net

www.wikipedia.org